# قیامت صغریٰ

اور

# مملکت خداداد کا قیام

ڈاکٹر عالیہ جواد

# قیامت صغریٰ

اور

# مملکت خداداد کا قیام

## آدم سے لے کر خاتم اور دور جدید تک

ڈاکٹر عالیہ جواد

قلمکار کلب، پاکستان

119۔ بھایانی شاپنگ سینٹر، بلاک ایم، نارتھ ناظم آباد، کراچی

جملہ حقوق محفوظ ہیں


| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کا قیام |
| مصنفہ | : | ڈاکٹر عالیہ جواد |
| ٹائٹل | : | قلمکار کلب پاکستان |
| مطبع | : | قلمکار کلب پاکستان |
| اشاعت اول | : | اکتوبر 2023ء |
| تعداد | : | 300 |
| قیمت | : | تحفہ بحق سلامتی امام الزماں والعصر |

کتاب ملنے کا پتا

قلمکار کلب پاکستان

119۔ بھایانی شاپنگ سینٹر، بلاک ایم، نارتھ ناظم آباد، کراچی

## انتساب

مرحومہ والدہ سیدہ صفیہ نوری کے نام،

جنہوں نے اپنی بیٹیوں کو

پرواز کے لئے پر عطا کئے۔

# اظہار تشکر

شکر ادا کرنے کے لائق تو صرف وہی ذات باری تعالیٰ ہے جو دو جہانوں کا مالک ہے۔ جس نے انتہائی کاریگری کے ساتھ کائنات تخلیق کی، خلا کو کہکشاؤں اور آفاق کو ستاروں سے مرصع کیا۔

جب اس نے کرہ ارض پر نظر ڈالی تو ہر ذرے کو زندگی سے معمور کر دیا۔ آخر میں اس نے انسان کو بہترین خلقت پر پیدا کیا۔ مٹی سے اس کی بنیاد اٹھائی، ہوا میں روح، کیمیا میں جزبات اور شعاع میں اس کی سوچ کو قائم کیا۔ سوچ میں تخیل، اور تخیل کو اس قدر قوت پرواز دی کہ مکاں سے لے کر لامکاں تک کو اس کے لئے مسخر کر دیا۔

تب اس ذات منصف نے لامتناہی آزادی کو حدود اور حدود کو قوانین کا پابند کر دیا۔ ان قوانین کا نام دین الٰہی رکھا اور اپنے رسل و انبیاء کے ذریعے اس دین کو اقوام عالم تک پہنچایا۔ یہاں تک کہ محمد عربی ختمی مرتبت حضور اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اسے مکمل کر دیا۔ ان کی آل میں امامت کا سلسلہ جاری کیا یہاں تک کہ غیبت قائم آل محمد صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمانہ آخر تک طویل کر دیا، تا کہ انسانوں پر حجت قائم رہے۔

ہم شکر گزار ہیں اس رب متعال کے جس نے ہر شے کا جوڑا بنایا، سوائے اپنی ذات معلیٰ کے؛ تا کہ احد و واحد اور یکتائی اس کی پہچان ٹھہرے۔ اس نے ہر علت کو معلول کے ساتھ اور ہر عمل کو ردعمل کے ساتھ جوڑا۔ یوں اس نے ہر قیامت صغریٰ کے روپ میں حساب جاری کیا، اور دوسری جانب ہر زمانے اور ہر قوم میں مملکت خداداد کی خبر بھیجی، تا کہ میزان کے تقاضے پورے ہوتے رہیں۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

ترجمہ: اور تم خدا کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟

طالب دعا:

**عالیہ بنت جواد علی شاہ**

آف کاملپور سیداں، پاکستان

# عرض ناشر

ڈاکٹر عالیہ جواد صاحبہ ایک مذہبی رجحان رکھنے کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ سے مکمل آگاہی رکھتی ہیں۔ان کا مطالعہ وسیع ہے،اس سے قبل ان کی ایک تحقیق کتاب حسینیت اور روحانیت،اسی ادارے سے شائع ہو چکی ہے۔

زیر نظر کتاب کا موضوع ایک دلچسپ اور دقیق تحقیق پر مشتمل ہے۔

اس تحقیق میں انہوں نے قدیم تہذیبوں کی پیشن گوئیوں کی کڑیاں آسمانی کتب کے ساتھ ملائی ہیں،اس کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث اور آئمہ اکرام کے اقوال سے بھی ثابت کیا ہے کہ آخری زمانے کے نجات دہندہ کی نشانیاں امام مھدی آخرالزماں کے ساتھ ملتی ہیں۔

اس کتاب میں ڈاکٹر عالیہ جواد صاحبہ نے آسمانی کتب،صحائف،دیومالائی داستانیں،الہامات اور پیشن گوئیوں کے حوالے دے کر بتایا ہے کہ ہر قوم،ہر مذہب اور ہر دور میں دنیا پر آنے والی سلسلہ وار بلاؤں اور اس کے بعد ایک نجات دہندہ کا ذکر ملتا ہے جو دنیا کو عدل وانصاف کے ساتھ اسی طرح بھر دے گا جیسے کہ وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی۔انہی افکار کے انہوں نے قدیم دستاویزات،قصے کہانیوں،آسمانی کتب اور ان پر قدیم وجدید تبصروں کا گہرا مطالعہ کیا،اور قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کے احیاء کی روایات میں تسلسل قائم کیا۔جن کے حوالے جا بجا دیئے گئے ہیں۔

موضوعاتی اعتبار سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے یہ ایک دلچسپ،تحقیقی اور فکر انگیز کتاب ہے جو عقل وشعور کے کئی در کھولتی ہے۔

**ڈاکٹر صابر علی ہاشمی**

مدیر اعلا: ماہنامہ رابطہ

منتظم: قلمکار کلب پاکستان

# فہرست

1۔ تعارف

2 ۔حکومت خداداد تاریخ کے آئینے میں

3 ۔امریکہ اور حکومت خداداد

4۔ قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد۔
قبل از اسلام تہذیبوں کا اثناء عشری روایات سے تقابلی جائزہ۔

5۔ حرف آخر

6۔ Bibliographic references

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ ۖ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

ترجمہ: جس دن زمین بدل کر دوسری زمین کر دی جائے گی اور اسی طرح آسمان (بھی بدل دیئے جائیں گے) اور سب لوگ نکل کھڑے ہوں گے اور سب لوگ یکتا قہار خدا کے روبرو نکل کھڑے ہوں گے ایک اللہ کی جانب۔

(الابراھیم 48)

# 1۔ تعارف

حضرت آدم کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی۔ جس پر پہلا کلمہ کندہ تھا۔ یعنی کہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔ اس کے علاوہ پاک پروردگار عالم نے حضرت ابراہیم کو ایک انگوٹھی تحفتاً بھیجی۔ جس پر چھ کلمے کندہ تھے۔ جس میں سے ایک کلمہ طیبہ لا الا اللہ محمد رسول اللہ تھا۔ اسی انگوٹھی کے صدقے میں رب متعال نے نمرود کے بھڑکائے ہوئے الاؤ کو ٹھنڈا کیا۔ یہی کلمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی پر بھی درج تھا۔

(امام علی رضا علیہ السلام، وسائل الشیعہ ص 6641، 101، 5)۔

## قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کا تصور ازلی ہے۔

ہم نے اپنی موجودہ تصنیف کا آغاز ان تصورات کے ساتھ کیا کہ قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کا جو تصور حضرت آدم کے ساتھ کرہ ارض پر اترا اور خاتم انبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جاری رہا، وہ قائم آل محمد امام مہدی عجل اللہ فرجک کا ذکر تھا۔ موجودہ تصنیف میں ہم نے نہ صرف قدیم تہذیبوں کی پیشن گوئیوں کی کڑیاں آسمانی کتب کے ساتھ ملائی ہیں؛ بلکہ قرآن وحدیث اور آئمہ اکرام کے اقوال سے بھی ثابت کیا ہے کہ آخری زمانے کے نجات دہندہ کی نشانیاں امام مھدی آخرالزماں کے ساتھ ملتی ہیں۔ منطقی طور پر اگر انبیاء اکرام نے قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا تو اس سے پہلے دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر بھی اپنی قوم کو دی۔ لیکن مفاد پرستوں نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین محمد کی خبروں پر دبیز پردے ڈال دیئے۔ البتہ ہر قوم نے مستقبل کے نجات دہندہ کو اپنی قوم سے شمار کیا۔ اسی وجہ سے ان کے تذکرے معمولی ردوبدل کے ساتھ یا من وعن جاری رہے۔

جہاں تک دین اسلام کا تعلق ہے تو اس کا آغاز حضرت آدم کے ساتھ ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے بحارالنوار میں درج ہے کہ کعب بن معاویہ نے کہا کہ میں نے بہتر (72) آسمانی کتب اور صحیفوں کا

مطالعہ کیا ہے اور کتاب دانیال کا۔ اور میں نے ان میں سے ہر ایک میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل کا ذکر پڑھا ہے۔ اور کسی پیغمبر کی پیدائش پر زمین پر فرشتے نہیں اتارے گئے سوائے حضرت عیسیٰ سلام اللہ علیہ اور احمد مرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ آسمان کے دروازے کسی کے لئے نہیں کھلے سوائے حضرت مریم سلام اللہ علیہ اور حضرت آمنہ سلام اللہ علیہ کے۔ (ص 261، 15، 1)

جہاں تک ہمارے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کا تصور ہر نبی نے اپنی قوم کو دیا تو اس کے لئے حضرت علی علیہ السلام کا ایک ہی قول کافی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی اپنے کسی نبی کو مبعوث فرمایا تو اس نے ہمیشہ اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا۔ مگر اللہ عزوجل نے اس کو تم لوگوں کے اس زمانے تک موخر کر دیا تھا۔ (بحار الانوار 89)۔

البتہ ہر دور کے انسانوں کو پیغام دیا گیا کہ قیامت صغریٰ کی گھڑی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن وہ وقت قریب ہے جب ظلم و جور انتہا کو پہنچ جائے گا اور اس کے بعد عذاب الٰہی زمینی و افلاقی بلاؤں کی صورت میں نمودار ہوگا۔ دنیا کی تین تہائی آبادی ہلاک ہو جائے گی۔ جو ایک تہائی بچیں گے وہ پرہیزگار ہوں گے۔ انہی آفات کے دوران نجات دہندہ ظہور فرمائیں گے۔ جن کا جھنڈہ مشرق سے لے کر مغرب تک لہرائے گا۔ وہ بچے ہوئے گناہگاروں کی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔ اور اس کے بعد مملکت خداداد کا قیام عمل میں لائیں گے۔ اسلامی روایات میں اس مملکت خداداد کو بقیہ آل محمد امام الآخر الزماں مھدی عج سے منسوب کیا گیا ہے۔ امام القائم عج مملکت خداداد کے سربراہ ہوں گے اور حضرت عیسیٰ، پیغمبر ادریس، عہد قدیم کے دیگر پیغمبران جنہیں زندہ آسمانوں پر اٹھایا گیا، حضرت خضر اور اصحاب کہف کے علاوہ کئی ایک بزرگوار آسمانوں سے نزول فرمائیں گے اور کار حکمرانی میں ان کے دست راست ثابت ہوں گے۔ اس کے علاوہ یہ کہ زمین اپنے خزانے الٹ دے گی۔ امن و امان، علم و حکمت اور خوشحالی کا ایسا دور دورہ ہوگا کہ لوگ خواہش کریں گے کہ ان کے مرحومین زندہ ہو جائیں اور اس دور کی نعمتوں سے استفادہ حاصل کریں۔

اسلامی روایات میں مملکت خداداد کی مدت بیان نہیں کی گئی۔ البتہ بائبل میں اس دور کی مدت ہزار سال بتائی گئی ہے، جس کی وجہ سے مغربی مفکرین نے اس دور کو دی ملینیم کا نام دیا۔ دی ملینیم کے تصور نے انیسویں صدی میں زور پکڑا اور اس کے قیام کے لئے مغربی دنیا میں کئی ایک چھوٹی اور بڑی مذہبی تنظیموں نے جنم لیا۔ حتیٰ کہ سیاسی اور سائنسی بنیادوں پر بھی بڑے پیمانے پر منصوبہ بندی کی گئی۔ ہماری طرح شاید آپ بھی یہ جان کر حیران ہوں گے کہ دور جدید کی سائنس کا ایک اہم مقصد قیامت صغریٰ کی

ہولناکیوں سے بچنا، اینٹی کرائسٹ کے مقابلے کے لئے تیار ہونا اور حضرت عیسیٰ ع کی دوبارہ آمد سے پہلے ان کی مملکت کی بنیاد رکھنا تھا۔

تاریخ انسانی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دور قدیم سے لے کر جدید تک دنیا کے تقریباً ہر خطے میں مملکت خداداد کے عقیدے کو لے کر مہمات اٹھتی رہیں، جنگیں لڑی گئیں جب بادشاہ نااہل اور ظالم ہوتے، قحط پڑ جاتا اور وبائیں پھوٹ پڑتیں تو کوئی نہ کوئی جھوٹا نجات دہندہ اٹھ کھڑا ہوتا اور لوگوں کو یقین دلاتا کہ وہی خدا کا بھیجا ہوا مسیحا ہے۔ جو پسے ہوئے غریب عوام کے دکھوں کا تدارک کرے گا۔ اس کے علاوہ کئی ایک بادشاہوں اور حکمرانوں نے بھی نجات دہندہ کا لقب یا خطاب حاصل کر کے اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو تقویت دی۔ ہم نے اپنی موجودہ کتاب میں انہی امور کی جانب اشارہ کیا ہے اور ان سے متعلق اہم سوال اٹھائے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ دیگر مذاہب کے اکابرین نے وقت کے ساتھ آسمانی کتب اور صحیفوں سے دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکرے تو حذف کر دیئے لیکن دنیا کے تقریباً ہر خطے، تہذیب اور ثقافت میں قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کے قیام کے قصے باقی رہ گئے۔ آسمانی کتب اور صحائف ہوں یا دیومالائی داستانیں، یا پھر الہامات اور پیشن گوئیوں کا سلسلہ جاری رہا، ہر جا دنیا پر آنے والی سلسلہ وار بلاؤں اور اس کے بعد ایک نجات دہندہ کا ذکر ملتا ہے جو دنیا کو عدل وانصاف کے ساتھ اسی طرح بھر دے گا جیسے کہ وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی۔ انہی افکار کے تحت ہم نے قدیم دستاویزات، قصے کہانیوں، آسمانی کتب اور ان پر قدیم وجدید تبصروں کا گہرا مطالعہ کیا، اور قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کے احیاء کی روایات میں تسلسل قائم کیا۔ اس مطالعے نے ہمیں موقع فراہم کیا کہ چند قدیم وجدید تہذیبوں کے معاشرتی اور سیاسی امور پر قلم اٹھائیں، ان کی غلطیوں سے مقدور بھر اسباق حاصل کریں، اور جدید معاشرے کی بہتری کے لئے چند تجاویز پیش کریں۔

اس ادنیٰ کاوش کا آخری اور سب سے اہم مقصد غیبت امام کی وکالت اور اس کا تحفظ ہے۔

گو کہ قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کی مختلف زمانوں کی روایات کا تسلسل قائم کر کے ہم نے اپنی توفیق کے مطابق اپنا فرض ادا کر دیا۔ لیکن کتاب کے آخر میں ہم نے خالص اسلامی نقطہ نگاہ سے دلائل پیش کئے۔ اگر ہم تنگ نظری اور تعصب کی عینک اپنی آنکھوں سے ہٹا کر دیکھیں تو صاحب العصر والزمان امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجک کی غیبت کی روایات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

باب دو میں ہم نے قدیم تہذیبوں (بابل اور نینوا، مصر، یونانی اور ایرانی)، اور اس کے علاوہ ادیان ابراہیمی میں حکومت خداداد کے تصور کو اجاگر کیا۔ اس دور کے کاہنوں کا ایک اہم فریضہ، پیشنگوئی کرنا بھی تھا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ وہ دیوی دیوتاؤں، کاہنوں اور معبد خانوں کی اجارہ داری کا زمانہ تھا۔ اس وقت جنگیں عام تھیں۔ معیشت کا زیادہ تر انحصار زراعت، تجارت اور قدرتی وسائل پر ہوتا تھا۔ بادشاہ وقت کو جب بھی کوئی مہم درپیش ہوتی، یا خشک سالی کا زمانہ ہوتا تو وہ کاہنوں سے رجوع کرتا تھا۔ حتیٰ کہ عوام کو بھی ہدایت تھی کہ اگر وہ کوئی غیر سرکاری پیشن گوئی سنیں تو بادشاہ کو فوری اطلاع دیں۔ ایسے خطوط بغیر کسی تاخیر کے بادشاہ تک پہنچائے جاتے تھے۔ لہٰذا بابل سے لے کر یونان اور ایران تک ہمیں کئی پیشنگوئیوں کے شواہد ملتے ہیں۔ انہی میں سے ایک اہم، نیفرٹی کی پیشنگوئی بھی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ مستقبل میں آنے والا نجات دہندہ، خین خین کی اولاد سے ہوگا۔ بائبل میں کئی مقام پر، خین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ یہ قدیم مصری زبان سے عبرانی میں آیا۔ اگر اسے نام کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس کے معنی جس کی خدا نے خود تعریف کی ہو یا محبت و احسان کیا ہو، کے بنتے ہیں۔ یعنی کہ آج سے چار ہزار سال پہلے ایک کہنے والے نے کہہ دیا کہ مستقبل کا نجات دہندہ احمد کی اولاد سے ہوگا۔ اللہ اکبر۔

مذہب ابراہیمی کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے ہم نے تورات اور بائبل کے کئی حوالے پیش کئے۔ اسی لئے یہاں پر ہم ان کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

اہل یہود کی موجودہ کتاب، تنخ کو عام طور پر تورات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ درحقیقت تورات میں پیغمبر موسیٰ بن عمران پر نازل ہونے والی پانچ کتب شامل ہیں۔ جبکہ تنخ چوبیس (24) کتب پر مشتمل ہے، جس میں تورات کی پانچ کتب اور بنی اسرائیل کے پیغمبروں پر نازل ہونے والے آٹھ صحائف بھی موجود ہیں۔ ان آٹھ صحائف میں زبور بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ گیارہ (11) کتب ایسی ہیں جن میں پیغمبروں کی دعائیں، اقوال اور قصے بیان کئے گئے ہیں۔ تنخ کو عبرانی بائبل کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

عیسائی بائبل کے دو حصے، عہد عتیق اور، عہد جدید ہیں۔ عیسائیوں نے تنخ کی کتب کی ترتیب میں معمولی ردوبدل کی اور اسے عہد عتیق کے نام سے اپنی بائبل میں شامل کر لیا۔ کیوں کہ عیسائی عقاید کے مطابق حضرت عیسیٰ تورات کو منسوخ کرنے کے لئے نہیں، بلکہ اہل یہود کے خود ساختہ اور گمراہ کن نظریات کو رد کرنے کے لئے آئے تھے۔ دوسری جانب، عہد جدید میں حضرت عیسیٰ کے چار حواریوں میتھیو، مارک، لوکا اور جون سے منصوب حضرت عیسیٰ ع کی زندگی کے واقعات اور اقوال درج ہیں۔ اسی لئے عہد

جدید کو گوسپل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ گوسپل کا مطلب ہے کہانی، یعنی کہ حضرت عیسیٰ کی زندگی کی کہانی۔

تنخ کی کچھ کتب متنازع بھی ہیں۔ جن کی دو وجوہات ہیں۔

1) مغربی ماہرین کے درمیان ان کتب کے مصنف کے بارے میں اتفاق رائے نہ ہو سکا،

2) یا پھر ان کا متن متنازع تھا۔ انہی میں سے کتاب حنوک (صحف ادریس)، اور سینٹ جون کی دی ریویلیشنز (یوحنا بن زبدی کی پیشگوئیاں) بھی ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ ہمارے مقاصد کے لئے یہی دو کتب بہترین ثابت ہوئیں۔ جب ہم نے ان کتب کا تقابلی جائزہ قرآن وحدیث اور آئمہ کرام کے اقوال کے ساتھ کیا تو دونوں میں مطابقت پائی۔

کتاب حنوک قدیم علوم، طوفان نوح کی تفصیلات اور مستقبل کے نجات دہندہ کی خبروں کے سلسلے میں ایک خزینے کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ بعد کی کتب میں جو اصطلاحات نجات دہندہ کے لئے استعمال کی گئیں ان کا اولین استعمال اسی کتاب میں ہوا مثلاً ابن آدم یا چنے ہوئے، وغیرہ۔

قصص الانبیا کے مطابق حضرت ادریس کو حضرت آدم کی تیسری، پانچویں یا آٹھویں نسل سے بیان کیا جاتا ہے۔ اور ان کا زمانہ حضرت نوح سے ہزار سال پہلے کا بتایا جاتا ہے۔ (Javadi&Amali,2003)

ان کا اصل نام حنوک یا اخنوخ تھا۔ لیکن ایک طویل عرصے تک لوگوں کو درس وتدریس دینے کی وجہ سے عوام الناس میں ادریس کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ قرآن پاک میں بھی سورہ مریم (51-56) اور سورہ الانبیاء (85) میں انہیں اسی نام سے یاد کیا گیا ہے۔ حدیث شریف کے مطابق وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قلم کے ذریعے لکھا اور لوگوں کو پڑھنا اور لکھنا سکھایا۔ (P.269,Shahri.1387)

علی ابن ابراہیم القمی کے مطابق امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ بہت سی کتب تحریر کرنے کی وجہ سے انہیں ادریس کہا گیا (تفسیر قمی۔ 1363۔ پرچہ 2۔ ص 52)۔ علامہ باقر مجلسی نے بحار الانوار میں ان کے کئی ایک نام گنوائے ہیں اور جلد 95 میں ان کی مکمل کتاب، صحف ادریس کے نام سے شامل کی گئی ہے۔ دراصل باقر مجلسی کے تصرف میں دستاویزات کا ایک خزانہ موجود تھا۔ جو بعد میں صفوی امراء کی شورشوں کے دوران ضائع ہو گیا۔ سید ابن طاوس نے بھی اپنی تصنیفات میں صحف ادریس کا ذکر کیا ہے۔ بعض مفسرین کے مطابق، ادریس لفظ، دروس سے نکلا ہے۔ جس کے معنی، چھپنے کے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ عرصہ دراز تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے۔ اس کے باوجود جب لوگ ہٹ دھرمی دکھاتے تو وہ دلبرداشتہ ہو کر پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اور تنہائی میں خدا سے دعا ومناجات کرتے رہتے تھے۔ ان کا

ٹھکانا کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا۔ اور لوگ کہتے کہ ادریس غائب ہو گیا ہے یا چھپ گیا ہے۔ (Yoram,n.d)

کتاب حنوک اور دیگر ذرائع کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں پر بلا کر فرشتوں کے ذریعے تعلیم مہیا کی تھی۔ وہ اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ اور ماہر علم نجوم، فلکیات، موسمیات، جغرافیہ، فلسفہ، منطق، حساب اور علم وحکمت کے ماہر تھے۔ (Tabatabai.P.72)

کتاب حنوک کے موجودہ نسخے کے اولین ابواب میں خدا کے فرشتوں کی اہانت کی گئی ہے۔ لہٰذا اہل یہود نے اسے تورات سے خارج کر دیا۔ اسی طرح کتاب حنوک کو عیسائی بائبل میں بھی جگہ نہیں دی گئی سوائے ایتھوپین بائبل کے، جو کہ قدیم ترین نسخوں میں سے ایک ہے۔ ہم نے اپنی موجودہ تحقیق میں ایک سے زیادہ مقامات پر اس کتاب کے حوالے پیش کئے ہیں۔ کیونکہ پہلے باب سے صرف نظر اس کتاب میں حضرت نوح کے سیلاب کی نادر تفصیلات، اور آخری زمانوں کے حالات اور نجات دہندہ کا تفصیلی ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر تو یہ کہ آئمہ اکرام اور علماء بارہا صحف ادریس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اب جہاں تک تعلق ہے خدا کے فرشتوں کی اہانت کا تعلق ہے تو وہ کتاب کے اول حصے میں پائی جاتی ہیں اور دیگر حصوں کو متاثر نہیں کرتیں۔ غالباً" وہ اذکار خاص مقاصد کے تحت بعد کے زمانوں میں شامل کئے گئے ہوں۔ لہٰذا آئمہ اکرام اور اکابرین نے پورے صحیفے کو رد کرنے کی بجائے مستند مقامات کا حوالہ دیا اور غیر مستند پر توجہ نہ دی۔ ہم نے بھی انہی بزرگ ہستیوں کی تقلید اختیار کی اور اندرونی اور بیرونی تصدیق کے ذریعے جہاں سچ کی روشنی نظر آئی اس جا کا حوالہ پیش کیا۔ مثال کے طور پر کتاب حنوک 60۔2 میں درج ہے کہ، ابن آدم کو آغاز آفرینش سے ہی تخلیق کر دیا گیا تھا اور تمام چنے ہوؤں کو اس کا چہرہ دکھا دیا گیا تھا۔ (Encyclopedia of Islam,2009)

اس کے علاوہ سینٹ جون کی پیشنگوئیاں (دی ریویلیشنز) بھی ہمارے مقصد کے لئے اہم ذریعہ ثابت ہوئیں۔ دی ریویلیشنز قیامت صغریٰ کے بیانات اور مستقبل کے نجات دہندہ کی تفصیلات سے بھری پڑی ہے۔ عیسائیوں نے وہ پیشنگوئیاں حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد پر محمول کیں۔ لیکن وہ نشانیاں حضرت عیسیٰ کے حالات وواقعات اور اقوال کے ساتھ میل نہیں کھاتی تھیں۔ گو کہ عیسائیوں نے اسے عہد جدید کی آخری کتاب کے طور پر بائبل میں شامل کر لیا تھا، لیکن ان کے مخالف مذہبی حلقوں کے دوران یہ کتاب عرصہ دراز تک متنازع رہی۔ موجودہ تحقیق کے دوران ہم نے سینٹ جون کی شخصیت اور ان کی پیشنگوئیوں کا عیسائی اور اسلامی لحاظ سے تقابلی جائزہ لیا۔ ہمیں پہلی مرتبہ علم ہوا کہ آئمہ اکرام کے

ہاں وہ، یوحنا بن ذبدیٰ کے نام سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کو اتنے محبوب تھے جتنے حضرت یعقوب کو حضرت یوسف۔ ہماری تحقیق نے واضح کیا کہ وہ محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی اتنے ہی شیدائی تھے، جتنا کہ عیسیٰ بن مریم کے۔ یا شاید اس سے بھی زیادہ۔ اسی لئے پاک پروردگار عالم نے انہیں مستقبل کے حالات سے آگاہ کیا، امام مھدی عجل تعالیٰ فرجک کی ہر وہ نشانی دکھائی جو بعد ازاں آئمہ کرام نے بیان کی، اور حکم دیا کہ ان تفصیلات کو قلم بند کرو تا کہ وہ رہتی دنیا تک محفوظ رہیں۔ اسی لئے انہوں نے، دی ریویلیشنز تحریر کی۔

سینٹ جون عیسیٰ بن مریم کے سب سے کم عمر ساتھی تھے، اور حضرت عیسیٰ سے ایسی محبت رکھتے تھے جیسی ایک بچہ اپنے بزرگ سے رکھتا ہے۔ اور عیسیٰ بن مریم نے بھی ہمیشہ ان کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا۔ یسوح مسیح نے انہیں بیماروں اور خصوصاً" دل کی بیماریوں کا علاج کرنے اور پانی پر چلنے کا معجزہ عطا کیا تھا۔ عیسائیوں کے دوران وہ اپنی محبت، وفاداری اور اپنی تحریروں کی وجہ سے ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اس تصنیف کے دوران جب ہم نے سینٹ جون کے بیان کردہ واقعات کا موازنہ آئمہ اکرام کے اقوال سے کیا تو حیران رہ گئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو الفاظ سینٹ جون پہلی صدی عیسویں میں استعمال کرتے ہیں، سات سو سال کے بعد وہی واقعات انہی الفاظ میں آئمہ اکرام ظہور مھدی عج کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اب چاہے کوئی یہ کہہ دے کہ اہل تشیع نے سینٹ جون کے الفاظ کو اثنا عشری آئمہ سے منسوب کر دیا ہے، لیکن قرآئن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دی ریویلیشنز کبھی بھی مسلمانوں کی توجہ کا مرکز نہیں بنی۔ البتہ اب ہم قیاس کرتے ہیں کہ سینٹ جون جیسے نہ جانے کتنے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل کے شیدائی ہماری کوتاہ نظری کی وجہ سے پس آئینہ چلے گئے ہوں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو ایک سیاہ باکس میں بند کر لیا ہے۔ جہاں ہمیں قریب ترین اشیاء کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ دوسرے مذاہب کی تحقیق تو رہی ایک جانب، ہم تو اپنے علاقے اور مخصوص مکتبہ فکر سے باہر دیکھنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ البتہ اب ہم زور دے کر کہیں گے سینٹ جون اور ان جیسے دوسرے بزرگواروں کی پیشنگوئیوں پر کام کرنا وقت کی شدید ضرورت ہے۔

سینٹ جون اعلیٰ درجے کے صاحب بصیرت اور مستقبل بین تھے۔ ان کے القابات میں سے ایک بشارت دینے والا بھی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب دی ریویلیشنز (انکشافات) میں مستقبل میں آنے والے نجات دہندہ اور مملکت خداداد کی خوش خبری سنائی ہے۔ سینٹ جون نے جب دی ریویلیشنز

لکھی تو انہیں ملک بدر کر دیا گیا تھا اور وہ یونانی جزیرے پاٹموس میں غریب الوطنی کی زندگی گزارتے تھے۔ آج وہ مقام جدید ترکی کے بارڈر پر واقع ہے۔ اس وقت وہ رومن بادشاہ ڈومیٹین کے ظلم وستم کا شکار تھے۔ کچھ عرصے بعد انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ ان کی وفات بھی زہر خوانی کے سبب ہوئی۔ یونانی زبان میں اس کتاب کے تین سو مسودے دریافت ہوئے ہیں۔

امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کے دربار میں عیسائیوں کے وفد سے پہلا سوال انہی حضرت کے بارے میں کیا۔ آپ نے دریافت کیا کہ کیا وہ یوحنا بن زبدی کو جانتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یوحنا یسوح مسیح کے سب سے زیادہ عزیز حواری تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا! تو تم یوحنا کو حضرت عیسیٰ کا سب سے قریبی حواری مانتے ہو؟ تو کیا انجیل یہ نہیں کہتی کہ یوحنا نے کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یسوح مسیح نے مجھے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آگاہ کیا اور ان کی آمد کی خوشخبری سنائی؟

عیسائیوں نے جواب دیا کہ ہاں یوحنا نے یہ کچھ کہا تھا۔ لیکن انہوں نے یسوح مسیح کے بعد آنے والے فرد کا نام، خاندان یا ورثاء کے بارے میں کچھ نہ بتایا تھا۔ تو ہم انہیں کس طرح پہچان سکتے ہیں؟ امام نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو بلاؤں جو انجیل پڑھ سکتا ہو۔ اور وہ تمہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان کے خاندان اور برادری کے بارے میں بتا دے تو تم کیا کہو گے؟ انہوں نے جواب دیا یقیناً" بلاؤ۔

اس کے بعد امام علی رضاؑ نے یہودیوں کے قبیلہ الجالوت کے سردار کو بلایا اور فرمایا کہ انجیل کا تیسرا صحیفہ پڑھو۔ سردار نے وہ حصہ پڑھا۔ یہاں تک کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام، خاندان اور برادری تک پہنچ گیا۔ عیسائیوں نے کہا کہ ہاں ہم انجیل کے تیسرے صحیفے کو مانتے ہیں۔

تو گویا کہ سینٹ جون دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں میں تھے۔ اور ان کے پیارے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ نے انہیں آخری زمانوں کے حالات سے آگاہ کیا تھا۔ روایات کے مطابق پاٹموس کے جزیرے پر سینٹ جون نے رب العلی الاعلیٰ کے حضور اس قدر گریہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بادشاہوں کے بادشاہ کا ظہور دکھا دیا۔ اور واضح کر دیا کہ، وقت اب قریب ہے۔ یاد رہے کہ اس کے مقابلے میں حضرت ادریسؑ نے فرمایا تھا کہ وہ مستقبل بعید کی خبریں سنا رہے ہیں۔

سینٹ جون کی دی ریویلیشنز کئی ایک الہامات پر مشتمل ہے۔ جن میں زمانہ قدیم سے لے کر آخری وقت تک کے حالات، اور آفات وبلیات بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ سینٹ جون اس سچے اور وفادار کی پیدائش، غیبت اور بعد ازاں ان کے ظہور، ان کے فیصلوں، ان کی حکومت اور دارالحکومت کا ذکر

کچھ اس طرح سے کرتے ہیں کہ قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں صدیوں بعد کہی گئی احادیث اور اثناء عشری آئمہ اکرام کے اقوال سے سر مو فرق نہیں پایا جاتا۔ وہ اپنی کتاب میں آسمانی تخت، آفات و بلیات، ایک بچے کی پیدائش، ظہور کی تفصیلات، مقدس شہر اور آفاقی چشمے کا نظارہ کرتے ہیں۔

باب تین کا آغاز اس وقت ہوا جب ہم اپنی گزشتہ کتاب بین مذہبی تناظر میں روحانیت اور حسینیت کے لٹریچر کے مطالعے کے دوران ہمیں پتا چلا کہ امریکہ دریافت کرنے والے کرسٹوفر کولمبس نے اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیشرو کہا تھا جو مملکت خداداد کی بنیادیں استوار کرے گا۔ اس نے لمبے چوڑے حسابات کے ذریعے ظہور کا وقت متعین کیا اور اس سلسلے میں تاج ہسپانیہ کو کئی خطوط تحریر کئے۔ البتہ بائبل کے جو حوالہ جات اس نے پیش کئے، مسلمان علماء ان پر تحقیقات کر کے واضح کر چکے ہیں کہ وہ قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں۔

کرسٹوفر کولمبس کی کہانیوں اور تحریروں کی وجہ سے امریکہ کو بائبل کی بیان کردہ نئی دنیا تصور کر لیا گیا۔ گو کہ وہ ہسپانوی تھا لیکن برطانیہ، فرانس اور دیگر یورپی ممالک کے گرجا گھروں میں اسے عیسائیت کا نجات دہندہ اور عظیم ہیرو کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس کے بارے میں مضامین، کتب اور نظمیں لکھی گئی۔ اس نے، نئی دنیا کی جانب ہجرت اور آبادکاری کی روایت قائم کی اور مغربی آبادکار صدیوں تک اس کی پیروی کرتے رہے۔ ان میں کئی قسم کے لوگ تھے۔ کچھ تو جرائم پیشہ تھے۔ جو اپنے آبائی ممالک سے بھاگ کر امریکہ کی وسیع سرزمین پر آباد ہو گئے۔ کچھ ایسے باغی جتھے تھے جنہیں فرانس اور دیگر حکومتوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت امریکہ بھیجا اور انہیں وہاں آباد کیا۔ عیسائیوں کے کچھ فرقے اپنی زمین سے مذہبی تشدد کی وجہ سے بھاگے اور کچھ نئے وسائل کی تلاش میں اس زمین پر آباد ہو گئے۔ کرسٹوفر کولمبس اور دیگر آبادکاروں کی غلط رپورٹس کے مطابق یہ خطہ سونا، چاندی، قیمتی دھاتوں اور زرخیز زمینوں کی جنت تھا۔

آبادکاری کا سلسلہ جو کرسٹوفر کولمبس سے شروع ہوا اور آج تک جاری ہے، اس میں امریکہ کے مقامی قبائلیوں کی حیثیت شاید جانوروں سے بھی کم تر تھی۔ انہیں غلام بنا کر ہسپانیہ بھیجا گیا یا ان کی آبائی زمینوں پر ان سے کام لیا گیا۔ ان کا مذہب زبردستی تبدیل کروایا گیا۔ ان کی ثقافت ختم کر دی گئی اور ان کی زمینیں چھین لی گئیں۔ اور آخر کار چند بنجر اور غیر آباد علاقے ان کے لئے مخصوص کئے گئے اور انہیں وہاں دھکیل دیا گیا۔ آج امریکہ میں ایسے علاقوں کو ریزرویشنز کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہیں یقین

دلایا گیا تھا کہ انہیں ترقی کے مواقع فراہم کئے جائیں گے۔لیکن وہ وعدے کبھی وفا نہ ہوئے۔آج بھی وہاں بھوک، بیماری، نشہ اور قبل از وقت موت عام ہے۔بعض اوقات امریکی کمیونیکیشن میڈیا ان ریزرویشنز کو تیسری دنیا کے نام سے بھی یاد کرتا ہے۔لیکن ان کی رہائش اور ملازمت کے مواقع تیسری دنیا سے کہیں کم تر ہے۔کرسٹوفر کولمبس جو مملکت خداداد بنانے نکلا تھا، اس کی کہانی ظلم اور ناانصافی سے شروع ہوئی، اور آج تک جاری ہے۔

قدیم آسمانی کتب، قرآن وحدیث اور آئمہ اکرام کے اقوال کے مطابق نہ تو کوئی ظہور کی گھڑی جانتا ہے اور نہ ہی مملکت خداداد کی مدت۔جو کوئی بھی اس امر میں عجلت کرے گا وہ بحر حال دنیا و آخرت میں ملعون ٹھہرے گا۔ہماری کتاب میں بارہا اس امر کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔

باب چار میں ہم نے جدید سائنس اور مذہب کے تعلق کے مخفی گوشے بیان کئے ہیں۔جس طرح باب تین کا آغاز ایک عجیب سوال سے ہوا، بالکل اسی طرح اس باب کا آغاز بھی ایک انوکھے سوال سے ہوا۔یعنی کہ،

کیا سائنس اس مقام تک پہنچ گئی ہے جہاں وہ (کم از کم معدودے چند) معجزات کی توجیہہ پیش کر سکے؟

ہم نے اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لئے چند اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد سے رابطہ کیا۔ان کے جوابات ہماری توقع کے عین مطابق تادیبی تھے۔کیونکہ ہم معجزے کو خدائی کرشمہ کہہ کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔اس سے آگے سوچنا یا غور وفکر کرنا ہماری ذمہ داری نہیں۔کیونکہ غور وفکر کا آغاز تو سوال سے ہی ہوتا ہے اور معجزے پر سوال کو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر سوال کے برابر سمجھا جاتا ہے۔عام طور پر ہم معجزے کے پیچھے چھپے علت ومعلول کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، نہ ہی اس کے پیچھے چھپی نشانیوں کو۔ان جوابات سے اخذ کئے گئے چند اقتباسات حاضر خدمت ہیں۔

1) معجزہ انبیاء اور رسل کو عطا کیا جاتا ہے۔اولیا اللہ کے پاس کرامات ہوتی ہیں۔اس کے علاوہ ایک طاقت، استدراج کی بھی ہے۔جو کوئی بھی مسلم یا غیر مسلم ریاضت ومحنت سے حاصل کر سکتا ہے۔

2) میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ اس کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی مطیع وفرمانبردار ہے۔ممکن ہے کہ قادر مطلق کسی بھی شے کے قوائد وضوابط عارضی طور پر تبدیل کر دے۔اور وہ شے مافوق الفطرت طور پر کسی غیر معمولی عمل کا اظہار کرے۔

3) معجزہ اس وقت نبیوں کو دیا گیا جب کسی قوم کی قسمت کا فیصلہ کر دیا گیا، سوائے بنی اسرائیل اور نصریٰ کے۔ معجزے کا مطلب ہے عاجز آ جانا۔ معجزے کی آج تک نہ تو کوئی سائنسی توجیح ہو سکی ہے اور نہ ہی کبھی ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے وہ بندہ بھی کر سکتا ہے۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسے مباحث میں پڑنے سے بہتر ہے کہ ہم رسول اکرم کی سنت پر غور کریں۔ ایسے مباحث کا اللہ کے ہاں نہ تو کوئی اجر ہے نہ ہی کوئی مقام اور فائدہ۔

4) معجزہ بلند ترین سائنسی مقام رکھتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جہاں تک انسانی ذہن صدیوں کے بعد پہنچ پاتا ہے۔ جب انسانی تحقیق خدا کے ان رازوں کو پا لیتی ہے تو اسے سائنس کا نام دے دیا جاتا ہے۔ البتہ بہت سے معجزے ایسے ہیں جہاں تک جدید سائنس نہیں پہنچ سکی۔ جیسے چاند کے دو ٹکڑے کرنا، سورج کا پلٹ کر آ جانا یا مردے کو زندہ کر دینا۔ البتہ ایک وقت ایسا آئے گا جب سائنسی آلات کے ذریعے مردہ کو زندہ کر دیا جائے گا۔ لیکن اس وقت ایڈوانس سائنس کا غیر مناسب استعمال اس حد تک بڑھ جائے گا کہ قیامت صغریٰ برپا ہو جائے گی اور ایسے حالات پیدا ہوں گے جنہیں سنبھالنا انسان کے لئے ممکن نہ رہے گا۔ تب امام عج کا ظہور ہو گا اور وہ ہی انسانیت کی نجات کا باعث بنیں گے۔

5) اس ٹاپک پر تحقیق کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے انسان کا روحانی طور پر انتہائی مضبوط ہونا ضروری ہے۔ خدا نے اپنے نبیوں اور ولیوں کو قسم قسم کے معجزات اور کرامات عطا کیں۔ امیر المومنین حضرت علیؑ نے جنگ خیبر کے موقع پر اپنا جھنڈا پتھر میں گاڑا، اسے نکالا اور دوبارہ گاڑا۔ انہوں نے اس عمل کو تین مرتبہ دہرایا۔ یہودی چلا اٹھا کہ صدیوں بعد ایک دن ایسا آتا ہے جب زمین، سورج اور چاند ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ جاتے ہیں اور زمین کے پتھر موم کی طرح نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ شخص زمین و آسمان کے علوم سے واقف ہے۔ اس کا مقابلہ مت کرنا ورنہ تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔

ان جوابات میں چند اہم اشارے چھپے ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک سائنس اور مذہب (اور معجزہ) کا تعلق تھا اور دوسرے مستقبل قریب میں آنے والی ایڈوانس سائنس کا تصور، جو غالباً معجز نما ہو گی۔ ان جوابات سے ہمیں تحریک ملی کہ سائنس اور مذہب کے باہمی تعلق پر لکھے گئے لٹریچر کا مطالعہ کریں۔ وہ مطالعہ اس قدر سیر حاصل تھا کہ اس نے باب 3 کا مواد فراہم کیا۔

جس وقت ہم نے موجودہ تحقیق کا آغاز کیا تو ہم، سیکولر سائنس کا تصور لے کر چلے تھے یعنی کہ مذہب اور سائنس دو الگ خانوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی یا ان کے موجدین پر سیکولر

کا ٹھپہ لگا ہوا ہے۔ لہٰذا کسی بھی سائنسی کتاب میں ہمیں مذہب کا دور دور تک واسطہ نظر نہیں آتا۔ لیکن معجزے کے بارے میں جرات مندانہ سوال اور اس کے جوابات نے ہمیں مذہب اور سائنس کے اشتراک پر لکھے گئے مواد کی جانب متوجہ کیا۔ اب حیرت کی نئی وادیاں ہماری منتظر تھیں۔

یہاں پر ہمارے پی ایچ ڈی کے مقالے کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو کہ گندھارا (پاکستان) میں موجود بدھسٹ خانقاہوں کے علوم پر لکھا گیا تھا۔ اس سلسلے میں ہم نے وید اور بدھسٹ تصورات، دستاویزات اور کتب کا تفصیلی مطالعہ کیا تھا اور تصور پیش کیا تھا کہ جدید سائنس کے بنیادی نظریات قدیم مذہبی صحیفوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ رگ وید، اپنیشد اور اہم بدھسٹ راہبوں کی دستاویزات میں اعلیٰ درجے کی سائنسی معلومات ملتی ہیں۔ بھگوت گیتا آج سے 3500 پہلے ہمیں آگاہ کرتی ہے کہ پارامانڑو (ایٹم)، آنڑو (مالیکیولز) اور نظریہ اضافت کیا ہوتا ہے۔ اگر آنڑو کو توڑا جائے تو کئی ایک پارامانڑو اور اگر اسے مزید تقسیم کیا جائے تو پارامانڑو کے چھوٹے ذرات حاصل ہوتے ہیں۔ بدھسٹ راہب ناگرجون کے مطابق کرہ ارض کے باہر ایک وسیع کائنات موجود ہے۔ جس میں ایک دودھ سے بنا راستہ بھی ہے لیکن اس کائنات میں کوئی بھی شے آزاد نہیں ہے۔ بلکہ ہر شے دوسری شے پر انحصار کرتی ہے۔ اس کے علاوہ تو ہم جانتے ہی ہیں کہ قدیم ہندو رشی اور بدھسٹ راہب علم کیمیا، طب اور نفسیاتی علوم کے ماہر تھے۔ اسی لئے آئن سٹائن نے کہا تھا کہ اگر کوئی مذہب جدید سائنس کے تقاضوں پر پورا اترتا ہے تو وہ بدھ ازم ہے۔ (Ducas,1954)

ہماری موجودہ تحقیق نے واضح کیا کہ اٹھارویں/ انیسویں صدی میں ایٹم دریافت کرنے والے جون ڈالٹن اور نیوکلیئر فزکس پر بنیادی کام کرنے والے ارنسٹ رودرفورڈ سے لے کر بیسویں صدی کے البرٹ آئن سٹائن تک تمام موجد نہ صرف مذہبی ذہن رکھتے تھے بلکہ، ملینیمنر ی تھے۔ عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق حضرت عیسیٰ اپنی واپسی کی بعد ہزار سالہ حکومت قائم کریں گے یعنی کہ دی ملینیم۔ دی ملینیم کو ماننے والے اور اس کے قیام کے لئے بروقت اقدامات کرنے والوں کو ملینیمنری کہا جاتا ہے۔ وہ ملینیمنر ی سائنسدان آسمانی کتب میں دیئے گئے اشاروں کی مدد سے تصورات قائم کرتے، تجربات کرتے اور اہم نتائج اخذ کرتے تھے۔ ان کی زیادہ تر ایجادات قیامت صغریٰ کی ہولناکیوں سے بچنے اور اینٹی کرائسٹ کا مقابلہ کرنے کے لئے عمل میں لائی گئی تھیں۔

سولھویں صدی تک بائبل کی تفصیلات عام نہیں تھیں۔ وہ صرف اٹالین زبان میں پائی جاتی تھی۔

کسی بھی دوسری زبان میں اس کے ترجمے کی سزا زندہ جلا دیئے جانے کی تھی۔عوام کے لئے بائبل کے گہرے مطالعے کے راستے بند تھے۔وہ تو بس اس کی واجبی سی تعلیمات پادری کے درس میں سن لیتے تھے۔البتہ سترھویں صدی میں برطانوی بادشاہ کنگ جیمس نے بائبل کا انگریزی ترجمہ کرنے کی اجازت دے دی۔وہ ایک انقلابی قدم تھا۔جس کی وجہ سے بائبل کا مطالعہ مفکرین اور سکالرز میں عام ہوا اور بائبل سٹڈیز کی کئی ایک شاخیں کھلیں اور نئے انکشافات سامنے آئے۔ان میں سے اہم ترین قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کا قیام تھا۔چونکہ بائبل کے مطابق قیامت صغریٰ قریب تھی،اس وجہ سے اس کا بروقت تدارک بھی اہم تھا۔

گیارہویں صدی سے یورپی اقوام کی نشاۃ الثانیہ کا آغاز ہوا۔چودھویں اور پندرھویں صدی مغربی اقوام کے لئے سائنس وٹیکنالوجی،علم وحکمت اور دریافت کی صدیاں تھیں۔سلطنت ہسپانیہ اور یورپ کے دیگر علاقوں پر مسلمانوں کا سورج ڈوب چکا تھا۔اب وقت تھا کہ دنیا پر عیسائیت کا تسلط قائم کیا جائے۔لہٰذا عیسائی حکمرانوں،مشنریوں،دانشوروں نے مختلف میدانوں میں تندہی کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا لیکن سب سے زیادہ اہمیت طبعی سائنس کو دی گئی۔کیونکہ وہ قیامت صغریٰ کی ہولناکیوں سے بچنے اور دی ملینیم کی قبل از وقت تیاری کے لئے بہترین آلہ تھا۔

عیسائی حکمرانوں نے مسلمانوں کی کمزوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے علاقے فتح کر لئے۔اور مسلمان آبادیوں کو عیسائیت قبول کرنے یا بے دخلی پر مجبور کر دیا۔اس کے علاوہ کئی ایک مہم حضرات فوجی دستے اور نو آبادکاروں کے گروہ کے گروہ لے کر نئی دنیا (امریکہ) کی جانب چل پڑے۔تاکہ ان علاقوں میں عیسائیت کی ترویج کی جائے اور عیسائی آباد کئے جا سکیں۔اس کے علاوہ یورپ اور برطانیہ سے ہزاروں کی تعداد میں عام لوگوں،جرائم پیشہ،بے روزگار،بے گھر اور تنگ دست افراد نے بھی امریکہ کی جانب ہجرت شروع کر دی۔کیونکہ امریکہ ہی وہ جنت نذیر،نئی دنیا تھی جہاں مملکت خداداد قائم ہونی تھی۔مشنریوں کی بڑی تعداد نے بھی اس،نئی دنیا کا رخ کیا تاکہ مقامی قبائلیوں کو ان کی،جہالت سے آزاد کروایا جائے،گوسپل کا پرچار کیا جائے اور ہر سو عیسائیت کا جھنڈا گاڑ دیا جائے۔

اس تحریر کے لئے ہم نے قدیم وجدید مذہبی کتب،صحائف اور سائنسی معلومات کا سہارا لیا ہے۔تورات اور بائبل کے حوالے دیتے ہوئے ہمارے ذہن میں،تحریف کا سوال بار بار اٹھتا رہا۔قرآن و حدیث اور ائمہ کے مستند حوالوں کے ذریعے ہمیں قبل از اسلام الہامی کتب میں ردوبدل کا پتا چلتا ہے۔

مثلاً سورہ مائدہ (14) میں ارشاد ربی تعالیٰ ہوتا ہے کہ،

اور ہم نے ان لوگوں سے (بھی) عہد لیا تھا جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ پس انہوں نے بھی اس نصیحت کا ایک حصہ فراموش کر دیا جو انہیں کی گئی تھی۔

اسی لئے ہم نے اپنے دیئے گئے حوالہ جات کے لئے، اندرونی تصدیق کا طریقہ اپنایا۔ اس طریقہ تحقیق میں ایک ہی دستاویز کے کئی ایک مسودوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اور اگر ان تحریروں میں قابل قدر یکسانیت پائی جائے تو انہیں مستند تصور کر لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انسانی تاریخ واضح کرتی ہے کہ الہامی کتب یا دوسری مقدس روایات میں ردوبدل خاص مقاصد کے تحت کی جاتی ہے۔ مثلاً کئی اقوام نے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے احکامات خصوصاً فرض عبادات اور حلال حرام میں اپنی مرضی سے تبدیلی کر لی، کسی قوم یا نسل کی برتری کے لئے کہانیاں گھڑی گئیں اور زمین کے بعض ٹکڑوں کو مخصوص نسلوں کی وراثت قرار دے دیا گیا وغیرہ۔ البتہ تحریفات کی تحریکیں خصوصی طور پر بعد از اسلام سرگرم ہوئیں۔ جب حضور اور ان کی آل اور برادری کے تذکرے تورات و بائبل سے نکال دیئے گئے۔

یہاں پر ہم امام علی رضا علیہ السلام کا خلیفہ مامون کے دربار میں یہود و نصریٰ کے ساتھ مشہور مناظرے کے چند اقتسابات پیش کرتے ہیں۔ جس میں آپ نے اسلام کی حقانیت ثابت کرتے ہوئے واضح کیا کہ تورات اور بائبل میں تواتر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی خبر موجود تھی لیکن یہودیوں اور عیسائیوں نے یا تو اسے حزف کر دیا، یا پھر اس کی تفسیر بدل دی۔ یاد رہے کہ یہی امام علی رضاؑ کا آخری مناظرہ تھا جس کے بعد انہیں زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ امام نے راس الجالوت کے سردار سے پوچھا کہ کیا اس نے تورات میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نہیں پڑھا کہ جب آخری برادری آئے گی۔ اور وہ جو اونٹ پر سوار ہوگا۔ اور وہ نئی عبادت گاہیں بنائے گا۔ اور خدا کے دین کو نئی شان عطا کرے گا۔ سردار نے کہا کہ ہاں ہم نے اس بارے میں پڑھا ہے۔

اس کے بعد آپ نے عیسائیوں سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس کتاب شعیاء سے متعلق کیا معلومات ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کتاب شعیاء کو حرف بہ حرف جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے کتاب شعیاء میں پڑھا کہ اے لوگو! میں نے گدھے پر سوار ایک ہستی کو دیکھا جسے نور کا ہالہ گھیرے ہوئے تھا۔ اور اونٹ کے سوار کو دیکھا جس کے رخ انور کی چمک چاند جیسی تھی۔ یہودیوں اور

عیسائیوں نے اقرار کیا کہ انہوں نے کتاب شعیاء میں یہ سب کچھ پڑھا ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے عیسائیو! کیا تم حضرت عیسیٰ کا وہ فرمان جانتے ہو جس میں انہوں نے فرمایا کہ وہ بہت جلد اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔ اور ان کے بعد ایک شفیع آئے گا جو ان کی گواہی اسی طرح دے گا جیسے وہ اس کی گواہی دے رہے ہیں۔ عیسائیوں نے جواب دیا کہ آپ نے کوئی بات ایسی نہ کہی جو ہم پہلے سے نہ جانتے ہوں۔ ہاں ہم اس بات کو بھی قبول کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ انجیل کھو گئی تھی؟ اور اس کے بعد کون اسے تمہارے پاس واپس لے کر آیا۔ عیسائیوں نے جواب دیا کہ ہاں بائبل ایک دن کے لئے کھو گئی تھی۔ اس کے بعد یوحنا اور میتھیو کے ذریعے بازیاب ہوئی۔ آپ نے جواب دیا تم اس راز کے بارے میں بہت کم معلومات رکھتے ہو۔ ذرا سوچو کہ بائبل کے مختلف نسخوں میں فرق کیوں پایا جاتا ہے؟ حتیٰ کہ جو کتاب تمہارے پاس موجود ہے وہ قدیمی نسخوں سے فرق رکھتی ہے۔ جب اصل انجیل کھو گئی تو لوگ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے گرد اکٹھے ہو گئے اور فریاد کرنے لگے کہ یسوع مسیح مارے گئے۔ انجیل کھو گئی۔ تم علماء ہو تو تمہارے پاس کیا ہے؟ اس وقت لوکا اور مارک نے کہا کہ تم لوگ فکر نہ کرو۔ بائبل ہمارے سینوں میں محفوظ ہے۔ تم عبادت گاہیں ترک نہ کرو۔ ہم ایک ایک صحیفہ پڑھ کر تمہیں سنائیں گے۔ یہاں تک کہ تم بائبل اکٹھی کر لو گے۔ اس کے بعد لوکا، میتھیو، یوحنا اور مارک نے مل کر بائبل اکٹھی کی۔ کیا تم جانتے ہو کہ وہ چار افراد حضرت عیسیٰ کے شاگردوں کے شاگرد تھے؟ عیسائیوں نے کہا کہ ہمارا دل آپ کی فراہم کی ہوئی معلومات کو تسلیم کرتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے، بھائیوں میں سے ایک نبی آئے گا۔ اس کی نبوت کو قبول کرنا اور اس کی بات سننا۔ کیا تم نے بنی اسمٰعیل کے علاوہ کبھی کسی کو، بھائی کہا ہے؟ یہودیوں نے کہا نہیں۔ اور یقیناً" یہ حضرت موسیٰ کا فرمان ہے۔ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ کیا تورات میں ذکر نہیں آتا کہ روشنی نمودار ہوئی جبل سینائی سے اور جبل ساعیر اور جبل فاران سے۔ الجالوت کے سردار نے کہا کہ ہاں میں یہ الفاظ جانتا ہوں۔ لیکن اس کے مطالب میرے اوپر واضح نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جبل فاران مکہ کے پہاڑوں میں سے ایک ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ پیغمبر شعیاء تورات میں فرماتے ہیں اور تم سب اسے پڑھتے ہو کہ میں نے دو سوار دیکھے جن کے لئے زمین چمک اٹھی۔ ان میں سے ایک گدھے پر اور دوسرا گھوڑے پر سوار

تھا۔الجالوت کے سردار نے کہا کہ میں ان دونوں کے بارے میں نہیں جانتا۔آپ نے فرمایا کہ گدھے پر حضرت عیسیٰ اور گھڑ سوار حضرت محمد تھے۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم پیغمبر ہباکک کو جانتے ہو؟اس نے کہا ہاں میں انہیں جانتا ہوں۔آپ نے فرمایا کہ ہباکک کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبل فاران پر کلام فرمایا۔اور تمام افلاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کی بدولت پر نور ہو گئے۔ان کا گھوڑا پانی پر بھی اس طرح چلتا ہے جیسے زمین پر۔وہ ایک نئی کتاب لے کر آئیں گے۔جب (یروشلم کا) مقدس گھر تباہ ہو چکا ہوگا۔جس کتاب کا ذکر ہباکک کرتے ہیں وہ کونسی تھی؟وہ قرآن پاک تھا۔الجالوت کے سردار نے کہا کہ ہاں ہباکک نے یہ سب کہا تھا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ نیک عورت کا بیٹا چلا جائے گا۔اسکے بعد ایک شفیع آئے گا۔وہ تمہارے بوجھ کم کر دے گا۔اور ہر شے کی تشریح کرے گا۔میں تمثیلیں لے کر آیا ہوں۔جبکہ وہ تفاسیر لائے گا۔(بحاالانوار ص۔299،310)

قرآن وحدیث اور آئمہ کرام کے دیگر اقوال سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آسمانی کتب میں قبل از اسلام اور بعد از اسلام تحریف کی گئی۔قبل از اسلام ردوبدل کا مقصد خدا کے احکامات کی نافرمانی، قبائلی/نسلی برتری اور ذاتی گھمنڈ تھا،اور بعد از اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت سے انکار۔ اب چونکہ ہمارا موضوع قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کا قیام ہے تو خوش قسمتی سے اس کے شواہد قدیم کتب اور صحائف میں محفوظ رہ گئے ہیں۔جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ، مستقبل میں آنے والے نجات دہندہ کو ہر مذہب نے اپنی قوم کا فرد شمار کیا۔یہودی اس نجات دہندہ کو مسیحا کے نام سے پکارتے ہیں۔ عیسائی انہیں یسوع مسیح سے تعبیر کرتے ہیں۔اور مسلمانوں کے لئے یہی ہستی قائم آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہے۔کوئی شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ اور بنی اسرائیل کے کئی انبیاء جو زندہ آسمانوں پر اٹھا لئے گئے،وہ آخری دور میں تشریف لائیں گے۔اور مملکت خداداد کے قیام میں قائم آل محمد کے مددگار ثابت ہوں گے لیکن ہم نے اس کتاب میں واضح کیا ہے کہ تورات اور بائبل کی زیادہ تر پیشنگوئیاں امام مھدی عج کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔

یاد رہے کہ اوپر دیئے گئے محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ جات آج تنخ اور بائبل سے منہا ہیں۔دراصل ظہور اسلام سے پہلے اہم حوالہ جات تورات اور انجیل میں موجود تھے۔لیکن حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد انہیں سرعت سے غائب کر دیا گیا۔ آج تورات یا بائبل کے کسی بھی ورژن میں سردار انبیاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ امام القائم کا تذکرہ اس لئے پایا جاتا ہے کیوں کہ ذات باری تعالیٰ نے ان کا نام (اور مقام) خفیہ رکھا اور انہیں ابن آدم، مسیحا، بادشاہوں کا بادشاہ، صادق، وفادار اور خدا کا سچا وعدہ کہا گیا۔ یوں ان حضرت عجل اللہ تعالیٰ فرجک کی حقیقی شناخت پنہاں رہی۔ لہٰذا ہر قوم اور ہر مزہب نے انہیں اپنے میں سے جانا اور صدیوں سے اس نجات دہندہ کے انتظار میں رہے۔

تنخ اور بائبل کی تحریف کے سلسلے میں ہمیں قرآن پاک کے ایک اور اعجاز کا پتا بھی ملا۔ اور وہ یہ کہ قرآن پاک کا طرز تکلم دیگر مذاہب کی کتب کے لئے، پیمانہ اور، میزان کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن پاک تسلسل اور تبدل کلام کا بہترین نمونہ ہے۔ تسلسل اس طرح کہ قرآن پاک مختصر لیکن مکمل بات کرتا ہے۔ اس کے کسی بھی مضمون میں ہمیں غیر ضروری اور اکتا دینے والی تکرار نہیں ملتی۔ اگر کہیں تکرار ہے بھی مثلاً سورہ الرحمان میں تو وہ اتنی بامعنی لے بناتی ہے کہ قاری اور سامعین دونوں وجد میں آجاتے ہیں۔

قرآن کا دوسرا اہم پہلو تبدل ہے۔ قرآن پاک اپنے مضامین کو تیزی سے بدلتا چلا جاتا ہے تاکہ پڑھنے والے کی دلچسپی قائم رہے۔ اور وہ مضمون کی طوالت سے گھبرا نہ جائے۔ قرآن پاک ہر دور اور دنیا کے ہر خطے کے افراد، مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا بچہ، عین اس کی نفسیات کے مطابق خطاب کرتا ہے۔ سورہ بقرہ قرآن پاک کی طویل ترین سورہ ہے۔ اس میں موضوع کے لحاظ سے مختلف مضامین شامل ہیں مثلاً کلام اللہ کی صداقت، حضرت آدم کی ارضی خلافت، یہود کا ایک مقررہ وقت تک منصب سطوت وخلافت پر قائم رہنا، حضرت موسیٰ وفرعون کے قصے، من وسلویٰ اور بارہ چشمے، بچھڑے کی پوجا، کلام اللہ میں تحریف، حضرت ابراہیم و اِسمعیل اور تعمیر کعبہ، وغیرہ، اور اس کے علاوہ معاشی، معاشرتی، تجارتی اور ازدواجی زندگی گزارنے کے احکامات وغیرہ۔ لیکن رب ذوالجلال نے ان متنوع مضامین کا تسلسل اتنی خوبی سے جوڑا ہے کہ جیسے ایک لڑی میں پروئے ہوئے موتی۔ اس خوبی کلام کی وجہ سے نہ صرف قاری کی دلچسپی قائم رہتی ہے، بلکہ وہ تجسس کا شکار بھی ہوتا ہے کہ دیکھئے اگلا موضوع کیا معلومات پیش کرتا ہے۔ گویا کہ یہ سورہ کسی لہراتے اور بل کھاتے پہاڑی دریا کی مانند ہے جو کبھی سکڑتا اور کبھی پھیلتا ہے، لیکن اس کا بہاؤ مسلسل اور بامعنی ہے۔

اس کے برعکس تحریف شدہ کتب اور صحیفے غیر ضروری تفصیلات کی وجہ سے اپنا اثر کھو بیٹھتے ہیں۔

مثال کے طور پر جہاں بنی اسرائیل کی ہجرت کا بیان آتا ہے تو ہزاروں مقامات کے نام گنوائے جاتے ہیں۔ اگر قبائل کے شجرہ نسب کی بات چلے تو تمام قبائل کے سینکڑوں اکابرین کے شجرے، ان کے ناموں اور اوصاف کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔ اعداد کا ذکر ہو تو دسیوں قبیلوں کے افراد کے اعداد وشمار بیان کئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک موضوع پر مکمل کتاب لکھی جاتی ہے۔ گو وہ تفصیلات خاص عزائم کے تحت لکھی گئیں: لیکن انہوں نے ان کتب کی الوہی صفات کا خاتمہ کر دیا۔ اگر کوئی قرآن پاک کے طرز تکلم کے میزان پر دیگر مذہبی کتب کا جائزہ لے تو اسے تحریف شدہ مواد بالکل الگ سے نظر آجائے گا۔

دوسرے یہ کہ قرآن پاک کتابوں میں ایسی بہترین کتاب ہے جو انسان کو اعلیٰ درجے کا محقق بناتی ہے۔ یہ کلام الٰہی ہر قسم کے عوامل، عناصر اور امور کے بارے میں اشارے دیتا ہے۔ اور ہدایت کرتا ہے کہ اب تم خود غور کرو، زمین پر چلو پھرو (سروے) اور اپنے علم وحکمت کے ذریعے نتائج اخذ کرو۔ یہ ایک ایسی عوامی کتاب ہے جسے ہر کوئی آسانی کے ساتھ پڑھ اور سمجھ سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں تحریف شدہ کتب تھکا دینے والی پیچیدہ اور غیر ضروری تفصیلات، اصطلاحات اور ترکیبات سے بھری پڑی ہیں۔ عرصہ دراز تک ان کتب کا علم اور مطالعہ صرف خواص تک محدود رہا۔ عوام کی ان تک رسائی ہی نہ تھی۔ وہ صرف وہی کچھ جانتے تھے جو راہب اور پادریوں کے ذریعے ان تک پہنچایا جاتا تھا۔ بیسویں صدی میں ان مقدس کتب کو عام کیا گیا۔

ہمارا تیسرا نقطہ یہ ہے کہ قرآن پاک میں چاہے توصیف ہو یا تکذیب ہو یا تادیب، کائنات کے تذکرے ہوں یا انسانی معاشرے کا بیان؛ اس کی ہر آیت میں ایک خاص قسم کی گونج اور رعب ودبدبہ پایا جاتا ہے۔ جسے سن کر دل پر نہ صرف ہیبت طاری ہوتی ہے، بلکہ وہ رب متعال کی اطاعت ومحبت پر بھی مائل ہو جاتا ہے۔ دوسری جانب تحریف شدہ کتب اس صفت سے عاری ہیں۔

آخر میں ہم کہیں گے کہ قرآن پاک کی آیات اپنے اندر ایک خاص رحمت اور برکت کا عنصر لئے ہوئے ہیں اور دنگے فساد کا باعث نہیں بنتیں۔ جہاں صاف بات کہنے کی ضرورت ہے وہاں ہر صاف ہدایت جاری کی گئی ہے۔ اور جہاں بلاوجہ کی لڑائی جھگڑے کا امکان ہے وہاں پر اشاروں میں بات سمجھائی گئی ہے۔ تاکہ اہل عرفان ان اشاروں کو سمجھ کر موقع کی مناسبت سے اقدامات بجالائیں۔ جبکہ دیگر مذاہب کے اکابرین نے نسلی برتری ظاہر کرنے اور اپنے آپ کو، چنا ہوا ثابت کرنے کے لئے

آسمانی کتب میں ایسا مواد شامل کیا، جس نے انسانی تاریخ میں خون فشانی کے باب لکھے، اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ہماری گزارش ہے کہ اگر آپ کچھ وقت قرآن پاک اور قبل از قرآن آسمانی کتب کے تقابلی مطالعے کو دیں تو نہ صرف ہمارے بیان کردہ نکات آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجائیں گے، بلکہ علم و عرفان کی نئی راہیں بھی استوار ہوں گی۔ انشاءاللہ

ہم نے موجودہ کتاب تحریر کرتے ہوئے بہت سی تہذیبوں، ثقافتوں اور مذاہب کا مطالعہ کیا۔ البتہ اپنے حوالہ جات کو قرآن، حدیث اور آئمہ اکرام کے اقوال کی روشنی میں پرکھتے چلے گئے۔ گو کہ انسانی تاریخ میں مملکت خداداد کے تصور کو استعمال کرتے ہوئے ہزاروں جال بنے گئے۔ لیکن تنخ اور بائبل میں آج بھی حضرت مہدی عجل اللہ فرجک کا بیان ایسے واضح ہے جیسے آسمان پر چمکتے ہوئے چاند اور سورج۔ بعض مقامات پر تو مستقبل میں آنے والے نجات دہندہ کے لئے بالکل وہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو قرآن پاک، احادیث اور اقوال آئمہ علیہ السلام میں پائے جاتے ہیں۔

آخر میں ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے جو موضوع چنا اس پر تحقیق ایک کٹھن مرحلہ تھا۔ مختلف مذاہب کے تقابلی جائزے سے نقطے سے نقطہ نکلتا چلا جاتا اور ہر نقطے میں مطالب و معانی کا ایک سمندر پنہاں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ کہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد ایک دوسرے کے مذہبی مواد کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اسی لئے بین المذہبی سچائیوں کو تسلیم کروانے کے لئے لمبے چوڑے مباحث اور شواہد کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اسی لئے ہم نے نہ صرف تحریری مواد اکٹھا کیا۔ بلکہ مسجد و منبر کے علاوہ گرجوں کے چکر بھی لگائے اور اہم افراد سے انٹرویو لئے، تاکہ ان کے عقائد کی حقیقی روح کو سمجھ سکیں۔ اس کے باوجود ہم سمجھتے ہیں کہ علم و حکمت کے اس بے کراں سمندر سے چند قطرے ہی لا پائے ہیں۔ کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد گویا کہ ہمارے ہاتھ خالی ہیں۔ اور ہم رب متعال کے حضور دعا گو ہیں کہ وہ نوجوان نسل کو اس سمندر میں غوطہ زن ہونے اور اس کی گہرائیوں سے بیش قیمت گہر ڈھونڈ کر لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

☆☆

# 2۔ حکومت خداداد تاریخ کے آئینے میں

اس باب میں ہم قدیم تہذیبوں اور مذاہب ابراہیمی میں حکومت خداداد کے سلسلے میں پیش آنے والے حالات وواقعات کا جائزہ لیں گے۔

## قدیم تہذیبیں اور حکومت خداداد

قدیم بابل، مصری اور یونانی تہذیبوں کی دیومالائی داستانوں میں ایک ایسے نجات دہندہ کا تصور ملتا ہے جو آخری زمانوں میں آئے گا اور عوام کی معاشرتی، معاشی اور علمی صلاحیتوں کو اجاگر کرے گا۔ وہ ان کی روحانی بالیدگی کا باعث بھی بنے گا۔ تیسری صدی قبل از مسیح کی کتاب ارک میں متواتر الہامات بیان کئے گئے ہیں جن میں مصنف بابل، ایرانی اور یونانی حکومتوں کو ابھرتے اور زوال پذیر ہوتے دیکھتا ہے۔ جس کے بعد ایک صالح بادشاہ ابھرتا ہے اور امن وامان قائم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کتاب اکاد (دوسری صدی ق م) ایک طویل کتاب ہے جو پانچ دستاویزات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی پیشنگوئیوں کے مطابق آخری زمانے ایک مسیحا بابل میں امن وامان قائم کرے گا۔ تمام دشمنوں پر فتح حاصل کرے گا اور اس زمانے میں فصلوں کی افراط ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ قدیم مصری تہذیب کی داستانوں میں آخری زمانوں میں اقتصادی اور سماجی ابتری کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ تیسری صدی ق م میں لکھی گئی کتاب اپو-نر کی نصیحتیں کے مطابق آخری زمانے میں سماجی ڈھانچے تباہ ہو جائیں گے۔ قتل وغارت بڑھ جائے گی۔ ڈکیتی اس قدر عام ہوگی کہ لوگ قبروں کے اموال بھی چرالیں گے۔ غلام حکمران بن جائیں گے۔ خوراک اور دیگر اموال کی کمی ہوگی۔ ان حالات میں چند فراعنہ (بادشاہ یا روساء) حالات کا رخ موڑ دیں گے اور سنہری دور کا آغاز ہو جائے گا۔

کمہار کے الہامات بھی تیسری صدی ق م سے تعلق رکھتے ہیں۔ ماہرین آثار قدیمہ نے ان الہامات کی پانچ دستاویزات دریافت کی ہیں، جو کہ پیپرس پر تحریر کی گئی تھیں۔ پیپرس ایک آبی پودا ہے جو دریائے نیل کے کنارے پایا جاتا ہے۔ کاغذ کے استعمال سے پہلے مصر میں پیپرس پر دستاویزات لکھی

جاتی تھیں۔کمہار کے الہامات مستقبل میں آنے والے حالات کے علاوہ ماضی بعید اور انسان کی خلقت کی کہانیاں بھی بیان کرتے ہیں۔ان کہانیوں کے مطابق خنم قدیم اور معتبر ترین دیوتا تھا۔اس نے انسان کو مٹی سے اور اپنی طرز پر خلق کیا۔فراعنہ اس کا نام اپنے نام کے ساتھ لگانا اعزاز سمجھتے تھے۔مثال کے طور پر گزہ کے مقام پر عظیم الشان اہرام تعمیر کروانے والا بادشاہ اپنا نام خنم خوفو لکھواتا تھا۔(Shaw,2000)

کمہار کے الہامات کے مطابق آخری وقتوں میں آفات و بلیات کی وجہ سے معیشت اور زراعت تباہ ہو جائے گی۔سب سے زیادہ نفرت انگیز فتنے شام اور ایتھوپیا سے اٹھیں گے۔سورج سیاہ ہو جائے گا لیکن آخر کار امن و امان قائم ہوگا۔موسم بحال ہو جائیں گے اور زندگی اس حد تک فرحت بخش ہوگی کہ عوام خواہش کریں گے کہ کاش ان کے مرحومین زندہ ہو جائیں اور اس دور سے لطف اندوز ہو سکیں۔

اس کے علاوہ مصری تہذیب سے،نیفرٹی کی پیشنگوئیوں (دوسری صدی ق م) کی تقریباً بیس کاپیاں تختیوں اور پیپرس پر لکھی ہوئی ملی ہیں۔ان دستاویزات کے مطابق مصری بادشاہ سنیفرو نے ایک روز اپنے وزراء کو حکم دیا کہ کوئی ایسا شخص ڈھونڈ کر لاؤ جو ایسی بات کرے، جسے سننے کے لئے میرے کان ترستے ہوں۔وزراء نے باہم مشورے سے فیصلہ کیا کہ قدیم کتب کا استاد نیفرٹی ہی بادشاہ سنیفرو کو مطمئن کر سکتا ہے۔لہٰذا انہوں نے نیفرٹی کو بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کا سندیسہ بھجوایا۔جب وہ دربار میں حاضر ہوا تو اس نے کہا کہ میں وہی کہوں گا جو دیکھ رہا ہوں، نہ اس سے کم نہ زیادہ۔میں دیکھ رہا ہوں کہ آخری زمانے میں سورج چھپ جائے گا اور کئی روز تک مکمل اندھیرا چھا جائے گا۔دریائے نیل خشک ہو جائے گا۔اس وقت جنوب سے امینی (خوشگوار، سلامتی) نام کا ایک فرمانروا اٹھے گا۔اس کی ماں کا تعلق (تیرو) کمان کی سرزمین سے ہوگا۔وہ دو تاج پہنے ہوگا، ایک سفید اور دوسرا سرخ۔وہ مصر کا نجات دہندہ ہوگا۔تمام کھیت اور چپو (یعنی کہ خشکی اور تری) اس کے تصرف میں ہوگی۔

نیفرٹی کی پیشن گوئیاں کئی لحاظ سے اہم ہیں۔مثلاً اس پیشن گوئی کے مطابق امینی نامی نجات دہندہ جنوب سے اٹھے گا اور اگر ہم دنیا کے نقشے پر نظر ڈالیں تو شہر مکہ مصر کے جنوب میں واقع ہے۔دوسرا یہ کہ تنخ میں مستقبل کے نجات دہندہ کے لئے ابن آدم کا لقب استعمال کیا جاتا ہے۔تنخ کے بعد عہد عتیق اور جدید میں یہی ترکیب استعمال کی گئی۔لیکن تورات کی ہم عصر یہ واحد دستاویز ہے جو مستقبل کے نجات دہندہ کو ایک آدمی کا بیٹا کہتی ہے۔ابن آدم ایک عمومی ترکیب ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ نجات دہندہ انسان کا بیٹا ہوگا نہ کہ خدا کا بیٹا اور نہ ہی کوئی دیوتا۔لیکن نیفرٹی کی پیشنگوئیوں میں اسے ایک آدمی کا بیٹا کہا گیا

ہے۔یعنی کہ اس کی ماں کے علاوہ اس کا باپ بھی ہوگا۔یعنی کہ وہ نہیں جو خدا کے حکم سے بن باپ کے پیدا ہوا ہو۔اس کے بعد اس کے والد (یا آباء میں سے ایک) کا نام بھی دیا گیا۔وہ خین خین کی اولاد میں سے ہوگا۔خین کی قدیم مصری تہذیب میں بہت اہمیت تھی۔اس کا مطلب تھا بے حد توقیر والا تعریف کیا گیا یا وہ جس کی خدا نے خود تعریف کی ہو۔عبرانی زبان میں بھی خین کے یہی معنی ہیں۔لوگ اس نام کو جانتے تھے لیکن اس کے رعب و دبدبے کی وجہ سے کوئی بھی اپنے بچے کا نام خین نہیں رکھتا تھا۔

یونانی تہذیب سے تعلق رکھنے والی تاریخ ڈیموٹک میں بھی مستقبل میں پیش آنے والی ارضی و سماوی آفات کا ذکر ملتا ہے۔جس کے بعد ہیراکلیو پولس کے مقدس شہر سے ایک نجات دہندہ اٹھے گا۔جس کی خصوصی محبت غریبوں اور پسے ہوئے لوگوں کے ساتھ ہوگی۔اس کے علاوہ کاہنہ کی پیشن گوئیوں میں لکھا گیا ہے کہ یقیناً بندہ خدا کا ظہور ہو کر رہے گا۔اس کے نام میں چار حروف علت اور دو دیگر حروف ہوں گے۔

زرتشتیوں کے عقائد کے مطابق اہورا مزدا نے پیغمبر زرتشت کو خواب میں چار جڑوں والا درخت دکھایا۔وہ جڑیں سونے، چاندی، سٹیل اور لوہے کی بنی ہوئی تھیں۔ایک اور خواب میں انہوں نے سات شاخوں والا ایک عظیم الشان درخت دیکھا۔وہ شاخیں سونے، چاندی، جست، ٹین، پیتل، سٹیل اور لوہے کی بنی ہوئی تھیں۔مبصرین کے مطابق وہ شاخیں سات سلطنتوں کو ظاہر کرتی تھیں۔ان میں سے پانچویں اور چھٹی سلطنت بدی اور گناہ کی مظہر ہوگی۔جبکہ مسیحا ساتویں سلطنت قائم کرے گا۔مسیحا کے ظہور سے پہلے آفات و بلیات زمین پر حملہ آور ہوں گی اور آخر کار ایک ستارہ زمین پر گرے گا۔مسیحا کے پاس کئی ایک معجزات دکھانے کی طاقت ہوگی۔ساتویں صدی ق م میں دی گئی ایک اور پیشن گوئی کے مطابق جب بدی کا بادشاہ حملہ آور ہوگا تو تمام پرہیزگار مقدس پہاڑی پر اکٹھے ہو جائیں گے۔اس وقت مسیحا نمودار ہوگا اور بدی کی طاقتوں کو مار بھگائے گا۔(Wessigner2011)

قدیم یونانی تہذیب میں بھی سوٹیرا نامی نجات دہندہ کا تصور پایا جاتا ہے۔

(Soteira/setorez/sozein)

لفظ سوٹیرا کا مطلب ہے بچانے والا۔اول اول یونانی سوٹیرا کو دیوتا مانتے تھے۔البتہ بعد کے زمانوں میں کئی ایک دیوتاؤں کو نجات دہندہ کا خطاب دے دیا گیا اور ان کے فرائض مخصوص کر دیئے گئے۔مثلاً سمندری سفر کا نجات دہندہ، فصلوں کا نجات دہندہ، وباؤں سے بچانے والا نجات دہندہ وغیرہ۔البتہ پانچویں صدی ق م میں جب سلطنت ایران نے یونان پر حملہ کیا اور تباہی مچائی تو نجات

دہندہ کا عقیدہ زبان زد عام ہو گیا۔ اس دور کی بے شمار تحریریں، دعائیں اور دیگر رسومات کی باقیات دریافت ہوئی ہیں۔ ان میں سے اکثر کے مطابق جو کوئی بھی نجات دہندہ کی رسومات میں شمولیت اختیار کرے گا اس کی زندگی خوشحال ہو جائے گی۔ اور بعد از موت حیات میں وہ مطمئن رہے گا۔ دل پریشانیوں سے دور ہو گا اور روح ہلکی پھلکی ہو جائے گی۔

بتدریج یونانی بادشاہوں نے اپنے نام کے ساتھ سوٹیرا کا لقب لگانا شروع کر دیا۔ لیکن سکندر اعظم کے باپ فلپ دوم نے پہلی مرتبہ اسے سرکاری طور پر اختیار کیا۔ 480 ق م میں سلطنت یونان پر ایرانیوں کی یورشوں اور خصوصاً ان کے مزہبی مرکز ایتھنز کو تباہ کرنے اور کاہنوں کو ایران لے جانے کی وجہ سے فلپ دوم ان سے سخت ناراض تھا۔ ان واقعات نے اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑکا دی تھی۔ وہ بھی ان کی مملکت کو تاخت و تاراج کر کے ان کی یورشوں کا حساب چکانا چاہتا تھا۔ وہ پیشنگوئیوں کا زمانہ تھا۔ مخصوص عبادت گاہوں میں شاہی کاہن بیٹھا کرتے اور حکومت کے معاملات پر پیشن گوئیاں کیا کرتے تھے۔ فلپ دوم کے زمانے میں ڈیلفی ایسا ہی ایک اہم مقام تھا۔ اس جگہ سے پیش کی گئی پیشنگوئیوں کو ڈیلفی کی پیشنگوئیوں کا نام دیا جاتا تھا۔ ایسی ہی ایک پیشن گوئی میں فلپ دوم کو بتایا گیا کہ اس کا جان نشین اپنے گھوڑے بوکے فیلوس پر سوار ہو کر دنیا فتح کرے گا۔ بوکے فیلوس الیگزانڈر کا مخصوص گھوڑا تھا۔ اس نسل کے گھوڑے انتہائی طاقتور، منہ زور اور جثیم ہوا کرتے تھے۔ ان کی غیر معمولی جسامت کی وجہ سے انہیں بوکے فیلوس یعنی بیل کے سر والا کا نام دیا گیا تھا۔ وہ گھوڑا فلپ دوم کو کسی نے بطور تحفہ پیش کیا تھا لیکن وہ اس کی منہ زوری کی وجہ سے اس سے نالاں رہتا تھا۔ گو کہ سکندر اس وقت نوجوان تھا لیکن اس نے اس طاقتور گھوڑے کو خود سدھانے کا ارادہ کیا اور وہ اپنے ارادے میں کامیاب بھی ہوا۔ جب وہ ایشیا فتح کرنے نکلا تو اسی گھوڑے پر سوار تھا۔ یونان سے لے کر گندھارا تک اس کی تمام یورشیں کامیاب رہیں لیکن موجودہ پاکستان میں پنجاب کے مقام پر اسے سخت ترین مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور یہیں ہر ایک جنگ کے دوران اس کا گھوڑا مارا گیا۔ جس کا افسوس الیگزانڈر کو آخر دم تک رہا۔

ایشیا کی مہم پر روانہ ہونے سے پہلے مقدونیہ کے سکندر نے کئی ایک کاہنوں سے پیشن گوئیاں حاصل کیں۔ تقریباً تمام پیشنگوئیاں سکندر کی فتح کی جانب اشارہ کرتی تھیں۔ ان پیشن گوئیوں کے مطابق وہ صاحب بصیرت تھا۔ اس کا رابطہ عظیم دیوتاؤں کے ساتھ تھا۔ لہٰذا اس کا ستارہ عروج پر تھا۔ سکندر نے حکم دیا کہ اس کی مہم سے متعلق پیشن گوئیاں سٹیلا (لاٹ) پر لکھوا کر اہم شہروں کے چوراہوں پر لگوا دی جائیں۔

اوراس کے بت ایک دیوتا کے طور پر نصب کئے جائیں۔اس طرح اس نے اپنے آپ کو نہ صرف عظیم بادشاہ بلکہ نجات دہندہ دیوتا کے طور پر بھی منوالیا۔اسے یقین تھا کہ وہ وہی نجات دہندہ ہے جس کا ذکر قدیم زمانوں سے دیومالائی داستانوں میں چلا آرہا ہے۔وہ راسخ العقیدہ ہے۔اس کا دین صحیح اوراس کی ثقافت عظیم تر ہے۔وہ نہ صرف ایرانیوں پر اپنی برتری واضح کرے گا بلکہ دوسرے ایشیائی علاقوں کو بھی جہالت اور جھوٹے خداؤں سے نجات دلائے گا اور انہیں علم وعرفان کی روشنی سے نوازے گا۔(Martti,2017)

اس عظیم الشان مہم کے لئے اسے فوج،علماء اور عوام کی حمایت کی ضرورت تھی۔جب وہ مقدونیہ سے چلا تو شاہی افواج کے علاوہ اس کے ساتھ علماء،شرفا اور کئی قسم کے کاریگر بھی تھے۔اور اتنی تعداد میں تھے کہ وہ جس علاقے کو فتح کرتا وہاں یونانی گورنر مقرر کرتا اور اپنے ساتھ لائے ہوئے یونانیوں کی بستیاں آباد کرتا چلا جاتا تھا۔تاکہ وہ اپنا مذہب اور کلچر پھیلاتے چلے جائیں۔البتہ ایران اور وسطی ایشیا فتح کرنے کے بعد جب وہ گندھارا (پاکستان) کے علاقے میں پہنچا تو اسے سخت ترین مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔اس کے تاریخ دان لکھتے ہیں کہ ہم نے اتنے سخت جان جنگجو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے۔آخر کار وہ ایک زہر آلود تیر سے گھائل ہوا اور یونان واپس جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔لیکن راستے میں ہی وفات پا گیا۔البتہ اس کا بویا ہوا کلچر صدیوں تک اس کے مفتوح علاقوں میں قائم رہا۔تاوقتیکہ اسلام کی نورانی چمک نے بت پرستی کا خاتمہ کیا۔اور اب یونانی ثقافت کے علمدار بتوں کا وہ جہاں گندھارا آرٹ کے نام سے صرف عجائب گھروں تک محدود رہ گیا ہے۔(Jim,2022)

## امریکہ کے قدیمی قبائل اور مستقبل کی داستانیں

جب ہسپانویوں،فرانسیسیوں،لندن اور دیگر یورپیوں نے سرزمین امریکہ پر قدم رکھا تو یہاں کے قدیمی قبائلیوں میں کئی ایک لوک کہانیاں عام تھیں۔تقریباً" ہر قبیلے میں ان کی قدیمی ہجرتوں،موجودہ علاقوں میں آباد ہونے کی کہانیاں،اور دنیا کے خاتمے اور نئی زمین آباد ہونے کے تزکرے پائے جاتے ہیں۔اس سلسلے میں ایریزونا میں آباد ہوپی قبیلے کی داستانیں پیش خدمت ہیں۔

ان داستانوں کے مطابق ان کے بزرگوں کو تواتر سے ماضی اور مستقبل کے بارے میں الہامات ہوتے رہتے تھے۔اور وہ سلسلہ تب بھی جاری تھا۔قبائلی باشندوں نے ان الہامات کو داستانوں اور گیتوں کی صورت میں محفوظ رکھا ہوا تھا۔

ہوپی قبیلے کی روایات کے مطابق زمانہ ادوار کی صورت میں قائم ہے۔لہٰذا زمانے کا ہر دور ترقی اور زوال پر مشتمل ہے۔جب کوئی دور اپنی ترقی کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے تو انسانوں سے ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ زوال پذیر ہو جاتے ہیں۔بنیادی طور پر وہ غلطیاں ناانصافی، جھوٹ، حق تلفی اور دیگر مظالم پر مشتمل ہیں۔ان میں سے ایک بڑا ظلم ماحول کی آلودگی بھی ہے۔جب انسان اپنی روحانی ضروریات کو بھول کر مادی آسائشوں کی دوڑ میں لگ جاتا ہے تو اپنے اردگرد کے ماحول کو آلودہ کر دیتا ہے۔اسے ادراک نہیں کہ زمین ہماری ماں ہے، وہ زندہ ہے اور سانس لیتی ہے۔جب ہم ماحول کو آلودہ کرتے ہیں تو زلزلے اور سیلاب کا شکار ہو جاتے ہیں۔قدرت بے رحم ہے، اسکے اپنے قوانین ہیں۔اگر ہم ان قوانین کی خلاف ورزی کریں گے تو سزا پائیں گے۔انہی اصولوں کے تحت تین ادوار تباہی و بربادی کا شکار ہوئے۔تیسری دنیا کے افراد انتہائی تہذیب یافتہ تھے۔اور وہ اڑن طشتریوں میں بیٹھ کر دور دور کے رہنے والوں کے ساتھ جنگ کیا کرتے تھے۔لہٰذا وہ تباہ ہو گئے۔اب ہم چوتھی دنیا میں رہ رہے ہیں۔جسکا خاتمہ قریب ہے۔تیسری دنیا کے خاتمے پر ماوو (Massauwu,Maasaw,Mausau) نے ہمیں ایک سرنگ کے ذریعے چوتھی دنیا تک پہنچایا۔وہ چوتھی دنیا کا سردار، اور پانچویں دنیا کا محافظ ہے۔اس نے ہمیں ہجرت کے راستے دکھائے۔اور ہمیں ہماری موجودہ زمینوں پر آباد کیا۔اس نے ہمارے بزرگوں کو پتھر کی چار تختیاں دیں۔اور ہدایت کی کہ پانچویں دنیا کے ظاہر ہونے تک ان تختیوں کو صیغہ راز میں رکھیں۔اس نے یہ بھی بتایا کہ جب تم نے مغرب کی جانب ہجرت کی تو تمہارا ایک بھائی پاہانڑا مشرق کی جانب چلا گیا۔پانچویں دنیا کے آغاز پر وہ واپس آئے گا اور تم سے وہ تختیاں واپس لے گا۔اس کے علاوہ مساوو بھی واپس آئے گا۔(Wessinger,2011)

میکسیکو کے ہسپانوی اور فرانسیسی آبادکار لکھتے ہیں کہ جب انہوں نے اس سرزمین پر قدم رکھا تو ہر سو ایزٹک تہذیب کی بنیاد رکھنے والے بزرگوار کی داستان عام تھی۔لوک کہانیوں کے مطابق وہ صاف رنگت اور لمبی داڑھی والے بزرگ تھے۔انہوں نے ایزٹک حکومت کے اصول وضع کئے۔جب لوگ اپنا ملک سنبھالنے کے قابل ہو گئے تو وہ مشرق کی جانب چلے گئے۔لیکن دنیا کے خاتمے کے قریب وہ واپس آئیں گے اور اپنی سلطنت پر دسترس حاصل کریں گے۔

## مذاہب ابراہیمی اور مملکت خداداد

اس حصے میں ہم قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کے بارے میں تورات (تنخ) اور بائبل کے

اقتباسات پیش کریں گے۔تورات کے لفظی معانی قانون کے ہیں۔یہ کتاب انبیاء پر نازل ہونے والی وحی، ان کے حالات زندگی اور خطوط اور بنی اسرائیل کی تاریخ پر مشتمل ہے۔تورات میں حضرت موسیٰ پر نازل ہونے والی پانچ کتابیں یہودیوں کے لئے مقدس ترین کتب کا درجہ رکھتی ہیں۔ان پانچ کتب کے بعض حصے تختیوں پر تحریر شدہ نازل ہوئے تھے۔جبکہ کچھ وحی کی صورت میں اترے اور حضرت موسیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے تحریر کیا۔اس کے بعد انہوں نے مکمل کتاب کی تیرہ کاپیاں اپنے ہاتھ سے تحریر کیں۔ان میں سے ایک کو گواہی کے طور پر تابوت سکینہ میں محفوظ کر دیا تھا۔اور باقی بارہ قبیلوں کے سرداروں کے حوالے کر دی تھیں۔حضرت موسیٰ کی پانچ کتب کا آغاز آفرینش کائنات سے ہوتا ہے اور پیغمبر موسیٰ کے دور تک جاتا ہے۔لیکن اس میں مستقبل کی پیشن گوئیاں بھی پائی جاتی ہیں۔تورات آرامی زبان میں لکھی گئی تھی۔جہاں سے اس کا ترجمہ عبرانی اور پھر جدید زبانوں میں ہوا۔

چوتھی صدی میں رومن شہنشاہ قسطنطین نے عیسائیت اختیار کی اور اسے حکومتی مذہب کا درجہ دیا۔ یہی وہ وقت تھا جب پہلی مرتبہ عیسائیت کو فروغ حاصل ہوا اور وہ رومن سلطنت کے طول وعرض پر پھیل گئی۔بادشاہ قسطنطین کا دارالخلافہ اٹلی تھا لیکن چونکہ عیسائیت کی بنیاد مشرق میں تھی، اس وجہ سے اس نے قسطنطنیہ کے نام سے ایک مشرقی دارالخلافہ کی بھی بنیاد رکھی۔اسی وقت عیسائیت کے مرکزی چرچ کا آغاز کیا گیا اور دماسس کو پوپ اول مقرر کیا گیا۔پوپ اول دماسس کے زمانے میں ہی پہلی عیسائی کونسل منعقد ہوئی۔اسی کونسل میں فیصلہ کیا گیا کہ بائبل کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے، یعنی کہ عہد قدیم اور عہد جدید۔تب پرانے صحائف کا تجزیہ کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ عہد عتیق اور عہد جدید میں کونسی کتب/صحائف شامل کئے جائیں۔اسی وقت پوپ اول کے حکم پر بائبل کا ارمیائی اور عبرانی زبانوں سے لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔بائبل صدیوں تک انہی تین زبانوں میں دستیاب رہی۔حتیٰ کہ برطانیہ کے کنگ جیمز نے سترھویں صدی میں اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں کروایا۔

عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ جب پیغمبر یرمیاہ نے حضرت عیسیٰ کی پیشنگوئی کی تھی تو ان کے دین کا آغاز ہو گیا تھا۔لہٰذا عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے پہلے کے دور کو عیسائیت کا عہد قدیم اور ان کی پیدائش کے بعد کے دور کو عہد جدید کا نام دیا۔(wikipedia:https //:11en.m.eikipedia)

اس کے برعکس عہد جدید میں حضرت عیسیٰ کے حواریوں سے منسوب کتب پائی جاتی ہیں۔عیسائی حضرات عہد جدید کو گوسپل (کہانی) کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔کیونکہ اس میں حضرت عیسیٰ کی زندگی

کی کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔

کتاب حنوک تیخ کی اولین کتب میں سے ہے۔ مسلم مبصرین نے حنوک کو حضرت ادریس کے نام سے یاد کیا ہے۔ وہ حضرت آدم کی ساتویں نسل میں سے بتائے جاتے ہیں۔ جو کتاب حنوک اس وقت ہماری دسترس میں ہے وہ غالباً دوسوق م سے لے کر پچاس ق م کے عرصے میں لکھی گئی۔ لیکن آٹھویں صدی عیسوی میں غائب ہوگئی۔ البتہ عبرانی زبان میں اس کے مسودے موجود تھے۔ تاریخ دانوں اور علم آثار قدیمہ کے ماہرین نے اسے ڈیڈسی سکرولز یا، صحائف وادی قمران میں دریافت کیا۔ اس وجہ سے اسے تورات میں شامل نہ کیا گیا۔ عیسائیوں کے اکثر گرجوں نے بھی اسے بائبل سے خارج کر دیا۔ البتہ یہ کتاب ایتھوپین بائبل کا حصہ رہی۔ یاد رہے کہ اس وقت افریقہ کی ایتھوپین بائبل قدیم ترین نسخہ ہے۔ مسلمان علماء کے ہاں اسے صحف ادریس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انیسویں صدی میں ایتھوپین زبان سے اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا گیا۔ کتاب حنوک کا مرکزی خیال، قیامت صغریٰ اور حکومت خداداد کا قیام ہے۔ یہ وہ پہلی کتاب ہے جو مستقبل میں آنے والے نجات دہندہ کو، ابن آدم کا خطاب دیتی ہے۔ مثلاً یہ کہ ابن آدم ظہور سے پہلے وہ آفاق پر رہتا ہوگا۔ جب وہ ظہور کرے گا تو تمام زمین پر اس کی حکمرانی ہوگی۔ وہ تخت وتاج کا مالک ہوگا اور پرہیزگاروں کے درمیان رہے گا۔ (Anderson2003، P.47 -64)

کتاب حنوک 2 کے مطابق آخری زمانوں میں ایسی شدید جنگیں ہوں گی کہ باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو نہیں پہچانے گا اور سب ایک دوسرے کو مار کر زمین پر اوندھا لٹا دیں گے۔ کتاب 4 کے مطابق فصلیں اپنے وقت پر نہیں اگیں گی، نہ ہی سبزی اور پھل وغیرہ۔ البتہ تمہاری نسلیں ہوا میں عقاب کی مانند اونچی اڑان اڑیں گی۔ اور ان کے گھونسلے گدھوں سے بھی بلند ہوں گے۔ مرد عورتوں سے زیادہ بن ٹھن کر اپنے گھروں سے نکلیں گے۔ اور ان کا لباس دوشیزاؤں سے زیادہ رنگین ہوگا۔ سونے چاندی اور کھانے پینے کی اشیاء کا استعمال اس بے دردی سے کیا جائے گا جیسے پانی بہایا جاتا ہے۔ اور جب وہ آفات وبلیات کی شکایت کریں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ گناہ آسمانوں سے نہیں گرائے گئے، بلکہ تم نے خود انہیں اختیار کیا ہے۔ افسوس ہے ان پر جو جھوٹ اور منافقت کے الفاظ لکھتے ہیں، ان کی سزا آنا" فانا" آنے والی موت ہے۔ اور اس دن وہ زمینی اور پہاڑی دراڑوں میں گھسنے کی کوشش کریں گے۔

کتاب حنوک (13:1) کے مطابق خدا کے فرشتے کئی مرتبہ حضرت ادریس کو اٹھا کر آفاق پر لے گئے۔ وہاں سے انہیں زمین کے مشرق اور مغرب اور آفاق کے کئی ایک طبق دکھائے اور ان کی تفصیلات

بیان کیں۔ایک مقام پر وہ کہتے ہیں کہ اور ہوا کا ایک جھونکا مجھے اڑا کر وہاں لے گیا جہاں مقدس رہتے تھے۔وہ خدا کے حضور دنیا کے انسانوں کے لئے دعا والتجا کر رہے تھے۔اور وہاں پر پرہیز گاری دریا کی طرح بہتی اور رحمدلی شبنم کے قطروں کی طرح ٹپکتی تھی۔اور وہاں میں نے چنے ہوئے کا دیدار کیا۔وہ آقا کے عین پروں تلے رہائش پذیر تھا۔اور جب اس کا دور آئے گا تو ہر سو لاتعداد پرہیز گار ہوں گے۔ میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ اس مقام پر مجھے بھی معمولی سی جگہ مل جائے اور میں بھی یہاں رہائش پذیر ہو جاؤں۔اس کے بعد عرصہ دراز تک مجھے وہ مقام یاد آتا رہا اور میں خدا کے حضور آہ وزاری میں مصروف رہا۔(Winter,2015)

کتاب حنوک شاید پہلی الہامی کتاب ہے جو، چنے ہوئے کی ترکیب کا استعمال کرتی ہے۔یعنی کہ اس دن چنے ہوئے امن اور خوشحالی میں ہوں گے۔(1:5:3)

یا پھر یہ کہ میرا چنا ہوا میرے نام لیواؤں کے ساتھ رہے گا۔(2:2)

اور چنے ہوئے کی شان کے چرچے تمام نسلوں تک جائیں گے۔اس کے سینے سے علم وحکمت، قوت ادراک، فہم وفراست اور علم وحکمت کے چشمے پھوٹتے ہوں گے۔اسی وجہ سے اس کے سامنے کوئی بھی جھوٹ بولنے کی ہمت نہ کرے گا۔کمزوروں کو زمین کا بادشاہ بنا دیا جائے گا۔علم وحکمت بہتے چشمے کی مانند رواں ہوگا۔زمین کے اندر چھپے خزانے وا ہو جائیں گے اور آسمانوں پر خدا کے فرشتوں کے چہرے خوشی سے دمکتے ہوں گے۔ ہر سو امن وامان ہوگا اور تمام جنگی سامان دنیا سے غائب ہو جائے گا۔ (2:24:2)۔

چودھویں صدی سے تعلق رکھنے والا مسلمان عالم اور محقق تبصی لکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مصحف ادریس میں سے ایک میں فرمایا کہ میں نے ان کے دل پرکھ لئے اور انہیں چن لیا۔وہ دوستان خدا ہیں۔ ان کے لئے میں نے مصطفیٰ اور مرتضیٰ کو چن لیا۔اور (امت) کو ان کا مددگار بنایا۔یہ قوم میری قوم ہے اور مصطفیٰ اور مرتضیٰ کے لئے چنی ہوئی قوم ہے۔(Tabasi1379)

اس کے علاوہ شاید یہی وہ پہلا آسمانی صحیفہ ہے جو، ابن آدم کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔مثلاً" یہ کہ یہ ابن آدم ہے۔جو تمام چھپے خزانوں کے راز وا کرے گا۔طاقتور بادشاہوں کی حکمرانی کمزور کرے گا۔اور گناہگاروں کے دانت توڑ دے گا۔(2:10:2)

یا یہ کہ ابن آدم ظہور سے پہلے آفاق پر رہتا ہوگا۔جب وہ ظہور کرے گا تو تمام زمین پر اس کی

حکمرانی ہوگی۔ وہ تخت وتاج کا مالک ہوگا اور پرہیزگاروں کے درمیان رہے گا۔(Anderson2003)

اس کے علاوہ تنخ میں پیغمبر دانیال کے الہامات میں قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کا ذکر ملتا ہے۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ وہ خواب میں تندو تیز ہوائیں دیکھتے ہیں جو سمندروں میں بھونچال پیدا کر دیتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں سمندر سے چار درندے برآمد ہوتے ہیں۔ پہلا درندہ شیر کی مانند ہے لیکن اس کے کاندھوں کے ساتھ عقاب جیسے پر لگے ہوئے ہیں۔ اور وہ انسانوں کی طرح دو پاؤں پر کھڑا ہے۔ دوسرا ریچھ کی مانند ہے۔ وہ ایک ٹانگ پر کھڑا ہے اور اس کے منہ میں تین پسلیاں ہیں۔ تیسرا چیتے سے مشابہت رکھتا ہے لیکن اس کے چار سر اور چار پر ہیں۔ چوتھا درندہ ناقابل شکست اور انتہائی خوفناک ہے۔ اس کے دس سینگ ہیں۔ وہ اپنے لوہے کے دانتوں سے ہر شے چبا جاتا ہے اور جو کچھ بچتا ہے اسے اپنے پاؤں سے مسل کر رکھ دیتا ہے۔ اس کے بعد پیغمبر دانیال روز حساب دیکھتے ہیں۔ آفاق پر تخت لگے ہوئے ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ عتیق یومن (رب ذوالجلال) کے سامنے کھڑے ہیں۔ اسی وقت چوتھے درندے کے سینگ اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں جس کے نتیجے میں اسے قتل کر کے اس کی لاش بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دی جاتی ہے۔ باقی درندوں کو کچھ عرصے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد ابن آدم بادلوں سے نمودار ہوتے ہیں اور عتیق یومن کی جانب جاتے ہیں۔ عتیق یومن ابن آدم کو شان وشوکت اور حکومت عطا کرتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ ابن آدم کو تمام قوموں اور ہر قسم کی زبان بولنے والوں پر تسلط دے دیا جائے۔ مغربی سکالرز چار درندوں کو بابل، ایرانی، یونانی اور رومن سلطنتوں پر محمول کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ، ابن آدم عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ حضرت دانیال کی پیشنگوئیوں میں آرامی زبان کا لفظ بار انیش بھی استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے، انسان۔

https://doi.org/10.1515/9780691199894-022 ],2020

اس کے علاوہ عہد عتیق میں شامل پیغمبر یرمیاہ (ارمیاء) سے منسوب کتاب یرمیاہ (587 ق م) بھی حکومت خداداد کی نشانیاں بیان کرتی ہے۔ اور کتاب عزرا (450 ق م) میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے پیغمبر عزرا کو آسمانوں کی سیر کروائی اور دجال کا مکروہ چہرہ دکھایا یہودیوں کے ہاں پیغمبر عزرا کی خاص تکریم پائی جاتی ہے۔ کیونکہ ایرانی حکمران اردشیر اول کے زمانے میں انہوں نے قوم بنی اسرائیل کو جلاوطنی سے نجات دلوائی اور انہیں بابل سے نکال کر یروشلم میں آباد کیا۔ انہیں گریہ کناں پیغمبر کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں انہیں پیغمبر عزیر کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ علاوہ

ازیں الہام ابراہیم میں حضرت ابراہیم قیامت صغریٰ سے پہلے واقع ہونے والی آفات وبلیات کا نظارہ کرتے ہیں اور اس کے بعد قیامت صغریٰ دیکھتے ہیں۔

الہام علیجہ کثرت کے ساتھ قیامت صغریٰ کی نشانیاں بیان کرتی ہے۔ پیغمبر علیجہ مصر کے ایک بادشاہ کا نظارا کرتے ہیں، جس کی اولاد سے دجال پیدا ہوگا۔ اس کے بعد وہ مستقبل کے نجات دہندہ کے ظہور اور مملکت خداداد کا قیام دیکھتے ہیں۔ علیجہ کے لفظی معانی میرا خدا ہی خدا ہے، کے ہیں۔ یہ وہی پیغمبر ہیں جنہیں بائبل اور قرآن پاک میں الیاس کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ پاک پروردگار نے دریائے اردن کے کنارے سے انہیں زندہ حالت میں نور کی بگھی میں بٹھا کر آسمانوں کی جانب اٹھا لیا تھا۔ اور ان کے قریبی ساتھی پیغمبر علیشاہ زمین سے یہ نظارا دیکھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ دس پیغمبر زادے بھی وہیں موجود تھے۔ کنگز 2:11:2 کے مطابق، وہ موت سے پہلے آسمانوں پر چڑھ گئے تھے۔ اور انہیں ایسے خوفناک دن واپس بھیجا جائے گا جب خوفناک آگ ہر شے کو جلا کر بھسم کر چکی ہوگی۔ قرآن پاک میں سورہ صافات 132-126 اور سورہ انعام 85 میں ان کا ذکر آتا ہے۔ ان کے زمانے میں دیوتا بال کی پوجا کی جاتی تھی۔ حضرت الیاس نے کارمل کی پہاڑی پر بال کے پجاریوں سے مقابلہ کیا تھا۔

## سینٹ جون کے الہامات

سینٹ جون یا یوحنا بن ذبدی حضرت عیسیٰ کے پسندیدہ ترین حواری تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ سے ایسی محبت رکھتے تھے جیسے کوئی بچہ اپنے بڑے سے رکھتا ہو۔

حضرت عیسیٰ کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد ایک دن جب وہ پاٹموس کی پہاڑی پر تھے تو وہ شدت گریہ کے ساتھ خدا سے دعا و مناجات کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بصیرت عطا کی اور کئی الہامات سے نوازا۔ اس کے بعد انہوں نے دی ریویلیشنز یا الہامات نامی کتاب تحریر کی۔ اس کتاب میں قیامت صغریٰ، قیامت کبریٰ اور (مغربی مفسرین کے مطابق) حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد کی پیشن گوئیاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اگر ہم اس کتاب کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں قائم آل محمد عج کے ظہور کی صاف نشانیاں نظر آئیں گی۔

کتاب کا آغاز کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ سینٹ جون ایک افلا کی آواز سنتے ہیں جو انہیں ہدایت کرتی ہے کہ جتنے واقعات تم دیکھو گے انہیں ضابطہ تحریر میں لانا ضروری ہے۔ جب وہ آواز کی جانب

دیکھتے ہیں تو ایسی آسمانی مخلوق نظر آتی ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے الہامات کے دوسرے حصے میں آسمان کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور ہیروں جیسی چمک والے تخت پر، آقا براجمان نظر آتا ہے۔ تخت کے سامنے موجود فرش پانی کی طرح شفاف ہے اور اس پر سات شمعیں روشن ہیں۔ تخت کے سامنے چار عجیب مخلوقات قطار لگائے کھڑی ہیں اور خدا کی عظمت کے گیت گا رہی ہیں یعنی کہ:

جو تھا، ہے اور ہوگا۔

تنخ کے مطابق پیغمبر حزقیل نے بھی خواب میں اسی قسم کا واقعہ دیکھا تھا۔

دوسری قطار میں سفید چغے زیب تن کئے اور بادشاہوں جیسی شان رکھنے والے بارہ بزرگ تختوں پر بیٹھے ہیں۔ بزرگ کچھ اس طرح سے گیت گاتے ہیں کہ:، خدا نے ہر شے کو تخلیق کیا اور ہمیں بھی۔ اس کے بعد وہ اپنے تختوں سے نیچے اترتے ہیں، اپنے تاج اتار کر، خدا کے سامنے رکھتے ہیں اور اس کے حضور سر بسجود ہو جاتے ہیں۔ عیسائی ماہرین بائبل کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ وہ بزرگ غالباً حضرت عیسیٰ کے بارہ حواری یا حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے رہے ہوں گے۔ (Moor,1977)

اس کے برعکس ہمارا خیال یہ ہے کہ جب دی ریویلیشنز لکھی گئی تو بارہ حواریوں میں سے زیادہ تر زندہ تھے۔ اور سینٹ جون خود ان میں سے ایک تھے۔ اگر وہ اپنے ساتھیوں کو یا اپنے آپ کو ان بارہ افراد میں دیکھتے تو قدرتی طور پر اس کا ذکر کرتے۔ لیکن دی ریویلیشن میں ہمیں اس قسم کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ ہمارے خیال میں مسلم محققین کو اس امر پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد سینٹ جون شیطان کا تخت بھی دیکھتے ہیں۔ جسے بدروحوں نے گھیرا ہوا ہے۔ اس سے اگلے نظارے میں وہ دیکھتے ہیں کہ ان کا دایاں ہاتھ ایک تخت پر دھرا ہے جس پر ایک کتاب رکھی ہے۔ اس کتاب کی پشت پر سات مہریں ہیں۔ جب وہ پہلی چار مہریں کھولتے ہیں تو اس کے اندر سے آفات برآمد ہوتی ہیں۔ تیسری مہر کھولنے پر انہیں ہولناک زلزلے، سیاہ سورج، چاند میں خون اور ستارے زمین پر گرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پہاڑ اور جزیرے اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ آسمان ایک گولے کی مانند چکراتا پھرتا ہے۔ سورج، چاند اور ستاروں کا تیسرا حصہ تباہ ہو گیا ہے۔ زمین اور اس کے درختوں کا تیسرا حصہ جل کر راکھ ہو چکا ہے۔ سمندروں اور دیگر پانیوں کا تیسرا حصہ خون میں تبدیل ہو گیا ہے۔ زمینی حکمران اور دیگر باشندے پہاڑوں سے فریاد کرتے ہیں کہ ہمارے اوپر گر پڑو۔ اور ہمیں چھپا لو تا کہ، تخت پر بیٹھا ہوا بادشاہ ہمیں نہ دیکھ سکے۔ ہماری قسمت کا فیصلہ ہونے کا دن آن پہنچا۔ اور بھلا ایسی

قسمت کو کون برداشت کر سکتا ہے۔

جب وہ پانچویں مہر کھولتے ہیں تو ایسے شہیدوں کی روحیں نظر آتی ہیں۔ جو شریعت اور سچی گواہی کی وجہ سے ذبح کر دیئے گئے تھے۔ وہ پکار پکار کر اپنے رب سے فریاد کرتی ہیں کہ آخر کب تک! اے ہمارے رب! ہمارا اور ہمارے خون کا فیصلہ نہیں ہوگا؟ ان کی فریاد کے جواب میں ان میں سے ہر ایک کو سفید چغہ عطا کیا جاتا ہے۔ اور ارشاد ہوتا ہے کہ تھوڑا اور صبر کرو۔ یہاں تک کہ تمہارے دوسرے بھائیوں اور تمہارے جیسوں کو شہید نہیں کر دیا جاتا۔ یاد رہے کہ پیغمبر عزرا کی پیشن گوئیوں میں بھی یہی واقعات درج ہیں۔

اگلے باب میں سینٹ جون ایک اور مہر کھولتے ہیں۔ تو انہیں ایک سو چالیس، اور دوسری جانب چار ہزار افراد نظر آتے ہیں جنہیں ہر قسم کی آفات سے پناہ دے دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بارہ ہزار افراد اولاد اسرائیل میں سے ہیں۔ اس کے بعد وہ مزید ایک سو چالیس اور چار ہزار افراد دیکھتے ہیں جو سفید چغوں میں ملبوس تخت کے سامنے کھڑے ہیں۔ ان کے ہاتھ تعظیم کے لئے جڑے ہوئے ہیں۔ وہ سب کے سب راہ حق میں شہید ہونے والے افراد ہیں۔

ساتویں مہر کھولنے پر آدھے گھنٹے تک خاموشی طاری رہتی ہے۔ اس کے بعد وہ خدا کے حضور سات فرشتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں، جن کے ہاتھ میں سات بگل یا صور ہیں۔ اس کے بعد سات فرشتے اپنے ہاتھوں میں ایک چھوٹی کتاب لئے اور شیر کی مانند دھاڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور سات طوفانوں سے آوازیں نکلتی ہیں لیکن سینٹ جون کو پیغامات دنیا والوں تک پہنچانے کی اجازت نہیں ملتی۔

اس کے بعد سینٹ جون ایک مقدس بی بی کا نظارہ کرتے ہیں، جن کا لباس چاند اور سورج سے تیار کیا گیا تھا۔ ان کے سر پر بارہ ستاروں کا تاج جگمگا رہا تھا۔ ان کے ہاں ایک لڑکے کی پیدائش ہوتی ہے۔ جس نے لوہے کی سلاخ کے ذریعے تمام دنیا پر حکومت کرنی ہے۔ آنا" فانا" ایک خوفناک اژدہا نمودار ہوتا ہے جس کے سات سر اور دس سینگ ہیں۔ اور سروں پر سات تاج ہیں۔ وہ اس نوزائیدہ بچے کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن خدا کے فرشتے اس بچے کو اٹھاتے ہیں اور عرش الٰہی پر پہنچا دیتے ہیں۔ اژدہا آسمان پر چڑھ کر بچے کا تعاقب کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فرشتے اسے مار کر بھگا دیتے ہیں۔ زمین پر واپس آ کر اژدہا مقدس بی بی کا پیچھا کرتا ہے اور انہیں زک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن وہ بی بی خدا کی پناہ میں ہیں۔ اس کے بعد بچہ انہیں ساڑھے تین سال تک واپس دے دیا جاتا ہے۔ اور وہ اسے

دودھ پلاتی ہیں۔اژدہا جھنجھلا کر بی بی کی باقی اولاد کو پریشان کرنے کی ٹھان لیتا ہے۔(Krisch2006)

اس کے بعد وہ سورج کے بیچوں بیچ ایک فرشتہ دیکھتے ہیں۔جو چلا چلا کر اڑتے ہوئے گدھوں کو آواز دیتا ہے اور کہتا ہے کہ آؤ! خدا نے تمہارے لئے بہت بڑی ضیافت کا انتظام کیا ہے۔آؤ بادشاہوں، جرنیلوں، جنگجوں، گھڑسواروں اور ان کے گھوڑوں کا گوشت کھاؤ۔اس کے بعد وہ دنیا کے تمام درندوں اور بادشاہ کو فوجیں تیار کرتے اور اس گھڑسوار کے خلاف جنگ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں جو اپنی فوجوں کے ساتھ آسمانوں سے اترا تھا۔

اس کے بعد آسمان پھٹ جاتا ہے اور سینٹ جون ایک سفید گھوڑا دیکھتے ہیں جس کا سوار صدیق اور وفادار ہے، وہ انصاف کے ساتھ جنگ لڑتا اور فیصلے کرتا ہے۔اس کی آنکھوں میں شعلوں جیسی چمک ہے اور اس کے سر پر کئی تاج ہیں۔اس کی قبا پر اس کا نام لکھا ہے جو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اس کا لبادہ خون سے تر ہے۔اور اس کا نام، خدا کا وعدہ ہے۔اس کے عقب میں آسمانی فوجیں، سفید گھوڑوں پر سوار، پاک و پاکیزہ سفید لباس میں چلی آرہی ہیں۔اس کے منہ سے دودھاری تلوار نکلتی ہے۔اس نے لوہے کے عصا سے دنیا پر حکومت کرنی ہے۔اس کی قبا پر اس کا نام، بادشاہوں کا بادشاہ اور، آقاؤں کا آقا لکھا ہے۔(Rev19)

اس کے بعد ایک فرشتہ نجات دہندہ کو اٹھا کر یروشلم لے جاتا ہے۔اس شہر میں ہیروں جیسی چمک ہے۔اس شہر کی بارہ بنیادیں، بارہ دیواریں اور بارہ دروازے ہیں۔ہر دروازے پر بارہ فرشتے ایستادہ ہیں۔ہر دروازے پر بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں اور حضرت عیسیٰ کے بارہ حواریوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔شہر خالص سونے سے تعمیر کیا گیا ہے۔دیواریں سونے کی ہیں۔اور ہر دروازہ ایک سچے موتی سے بنا ہوا ہے۔

اس کے بعد ایک فرشتہ سینٹ جون کو آب حیات کا دریا دکھاتا ہے۔وہ دریا بلور جیسا شفاف ہے اور سیدھا عرش معلیٰ سے بہتا ہوا آرہا ہے۔اس کے اطراف میں شجر حیات ہیں۔ہر شجر پر بارہ پھل لگے ہوئے ہیں۔ان درختوں کے پتے اقوام کے زخم مندمل کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔جو اس شہر میں داخل ہو جائے گا اس کے لئے رحمت ہی رحمت ہے۔

نجات دہندہ پکار پکار کر کہتا ہے کہ میں پیاسوں کو آب حیات کے چشمے سے سیراب کروں گا۔(Rev.12:6)

بارہ قبیلوں میں سے ایک کے پاس بارہ ہزار افراد ہیں جو مل کر 14,44000 افراد ہوئے۔ ان افراد کے ماتھوں پر فرشتوں نے پہلے ہی سے مہریں لگا دی تھیں۔ تا کہ وہ افلا کی اور زمینی بلاوں سے امان پائیں۔ اگر دیکھا جائے تو ان نظاروں میں بارہ کے ہندسے کی ایک خاص اہمیت ہے۔ بارہ کا ہندسہ عہد قدیم اور جدید میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ مثال کے طور پر (4:Exodus 24)' موسیٰ نے بارہ ستون کھڑے کئے، آقا (خدا) کے سامنے بارہ سلاخیں کھڑی کی گئیں۔ (2:numbers17)

دریائے اردن میں بارہ پتھر ڈالے گئے۔ (Joshua4:9)

میتھیو (20:14) کے مطابق:

انہوں نے روٹی کے باقی ماندہ ٹکڑے اکٹھے کئے اور بارہ ٹوکریاں بھر لیں۔

اس کے علاوہ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل اور حضرت عیسیٰ کے بارہ حواری تھے۔

لیکن بعد ازاں یہی بارہ کا ہندسہ اثنا عشری تشیع میں آل رسول اور بی بی فاطمہ الزہرا کی اولاد نرینہ سے منسوب ہوا۔

## قیامت صغریٰ، مملکت خداداد اور اسلامی حکومتیں

ابو عبداللہ الانصاری القرطبی تیرھویں صدی میں مسلمانوں کے زوال سے کچھ ہی عرصہ قبل ایک مشہور عالم کے طور پر ابھرے۔ عیسائیوں کی فتح قرطبہ کے بعد وہ مصر ہجرت کر گئے۔ انہوں نے قرطبہ اور مصر کے مشہور علماء سے تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے کئی ایک کتب مرتب کیں جن میں سے ایک آخری زمانہ کی آفات و بلیات کے بارے میں بھی تھی۔ دراصل وہ کتاب انہوں نے ہسپانیہ کے مسلم حکمرانوں کو قیامت صغریٰ سے آگاہ کرنے کے لئے مرتب کی تھی۔

تیرھویں اور چودھویں صدی میں جب منگولوں نے سلجوقیوں اور دوسری مسلمان مملکتوں پر خونریز یورشیں برپا کیں تو مسلمان علماء اور تاریخ دانوں نے انہیں آخری زمانے کی جنگوں سے تعبیر کیا۔ اسی وقت کئی ایک آفاقی واقعات بھی پیش آئے۔ مثلاً 1222 میں ہیلی کا دمدار ستارہ نظر آیا۔ ماہرین فلکیات کے مطابق یہ دمدار ستارہ تقریباً ایک سو سال میں ایک مرتبہ نظر آتا ہے۔ اس صدی کے مسلمان ماہر فلکیات مثلاً ابن الاثیر الذہبی نے اپنی کتاب، الکامل میں اس واقع کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ ستارے کے بالائی سرے پر لمبے اور گھنگھریالے بال واضح طور پر نظر آتے تھے۔ ستارہ شعبان کے

اواخر سے لے کر رمضان کے آخر تک یعنی کہ پورا ایک ماہ نظر آتا رہا۔اس کے بعد وہ ستارے کے تفصیلی مقامات بیان کرتا ہے۔اس کے علاوہ جزیرہ العرب میں یکے بعد دیگرے سورج اور چاند گرہن لگنے، پے در پے (چودہ) زلزلے، مدینہ کے آس پاس لاوا پھٹنے اور مسجد نبوی میں آگ لگنے کے واقعات بھی پیش آئے۔اب تو خواص اور عوام میں، آخری وقت کی خبریں عام ہو گئیں۔اسی اثنا میں عباسی خلیفہ معتصم (1255-58) نے منگولوں سے ہار ماننے یا کسی قسم کا معائدہ کرنے سے انکار کر دیا۔آخر کار وہ منگولوں کے ہاتھوں مارا گیا اور اس کے حمایتیوں نے مشہور کر دیا کہ خدا انسانوں سے ناراض ہے اور آخری زمانہ قریب ہے۔

وہ عرب وعجم میں صوفیاء اور شیوخ کا زمانہ تھا۔لوگ خوف و ہراس، عدم تحفظ، حکمرانوں کی بے اعتدالیوں اور جبر کی وجہ سے صوفیاء اور شیوخ کی درگاہوں کا رخ کرتے اور اس حاضری کے بدلے میں روحانی تسکین اور جسمانی فوائد کی خواہش رکھتے تھے۔لہٰذا اس پر آشوب دور میں مھدویت کے کئی ایک جھوٹے دعویداروں نے سر اٹھایا۔لیکن وہ جلد ہی اپنی موت آپ مر گئے۔یہاں تک کہ بعد میں آنے والے تاریخ دانوں نے اپنی کتب میں ان کے بارے میں چند سطور لکھنے کی تکلیف بھی گوارا نہ کی۔آج ان کاذبوں کا تذکرہ معدودے چند نادر کتب میں ہی ملتا ہے۔

دوسری جانب جب منگولوں نے بغداد کو تباہ کیا اور مسلمانوں کی مشرقی حکومتوں کا خاتمہ کیا تو قیامت صغریٰ اور دنیا کے خاتمے پر تیزی سے تحقیقی کام آغاز ہوا، روایتیں اکٹھی کی گئیں، ان پر شرحیں لکھی گئیں یا نئی تجاویز پیش کی گئیں یوں اس موضوع پر کتب اور رسالوں کے ڈھیر لگ گئے۔اس زمانے کے مشہور اہل تشیع علماء میں ابن طاوس کی الفتنہ والملاحم (1260-62) اس کے علاوہ الخطیر نے سولھویں صدی میں اپنی کتاب البدایہ والنہائیہ تحریر کی۔جس میں قیامت صغریٰ کے جلد برپا ہونے کا ذکر کیا۔اس دور کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اہل سنت والجماعت علماء نے منگولوں کو، یاجوج ماجوج ثابت کرنے کی کوشش کی۔لیکن اہل تشیع علماء کی جانب سے ایسی کوئی تصنیف سامنے نہیں آئی۔

☆☆

# 3۔ امریکہ اور حکومت خداداد

## کرسٹوفر کولمبس

پندرہویں صدی عیسوی میں غرناطہ کی فتح کے بعد تاج ہسپانیہ نے تمام آئبیریا کو عیسائی بنانے کا ارادہ کیا اور وہ کوششیں قریباً آٹھ سو سال تک جاری رہیں۔ کرسٹوفر کولمبس جنیوا کا باشندہ تھا۔ وہ اوائل عمر سے ہی جہاز راں رہا تھا اور اس علاقے کے سمندری راستوں، جزیروں اور ان کی ثقافتوں سے واقف تھا۔ وہ نقشہ دان بھی تھا۔ اس دور کی معیشت کا بڑا انحصار سمندری سفر پر تھا۔ لہٰذا کرسٹوفر کولمبس جیسے ماہر جہاز ران کی بہت قدر و قیمت ہوا کرتی تھی۔ ماضی کے تجربات کے پیش نظر وہ جانتا تھا کہ آئبیریا کے جزائر کی مہمات عیسائی حکومتوں کے لئے سود مند ثابت ہوں گے۔ لہٰذا اس نے سپین، پرتگال اور انگلینڈ کے حکمرانوں کی توجہ ان مہمات کی جانب دلوائی۔ اس نے 1481 میں پرتگال کے بادشاہ سے رابطہ کیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے بھائی کو برطانیہ کے بادشاہ جون دوم کی جانب بھیجا اور خود سپین روانہ ہو گیا۔ وہ متعصب اور کٹر کیتھولک تھا اور مسلمانوں سے جنگ کرنا اس کے مذہبی فرائض میں شامل تھا۔ 1489 میں وہ تاج ہسپانیہ کے ماتحت مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوا اور غرناطہ میں مسلمانوں کی شکست، پسپائی اور ذلت کا مظاہرہ اپنی آنکھوں سے کیا۔ (Cummins,etal1992)

اس سے پہلے کہ ہم کرسٹوفر کولمبس کی سمندری مہمات کا ذکر کریں، مسلمانوں کی سمندری ترقی کا ذکر ضروری ہے۔ تاریخ کولمبس اور پندرہویں صدی کے دیگر ہسپانوی مہم جوؤں کا ذکر اس طرح کرتی ہے، گویا کہ وہ بحیرہ روم میں سفر کرنے والے پہلے مہم جو تھے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حقیقتاً مسلمان ہزار سال یا زائد عرصے سے ان سمندروں کے مسافر تھے۔ اور انہوں نے صدیوں پہلے ہی ترقی یافتہ سمندری سفر کی بنیاد ڈال دی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ ہسپانوی مہم جو مغربی راستے سے ہندوستان جانے کے خواہاں تھے۔ کیوں کہ عام مشرقی راستے مسلمانوں کی دسترس میں تھے۔ اور صلیبی جنگوں کی وجہ سے عیسائی مہم جوؤں کی ان تک رسائی نہ تھی۔ مسلمان مغربی سمندروں میں واقع آئبیریا کے جزائر سے بھی آگاہ تھے لیکن ان علاقوں کی سادہ طرز زندگی کی وجہ سے وہ ان کے ساتھ تجارتی تعلقات کے خواہاں نہ تھے۔ تاریخ دانوں کا

یہ دعویٰ بھی قرین از قیاس ہے کہ کولمبس نے آئیبیریا کے جزائر دریافت کئے تھے۔ نہ صرف یہ کہ وہ خود بلکہ دوسرے مہم جو، اور خصوصاً مسلمان ان جزائر کا پہلے سے جائزہ لے چکے تھے۔

قرون وسطیٰ کی مسلمان حکومتوں کی معیشت کا انحصار زراعت، صنعت وحرفت اور تجارت پر تھا۔ مسلمان زمینی اور بحری شاہراہوں کی حفاظت کا خصوصی انتظام کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ہسپانیہ کے بادشاہ عبدالرحمان دوم نے تین سو بحری بیڑے سمندری ڈاکوؤں اور دوسرے حملہ آوروں کے مقابلے کے لئے مخصوص کر رکھے تھے۔ اس کے علاوہ اس کے منجنیق بردار جہاز سمندر میں گشت کرتے رہتے تھے۔ وہ واچ ٹاور کا بھی اعلیٰ نظام رکھتا تھا۔ واچ ٹاور کا گارڈ جیسے ہی کوئی خطرہ محسوس کرتا تو بگل بجا کر حفاظتی دستوں کو ہشیار کر دیتا تھا۔ سمندری سفر کے لئے باقائدہ قوانین وضع کئے گئے تھے۔ مثلاً کشتیاں بنانے، سفر کے دوران نظم وضبط کو برقرار رکھنے اور فوتگی، جنازے اور تدفین کے قوانین وغیرہ۔ عرب اور ایرانی قبل از اسلام بحر العرب، بحر الہند اور بحر روم میں سفر کرتے تھے۔ بعد ازاں اسلامی مملکتوں نے سمندری سفر کو سرپرستی دی اور وہ چین اور افریقہ تک پہنچ گئے۔ قبل از اسلام زیادہ تر جہاز راں قطبی ستارے کی مدد سے سمت کا اندازہ لگاتے اور اپنی منزل تک پہنچ جاتے تھے۔ البتہ مسلمانوں نے راستے میں آنے والے ہر سمندر کے مطابق جدید نقشے، چارٹ اور ہدایت نامے جاری کئے۔ ابن ماجد، سلیمان المہری اور ترک سیاح سیدی علی چلبی پندرھویں اور سولھویں صدی کے مشہور نقشہ دان تھے۔ مسلمان جہاز راں چارٹ کا استعمال بھی کثرت سے کرتے تھے۔ چارٹ میں جہاز ران اپنا مقام، آخری منزل اور راستے میں آنے والے مقامات کے نام لکھتے تھے۔ واسکوڈے گاما نے جب انڈیا کا سفر کیا تو نہ صرف مسلمانوں کے دور کا ایک یہودی گائیڈ اس کے ساتھ تھا، بلکہ عربوں کے نقشے اور ہدایت نامے بھی اس کی دسترس میں تھے۔ (Tibbets,1978)

ان صدیوں میں بری اور بحری شاہراہوں پر نہ صرف تجارتی قافلے بلکہ مسافر اور حاجی بھی کثرت سے سفر کرتے تھے۔ ہسپانیہ کی تجارت زیادہ تر مقامی یہودیوں کے ہاتھ میں تھی۔ وہ ہشیار، حاضر جواب اور محنتی تھے اور راستے میں آنے والی کئی ایک مملکتوں کی زبانوں پر عبور رکھتے تھے، مثلاً عربی، فارسی، رومن وغیرہ۔ اہم تو یہ ہے کہ یہودی تجارتی برادری میں گہرا اتفاق تھا۔ راستے میں آنے والی کسی بھی گودی پر اگر انہیں پریشان کیا جاتا یا ضرورت سے زیادہ ٹیکس عائد کیا جاتا تو پوری تجارتی برادری بائیکاٹ کر دیتی تھی۔ یوں اس ملک کی تجارتی منڈی بری طرح سے متاثر ہوتی۔ لہٰذا ہر کوئی ان تاجروں کی باہمی

طاقت سے واقف تھا، اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا۔ انہیں خصوصی مراعات بھی حاصل ہوتی تھیں۔ وہ قافلے ایک جانب تو بحیرہ روم میں سفر کرتے ہوئے افریقہ تک جاتے، اور دوسری جانب بحر الہند اور بحیرہ عرب کے ذریعہ پرتگال، انڈورا، شمالی فرانس، مصر، حجاز، جدہ سے بحر الہند میں داخل ہو جاتے۔ اس کے بعد وہ کراچی سے ہوتے ہوئے سیلون، جاوا، سماٹرا اور حتیٰ کہ چین تک کا سفر کرتے تھے۔ جب وہ کامیاب سفر سے واپس آتے تو ان کے ساتھ قیمتی مال و متاع کے علاوہ نگر نگر کی کہانیاں بھی ہوتی تھیں اور وہ کہانیاں گاہکوں کے لئے اتنی ہی دلچسپی کا باعث بنتیں جتنی کہ درآمد شدہ مصنوعات۔ مغرب اور مشرق سے اکٹھی کی گئی مصنوعات میں قیمتی پتھر، طبی جڑی بوٹیاں، کپڑا، جانوروں کی کھالیں اور غلام وغیرہ ہوتے تھے لیکن سب سے زیادہ مقبول شاید مشرق کے خوشبودار مصالحے ہوا کرتے تھے۔ جو اپنے اندر صحت اور لمبی زندگی کے اسرار چھپائے ہوتے تھے۔

البتہ جب کرسٹوفر کولمبس انڈیا کی تلاش میں نکلا تو صلیبی جنگوں نے گویا کہ دنیا ہی بدل دی تھی۔ افریقہ اور مشرق وسطیٰ کی مسلمان مملکتوں کی وجہ سے دونوں راستے بند ہو چکے تھے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ تاج ہسپانیہ نے مذہبی جنون کے تحت مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کو یا تو ملک بدر کر دیا تھا یا معاشی لحاظ سے معذور کر دیا تھا۔ ورنہ وہ اپنی بیش بہا صلاحیتوں کی وجہ سے اس نوزائیدہ مملکت کو سنبھالا دے سکتے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی لائبریریاں بھی جلا ڈالیں اور ترقی کا بیش بہا زینہ آگ میں جھونک کر انسانیت کو کئی صدیوں تک زمانہ جاہلیت میں دھکیل دیا۔ اب چونکہ بات سمندری سفر کی ہو رہی ہے، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ کرسٹوفر کولمبس جن مضبوط کشتیوں پر بیٹھ کر نئی دنیائیں فتح کرنے اور مسلمانوں کی مکمل تباہی کا خواب لے کر نکلا، عین ممکن ہے کہ وہ کسی مسلمان کے ہاتھ کی بنی ہو۔

وہ کٹر کیتھولک عیسائیت کی صدیاں تھیں۔ جب پوپ کے پاس لامتناہی اختیارات ہوا کرتے تھے۔ تمام عیسائی مملکتیں اور ان کے قوانین، حتیٰ کہ خدا کی زمین کا اختیار بھی اس کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ گویا کہ آسمان پر خدا اور زمین پر پوپ کا حکم چلتا تھا۔ 1493 میں انہی اختیارات کے بل بوتے پر پوپ الیگزنڈر ہفتم نے دنیا کے نقشے پر پرتگال کے جزائر سے سو لیگ مغرب میں ایک لکیر کھینچی اور اعلان کیا کہ وہ مذکورہ لکیر کے مغرب کے تمام علاقوں پر پرتگال اور مشرق کے تمام علاقوں پر تاج ہسپانیہ کو تسلط دیتا ہے۔ تاکہ وہ جس طرح چاہیں ان علاقوں پر اپنی راجدھانی قائم کریں، نئی آبادکاریاں کریں اور مقامی لوگوں کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کریں۔ گو کہ وہ علاقے صدیوں سے آباد تھے اور وہاں کے

باشندے امن وامان کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن طاقت اور اختیار کے نشے میں ڈوبے عیسائیوں نے انہیں اپنا ذاتی مال تصور کر لیا تھا۔

گو کہ اس فیصلے کے تحت بہتر علاقے پرتگال کے ہاتھ میں چلے گئے جن میں بہترین برازیل کا علاقہ تھا۔ جبکہ تاج ہسپانیہ کے ہاتھ غیر آباد علاقے آئے لیکن پوپ کے فیصلے کو کوئی بھی چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔ انہی سالوں میں کرسٹوفر کولمبس نے حکومت پرتگال کے ساتھ معاہدہ کیا لیکن پرتگال کے سرکاری اہل کاروں نے اس کے بنائے ہوئے نقشے چرا لئے اور واسکوڈے گاما کو سمندری مہم پر بھیج دیا۔ وہاں سے مایوس ہو کر کولمبس نے سپین کا رخ کیا اور تاج ہسپانیہ تک رسائی حاصل کی۔ اس میں اسے کئی سال لگے لیکن آخر کار شاہی کورٹ نے اس کی درخوست قبول کر لی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت تمام فیصلے ملکہ ازابیلا کے ہوتے تھے۔ جبکہ فرڈیننڈ کی حیثیت روبوٹ بادشاہ کی سی تھی۔ لہٰذا کولمبس کو بھی ملکہ کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ اس کے اور تاج ہسپانیہ کے درمیان ایک معائدہ ہوا جس کے تحت کولمبس کو اپنے دریافت کردہ کسی بھی جزیروں میں سے کسی ایک کا گورنر، ایڈمرل اور فوجی لیڈر مقرر کیا جانا تھا۔ یعنی تاج ہسپانیہ کے ماتحت ہونے کے باوجود بھی وہ ان جزائر کا بے تاج بادشاہ ہوگا۔ ان دریافتوں سے حاصل شدہ اموال کا نوے فیصد حصہ تاج کا، اور دسواں حصہ اس کی ذاتی ملکیت ہوگا۔ اس کے علاوہ ان جزائر کی گورنرشپ موروثی طور پر اس کی نسلوں میں چلے گی۔ اسے ایک اجازت نامہ دیا گیا جس کے تحت اس کے راستے میں آنے والی تمام حکومتوں کو اس کی مدد کے لئے مجبور کیا گیا تھا کیونکہ وہ خدا اور کیتھولک چرچ کے مشن کو پورا کرنے پر فائز کیا گیا تھا۔

کولمبس کو عظیم الشان آبادکاری کے لئے وسیع زمین اور خزانوں کی تلاش تھی۔ اس کے نزدیک اس کا نام کرسٹوفر یعنی کرائسٹ کا علمبردار بہت اہمیت کا حامل تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نام کے زیر اثر وہ نئے زمین و آسمان تلاش کرے گا۔ اسی منظر نامے میں جب کرسٹوفر کولمبس نئی دنیا دریافت کرنے نکلا تو اس کا خیال تھا کہ ڈیڑھ صدی میں اس کرہ ارض کا آخری وقت آنے والا ہے۔ جس کے بعد پرہیزگاروں کی ہزار سالہ مملکت یا دی ملینیئم کا قیام ہوگا۔ اس نے ملکہ ازابیلا کو لکھا تھا کہ خدا نے مجھے نئی زمینوں اور نئے آفاق کا پیامبر بنا کر بھیجا ہے اور اس نے مجھے مطلع کیا ہے کہ میں نے کس علاقے تک پہنچنا ہے۔ گو کہ کولمبس سے پہلے ان علاقوں میں یورپی سمندری جہازوں کی آمدورفت جاری رہتی تھی لیکن کولمبس کی داستاں کو پرفسوں بنانے کے لئے امریکہ کی دریافت کا سہرا اس کے سر باندھ دیا گیا۔

اگر ہم کرسٹوفر کولمبس کے ماضی کا جائزہ لیں تو پتا چلتا ہے کہ اس نے چودہ سال کی عمر سے بحیرہ روم میں جہاز رانی کا آغاز کیا تھا۔ وہ عرصہ دراز سے ان علاقوں سے واقف تھا۔ معاہدے کے وقت اس نے ملکہ ازابیلا کو یقین دلایا کہ وہ تمام علاقے عمدہ اور قیمتی مصالحہ جات اور سونے سے مالا مال ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے ملکہ کو ان علاقوں میں آبادکاری پر بھی راضی کر لیا۔ تاکہ سپین کے آبادکاران جزائر پر سونا ڈھونڈنے اور تاج ہسپانیہ کے خزانے کو بڑھانے کے کام آسکیں۔ اپنے اولین سفر میں وہ ایک ہزار سے زائد رضا کار ساتھ لے کر گیا۔ بعدازاں اس نے کئی ایک جزائر پر ہسپانوی کالونیاں آباد کیں۔

اپنے پہلے سفر سے واپسی پر اس نے تحریری ریکارڈز ملکہ ازابیلا کو پیش کئے۔ ملکہ نے اصلی مسودہ اپنے پاس رکھ لیا اور اس کی ایک نقل تیار کروا کر کولمبس کو لوٹا دی۔ اس ڈائری کو اس کے پوتے لوئس نے 1554 میں شائع کیا۔ اس کے بعد انیسویں صدی میں یہی ریکارڈز روم، اٹلی سے شائع ہوئے۔ بعد ازاں ایک تاریخ دان بی ڈی کیساس نے بھی اس کے سفر کے تمام واقعات شائع کئے جو نیشنل لائبریری میڈرڈ، سپین کے نادر کتب کے حصے میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی ڈائری کے انگریزی، اٹالین، فرانسیسی، جرمن اور روسی زبانوں میں بھی تراجم ہوئے۔

اس کے علاوہ اس نے اپنے سفر کے دوران اس نے کئی ایک خطوط تاج ہسپانیہ کے نام لکھے۔ ایسے ہی ایک خط میں وہ لکھتا ہے کہ، خدا نے میرے دل میں ایک خواہش بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح سلگا دی ہے اور وہ یہ کہ میں ہندستان اور اس کے آس پاس کے علاقوں کا سفر اختیار کروں اور اس کے علاوہ تمام صحائف، جغرافیہ، تاریخ اور فلسفہ کی کتب کا مطالعہ کروں۔

اس نے اپنے خطوط میں یروشلم کی کافروں کے تسلط سے آزادی، انڈیز کے جزائر کی دریافت اور تمام دنیا پر عیسائیت پھیلنے کی پیشن گوئیاں تحریر کیں۔ اس نے لکھا کہ میں نے اوائل عمر سے سمندری سفر کا آغاز کر دیا تھا۔ اس سفر نے مجھے پراسرار دنیاؤں سے آگاہ کیا۔ میں نے ہر قسم کی کتب کا مطالعہ کیا اور یہودیوں، عیسائیوں، مسلمانوں اور کئی ایک دیگر مذاہب کے علما کے ساتھ بحث و مباحثہ کیا، اور یروشلم کے بارے میں مفید اقتباسات اکٹھے کئے۔ روح القدس نے معجزانہ طور پر میرے اندر اس سمندری سفر کا جذبہ بیدار کیا۔ ایبٹ جاوشم نے کہا تھا کہ صیہون کی پہاڑی پر عبادت گاہ بنانے والا ہسپانیہ سے آئے گا۔ اب اس کا وقت آ گیا ہے، اس وجہ سے میں تاج ہسپانیہ کو درخواست پیش کرتا ہوں کہ مقدس عبادت گاہ کی واپسی کے لئے مناسب اور بروقت اقدامات کئے جائیں۔ (Columbus.C)

اس کے بعد وہ دی ملینیم کی پیشن گوئیاں فراہم کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ سینٹ آگسٹین نے سات ہزار سال کے بعد دنیا کی تباہی اور مسیح کی واپسی کی پیشن گوئی کی تھی۔ اب اس مدت کے خاتمے میں صرف ایک سو پچپن سال کا عرصہ باقی رہ گیا ہے۔ کئی ایک پیشن گوئیاں مکمل ہو چکی ہیں۔ کارڈینل پائرے ڈی ایلائی نے مسلمانوں کی حکومتوں کے خاتمے اور دجالی قوتوں کے بارے میں پہلے سے ہی پیشن گوئی کر دی تھی۔ اس کے علاوہ کیلبرین ایبٹ جوشم کے مطابق صیہون کی عبادت گاہ کا فاتح ہسپانوی ہوگا۔ تاج ہسپانیہ کی فتح غرناطہ بھی انہی پیشن گوئیوں میں سے ایک ہے۔ اور میرا انڈیز کا سفر حضرت یسعیاہ کی پیشن گوئی مکمل ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کے بعد اپنی بحث کو مزید موثر بنانے کے لئے وہ بائبل سے سالمز 2، 5، 8، 9، 17، میتھیو 14۔24 وغیرہ کے حوالہ جات پیش کرتا ہے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کی کامیابیاں ان پیشن گوئیوں کے پورا ہونے کی نشانیاں ہیں۔ خصوصاً" یسعیاہ 42:4-1 میں (انڈیز) جزائر اور حضرت عیسیٰ کے ایک پیشرو کا ایسی اقوام کی جانب جانا جو مذہب حق کے بارے میں غفلت میں ہوں گی۔

اس کے بعد وہ Tragedy MedeaSeneca's کا حوالہ دیتا ہے جس کے مطابق آخری ایام میں سمندر اپنے رستے کھول دے گا۔ نئی زمینیں دریافت ہوں گی۔ اور ایک ملاح نئی دنیائیں دریافت کرے گا۔ بعض مقامات پر وہ خود کو چنا ہوا بھی تصور کرتا ہے۔ (Rusconi,R)

پہلے سفر سے واپسی پر تاج ہسپانیہ نے گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا، مختلف القابات سے نوازا اور اس کے فتح کئے ہوئے علاقوں پر اسے گورنر بنا دیا۔ اسی دوران اس کی بہادری کی داستانیں برطانیہ پہنچیں۔ برطانیہ کے بادشاہ ہنری ہفتم کو بتایا گیا کہ اس کے کارنامے انسانی نہیں بلکہ الوہی ہیں۔ چونکہ وہ عیسائیت پھیلا رہا تھا اور کافروں کے علاقوں میں نوآبادیاں قائم کر رہا تھا، لہٰذا وہ گرجا گھروں کا ہیرو بن گیا اور پادریوں نے اس کی لیاقت، قوت فیصلہ اور شجاعت پر خطبات دینے شروع کر دیئے۔ اسے انسانیت کا سب سے بڑا خادم کہا گیا اور اس کی بہادری پر نظمیں تحریر کی گئیں۔ اس کی کامیابیوں کی داستانیں تمام یورپ میں پھیل گئیں۔ نتیجے کے طور پر فرانس، اٹلی اور دیگر علاقوں سے ذاتی اور حکومتی مہمات سونے، دیگر قیمتی اشیا، نت نئی زمینوں اور عیسائیت پھیلانے کے جزیے کے تحت نکل کھڑی ہوئیں۔

اپنے دوسرے سفر میں وہ سترہ جہاز اور پندرہ سو رضا کار لے کر گیا تا کہ پہلے سے زیادہ مضبوط بنیادوں پر کالونیاں قائم کر سکے۔ مقامی قبائل میں عیسائیت کا پرچار کرنے کے لئے اس کے ساتھ اعلیٰ

درجے کے بارہ مشنری بھی تھے۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی پاکیزہ کاوشوں کی وجہ سے بہت سے انسان گمراہی کے اندھیروں سے بچ کر جنت کا راستہ اختیار کر لیں گے۔ اس نے تاج ہسپانیہ کو گزارش پیش کی کہ نئی کالونیوں اور سپین کے درمیان تجارت قائم کی جائے تا کہ ان کے سفر میں باقاعدگی قائم ہو اور ان قافلوں کے ساتھ مشنری بھی سفر اختیار کر سکیں۔ (Brownwall&Hurlbut,1803)

وقت گزرنے کے ساتھ کولمبس کا عیسائیت پھیلانے کا جذبہ جنون کی حد تک بڑھتا چلا گیا۔ وہ جس جزیرے پر اترتا وہاں کراس کا نشان لگاتا چلا جاتا تھا۔ (Cummins,Weidenfeld&Britain1992)

کولمبس نے مقامی قبائل کو دو نام دیئے تھے۔ یعنی کہ آناواک اور کیرب۔ آناواک دوستانہ رویہ رکھنے والے پرامن قبائل تھے۔ کولمبس نے تاج ہسپانیہ کو رپورٹ پیش کی کہ اناواک بزدل لوگ ہیں کیونکہ انہوں نے آسانی کے ساتھ اپنا عقیدہ بدل لیا ہے۔ چاہے ان سے ان کے علاقوں میں کام لیا جائے یا ہسپانیہ روانہ کر دیا جائے، دونوں صورتوں میں وہ فرمانبردار غلام ثابت ہوں گے۔ دوسرے گروہ کو اس نے کیرب کا نام دیا تھا جنہیں وہ وحشی اور جنگجو کہتا تھا۔ اوائل عمر میں وہ جینیوا سے لے کر افریقہ کے مغربی علاقوں تک سفر کر چکا تھا۔ وہ وہاں کی غلام منڈیوں اور غلاموں کی خرید و فروخت سے حاصل ہونے والی خطیر رقوم کے بارے میں جانتا تھا۔ لہٰذا اس نے بارہا خطوط میں بادشاہ اور ملکہ کو کیرب قبائل کے بارے میں من گھڑت داستانیں لکھیں۔ تا کہ تاج ہسپانیہ کو یقین ہو جائے کہ ان وحشی قبائل کو غلام بنا کر سدھارنا اور عیسائی بنانا ضروری ہے۔ کولمبس کے مطابق وہ لوگ مطلق بے لباس پھرتے تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے اور جادو ٹونے کے ماہر تھے۔ وہ آدم خور تھے اور ان کے محلات اور گھروں سے ٹنوں کے حساب سے انسانی ہڈیاں دریافت ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات وہ اپنے بیوی بچوں کو بھی کھا جاتے تھے۔ بیسویں صدی میں جب مقامی قبائل کے افراد نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اپنے آباء کے بارے میں تحقیقی رسائل شائع کئے تو انہوں نے واضح کر دیا کہ ان میں سے اکثر کہانیاں جھوٹی تھیں۔ ان کے آباء کبھی بھی آدم خور نہ تھے۔ اس کے علاوہ کولمبس نے اپنی داستانوں کو دلچسپ بنانے کے لئے قبائلی بادشاہوں اور ان کے محلات کا ذکر کیا تھا۔ جبکہ وہ صرف قبائلی سردار تھے۔ جن کی حویلیاں عام خیموں سے قدرے وسیع ہوا کرتی تھیں۔

1503 میں تاج ہسپانیہ نے کولمبس کو اجازت دے دی کہ وہ کیرب قبائل کو غلام بنا لے۔ البتہ اسے مقامی قبائل اور خصوصاً غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ لیکن کولمبس ایک

سخت گیر اور ظالم گورنر تھا۔ وہ معمولی باتوں پر قبائلیوں کو سخت سزائیں دیتا اور محبت کے ساتھ پیش آنے والے قبائلیوں کو بھی نہ بخشتا۔ اس کے زیر تسلط علاقوں کے تمام قبائلیوں کے لئے ضروری تھا کہ ہر شخص چودہ سال کی عمر کے بعد ہر تین ماہ کے بعد سونے سے آراستہ مخصوص کھلونے بنا کر اسے پیش کریں۔ قبائلی سارا دن دریاؤں سے ریت چھانتے اور بمشکل تین ماہ کے اندر قیمتی کھلونے بناتے تھے۔ کولمبس وہ کھلونے کنگ فرڈینینڈ کو تحفے کے طور پر بھجواتا تھا۔ پاکستان کے شمالی علاقوں اور خصوصاً گلگت اور ہنزہ میں دریاؤں سے سونا نکالا جاتا ہے۔ یہ ایک کٹھن اور وقت طلب کام ہے۔ کئی ہفتوں کی محنت شاقہ کے بعد صرف چند گرام سونا ہاتھ آتا ہے۔ مزید یہ کہ دریاؤں کی ریت سے حاصل کئے گئے سونے کی قیمت کان سے نکلے ہوئے سونے سے بہت کم ہوتی ہے۔ ان سب حقائق کے باوجود کولمبس جیسا وسیع علاقے کا گورنر اس قلیل سونے کا لالچی تھا۔ دیگر نوآبادکاروں کی طرح اس کا بھی عقیدہ تھا کہ مقامی قبائل کی محنت سے حتی الامکان فائدہ اٹھالیا جائے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ معمولی اختلافات پر اس قدر بھڑک جاتا کہ بعض اوقات بات خونریزی تک بھی پہنچ جاتی تھی۔

تیسرے سفر پر روانہ ہوتے ہوئے اس نے قسم کھائی کہ وہ واپسی پر اتنا مال ومتاع لے کر آئے گا کہ جس سے پچاس ہزار گھڑسوار اور پچاس ہزار پیادہ فوج تیار کی جاسکے۔ اور یوں یروشلم کو مسلمانوں سے آزاد کروالیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اس نے کنگ فرڈینینڈ کو بائبل کی ایسی پیشن گوئیاں بھیجیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ عیسائیوں کے یروشلم میں دوبارہ داخلے کا وقت آن پہنچا ہے۔ ان پیشنگوئیوں سے متاثر ہو کر فرڈینینڈ نے مصر کے سلطان کے ساتھ یروشلم میں عیسائی عبادت گاہوں کی حفاظت کا معاہدہ کرلیا۔

چوتھے سفر کے دوران اس نے عربی یہودیوں کا مرتب کیا ہوا قدیمی جغرافیہ اور بائبل کا تفصیلی مطالعہ کیا لیکن اس وقت تک اس کے خلاف تاج ہسپانیہ تک اتنی شکایتیں اور اس کے ظلم وستم کی داستانیں پہنچ چکی تھیں کہ اسے فوراً ہسپانیہ واپسی کا حکم نامہ وصول ہوگیا۔ اس نے تاج ہسپانیہ کو گزارشات ارسال کیں کہ اسے وحشی اور دشمنی سے بھرپور قبائل کی جانب بھیجا گیا تھا جو ذہنی طور پر مہذب دنیا سے بہت دور تھے۔ ان کے رہن سہن کے طور طریقے بالکل مختلف تھے۔ اس کے باوجود اس نے ان پر غلبہ پایا۔ انہیں تاج ہسپانیہ کا باجگزار بنایا اور عیسائیت کی روشنی سے آراستہ کیا لیکن تاج ہسپانیہ اس وقت تک کولمبس کے خلاف ہوچکا تھا۔ واپسی پر اس کی گورنری اور دیگر مراعات اس کے ہاتھ سے جاتی رہیں۔ اور اس نے آخری عمر غربت اور ملال میں گزاری۔ اس نے بیٹے کو خط میں لکھا کہ تمام عمر کے مشکل ترین

سفروں اور مشقت کے باوجود بھی سپین میں اس کا ایک ذاتی گھر بھی نہیں۔ وہ ایک سرائے میں رہتا ہے۔ عسرت کا یہ عالم ہے کہ بعض اوقات اس کے پاس کھانا خریدنے کے پیسے بھی نہیں ہوتے۔

1506 میں شاہی عدالت نے اسے سپین سے بھی بے دخل کر دیا۔ اس کی کئی ایک درخواستوں کے باوجود بھی اسے سپین میں رہنے کی اجازت نہ ملی۔ وہ میکسیکو روانہ ہوا اور راستے میں ہی وفات پا گیا۔ دوسو سال تک اس کا تابوت میکسیکو کے ایک چرچ میں دفن رہا۔ بعدازاں اسے کئی ایک مقامات پر منتقل کیا گیا۔ 1536 میں اس کی نصیحت کے مطابق اس کے بیٹے نے اس کے باقیات جزیرہ ہیٹی یا ہسپانیولا میں منتقل کر دیئے جو اس کا پسندیدہ علاقہ تھا۔ تقریباً دوصدیوں کے بعد جب وہ علاقہ فرانسیسیوں کی بالادستی میں چلا گیا تو اس کا تابوت کیوبا بھیج دیا گیا۔ افسوس کہ وہ جو مملکت خداداد بنانے نکلا تھا، نفس عمارہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر جھوٹ اور فراڈ کا شکار ہو گیا۔ اس نے انڈیز کے جزائر میں موجود سونے، چاندی اور ہیرے موتیوں کی جھوٹی داستانیں پھیلائیں۔ جن قبائل نے اسے خوشدلی کے ساتھ گلے لگایا تھا انہی کا قاتل ٹھہرا۔ ہر ممکن طریقے سے ان کا حق کھایا۔ انہیں ان کے آباء کی زمین سے بے دخل کیا اور جابجا غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا۔ خدا کی لاٹھی بے آواز اور سخت ہے۔ نہ صرف اس کی آخری عمر عسرت اور ملال میں گزری بلکہ بعدازموت اس کا مردہ بھی دربدر کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔ بیسویں صدی میں تاریخ دانوں اور سائنس دانوں نے اس کا تابوت ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ لیکن ڈی این اے اسٹڈی کے نتائج سے پتا چلا کہ اس کی باقیات کسی بھی مقررہ مقام پر موجود نہیں ہیں۔ گویا کہ آج کولمبس لاپتا ہے۔ آج کرسٹوفر کولمبس ایک متنازعہ موضوع بن کر رہ گیا ہے۔ حکومتی حلقے اسے ہیرو کے طور پر، جبکہ محققین کا ایک بڑا گروہ اسے ایک غاصب کے طور پر متعارف کرواتا ہے۔ مقامی افراد کے مطابق ان کے لئے پہلی جنگ عظیم اس وقت شروع ہوئی جب کولمبس نے ان کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ اس نے جس مقصد کو مقدس مشن کا نام دیا تھا، آج اسے مقامی قبائل کے خلاف ٹوٹل یا مکمل جنگ کا نام دیا جاتا ہے۔ یعنی کہ ایک ایسی خونریز جنگ جس میں مقامی آبادی کی قومی، مذہبی اور معاشرتی شناخت کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔

بعدازاں کولمبس کی داستانوں کی وجہ سے کئی ایک حکومتی اور ذاتی مہم جو انڈیز جزائر کی طرف چل نکلے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ جزائر سونے، ہیرے، سچے موتیوں اور قابل کاشت وسیع زمینی ٹکڑوں پر مشتمل ہیں۔ انہی مہم جوؤں میں سے ایک واسکو نونیز ڈی بلبوا بھی تھا۔ اس نے بحرالکاہل دریافت کیا لیکن اسے کوئی نام نہ دیا۔ بعدازاں فرڈیننڈ ومیگالان نامی پرتگالی جہاز ران نے اس سمندر کی پرسکون

لہروں کی وجہ سے اسے بحرالکاہل کا نام دیا۔ بلبوا کی نوجوانی غیر قانونی کاموں میں گزری تھی۔ اس نے گرفتاری اور قانونی چارہ جوئی سے بچنے کے لئے سمندری سفر اختیار کیا اور اتنی رقم اکٹھی کر لی کہ ذاتی جہاز خرید کر جہاز راں بن گیا۔ وہ مختلف جزیروں سے قیمتی دھاتیں اکٹھی کرتا اور کچھ سونا کولمبس کو پیش کر دیتا تھا۔ ایک بلند چوٹی سر کرنے کے بعد جب اس نے اچانک بحرالکاہل کا نظارا کیا تو وہ حیرت سے گنگ رہ گیا۔ اس کے بعد اس نے کچھ یوں عہد کیا کہ ہم ان تمام جزائر اور انڈیز پر غلبہ پائیں گے اور مملکت بنائیں گے۔ شمال اور جنوب میں اور سمندروں پر قطب شمالی و جنوبی پر آج اور آج کے بعد ہمیشہ کے لئے جب تک کہ دنیا قائم ہے، اور جب تک کہ انسانیت کے آخری فیصلے کی گھڑی نہیں آجاتی۔

اس کے ساتھ ہی عیسائی مشنری پارٹیاں ہسپانیہ، برطانیہ اور یورپ کے دیگر علاقوں سے نئی دنیا کی جانب چل پڑیں۔ انہیں اپنی حکومتوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ وہ نہ صرف مقامی قبائل کو عیسائی بنانا چاہتے تھے۔ بلکہ ان کا ہدف یہ بھی تھا کہ انہیں اپنی عیسائی حکومتوں کا وفادار باج گزار بنائیں۔ (Henry,1803)

میکسیکو کی فتح کی کہانی بھی دوسرے قبائلی علاقوں سے مختلف نہیں۔ مغربی نقادوں کا خیال ہے کہ میکسیکو کو ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں کراس لے کر فتح کیا گیا تھا۔ ہسپانوی افواج ہاتھوں میں کراس لے کر دوڑتی ہوئی آتیں۔ علاقوں پر علاقے فتح کرتیں، قتل و غارت عام ہوتا اور مقامی تہذیبیں تاخت و تاراج کر دی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ بعض کا تو نام و نشان بھی باقی نہ رہتا تھا۔ ان کے مظالم کی داستانیں آج بھی سنائی جاتی ہیں۔ نتیجے کے طور پر میکسیکو کی پرامن اور انتہائی ترقی یافتہ ایزٹک تہذیبیں خاک و خون میں مل کر رہ گئیں۔ اس وقت میکسیکو کی سرزمین پر صنعت و حرفت، زراعت فن تعمیر اور کیلنڈر بنانے کا فن عروج پر تھا۔ خوشحالی اور صحت اس قدر عام تھی کہ ان میں سے کوئی بھی معذور نہ ہوتا تھا۔

میکسیکو کی فتح کا سہرا مہم جو کورٹس کے سر جاتا ہے۔ جس نے دھوکہ دہی، فراڈ اور جھوٹ کے ذریعے مقامی سردار کو زیر کیا۔ تاج ہسپانیہ نے 1522 میں اسے میکسیکو کا گورنر، فوجی چیف اور جج مقرر کر کے اس کے ہاتھوں میں بے پناہ طاقت دے دی۔ وہ اپنے عروج کے دنوں میں ایک بے تاج بادشاہ جیسی زندگی گزارتا تھا۔ مذہبی اور سیاسی وجوہ کی بنا پر سلطنت ہسپانیہ میں اس کی فتح کا غیر معمولی حد تک چرچا کیا گیا۔ ہسپانوی تاریخ دان فرانسسکو لوپیز سب سے پہلے کورٹس کی فتوحات زیر قلم لایا۔ وہ اس کی میکسیکو کی فتح کو دنیا کی ابتدا سے لے کر اس وقت تک کی عظیم ترین کامیابی قرار دیتا ہے۔ لہٰذا اتنا مقبول ہوا کہ

جیسے ہسپانیہ میں اس کا اپنا فرقہ بن گیا ہو۔ اور عوام اس کے گھر کی زواری کے لئے جوق در جوق چل پڑے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے اپنے جتھوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے طارق بن زیاد کی نقل کی تھی۔ سپین پر مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک حکومت کی تھی۔ ان کی داستانیں سپین کی مٹی میں ضم ہو چکی تھیں اور عوام ان داستانوں پر یقین رکھتے تھے۔ کورٹس نے ترپ کا یہی پتا استعمال کر کے میکسیکو جیسی مضبوط راجدھانی جیت لی۔

کورٹس کے جنگی جتھوں میں مسلسل سفر، صعوبتوں اور وباؤں کی وجہ سے پھوٹ پڑ چکی تھی۔ اسے خطرہ پیدا ہو گیا کہ سپاہی حکم عدولی اور غداری پر اتر آئیں گے۔ اب اس نے اپنی کشتیوں کو آگ لگا دی۔ وہ دوغلا کھیل کھیل رہا تھا۔ اس نے تاج ہسپانیہ کو لکھا کہ اس نے کشتیاں جلا دی ہیں تا کہ غدار واپس نہ جا سکیں۔ ادھر اپنے سپاہیوں سے خطاب کرتے ہوئے اس نے کہا کہ میں نے تمام کشتیاں جلا دی ہیں۔ تا کہ ہمارے سامنے خدا کے علاوہ کوئی اور سہارا نہ ہو۔ اب ہمیں اپنی تلواروں اور مضبوط ارادوں پر بھروسا کرنا ہوگا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے مذہب پرست جتھے اس کے ساتھ تو غداری کر سکتے تھے لیکن خدا کے نام کے ساتھ نہیں۔ یہیں پر اس نے ایک تیسری چال بھی چلی۔ اس کے دور کے تاریخ دانوں نے تو مشہور کیا کہ اس نے جہاز اور کشتیاں جلا دیئے تھے۔ لیکن چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ اس نے ایک آدھ جہاز اور چند کشتیاں جلائی تھیں اور باقی ماندہ کو ڈبو دیا تھا تا کہ وقت آنے پر انہیں برآمد کیا جا سکے۔ (Henry,1803)

جب وہ میکسیکو کے دارالحکومت میں داخل ہوا تو مقامی بادشاہ موکٹی زوما نے خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا۔ کورٹس اور اس کے جتھوں نے اس کی مہمانداری کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس نے بادشاہ کو آگاہ کیا کہ اس کا میکسیکو پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ وہ تو محض سونے کی تلاش میں آئے ہیں اور اپنے وطن واپس چلے جائیں گے۔ انہی دنوں نظریات پیش کئے گئے تھے کہ عہد عتیق کی دی بک آف کنگز کے مطابق نیو ورلڈ کے تمام قبائل فلسطین سے ہجرت کر کے یہاں تک پہنچے ہیں اور جزیرہ نما یوکاٹان کا نام دی جینیسس میں یوکٹان لکھا ہوا ہے۔ اور پیرو عہد قدیم کی سرزمین پرویم ہے۔ جہاں سے حضرت سلیمان سونا اکٹھا کر کے لایا کرتے تھے۔ کورٹس ان داستانوں پر یقین رکھتا تھا کہ میکسیکو کی سرزمین کے نیچے قدیم خزانے چھپے ہوئے ہیں اور ان خزانوں کی مالیت پیغمبر سلیمان کے خزانوں کے برابر ہونی چاہیے۔ وہ بادشاہ کی حمایت حاصل کر کے ان خزانوں کا کھوج لگانا چاہتا تھا۔

میکسیکو میں قیام کے بعد چند ہی روز میں کورٹس کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔ اس نے بہانے سے

موکٹی زوما کو گرفتار کیا۔اس کے قلعے پر قبضہ کیا اور اسے بے دردی سے قتل کر دیا۔اس کے بعد قلعے کی تلاشی کے دوران اسے ایک میز ملی۔اس نے تاج ہسپانیہ کو اطلاع بھجوائی کہ اسے پیغمبر سلیمان کی میز کی طرز پر بنی ہوئی میز ملی ہے۔(Hassan,2020)

اب تاج ہسپانیہ نے بھی یقین کر لیا کہ میکسیکو قدرتی خزانوں کی آماجگاہ ہے۔حتیٰ کہ سپین کے عام باشندے بھی توقع رکھتے تھے کہ تمام ضروریات زندگی نیو ورلڈ سے درآمد ہو کر آئیں گی۔لیکن سب سے بڑا فائدہ تو انہیں نیو ورلڈ سے گرفتار ہونے والے غلاموں کی صورت میں ہوتا تھا۔

بعد ازاں کئی ایک آبادکار سلطنت ہسپانیہ سے چلے اور کورٹس کے اتحادی بن گئے۔وہ اپنے ساتھ بڑی تعداد میں عیسائی رضا کار لے کر چلتے تھے۔ہر مرد کو ہدایت ہوتی کہ وہ اپنے بیوی بچے، مال و اسباب اور جانور ساتھ لے کر چلے۔غیر شادی شدہ رضا کاروں کے لئے ضروری تھا کہ وہ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے شادی کریں۔ان اتحادیوں نے مل کر کیلیفورنیا تک کے تمام علاقے فتح کر لئے اور مقامی افراد کی ایک بڑی تعداد کو عیسائیت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔(Henry,1803)

سولھویں صدی کے اواخر تک چرچ کا دائرہ اختیار بہت بڑھ گیا تھا۔لہٰذا مشنریوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعے مقامی قبائل کے تبدیلی عقیدہ کے نئے پروگرام تشکیل دیئے۔1821 میں اگوالا پلان کے آرٹیکل دو کے تحت اعلان کیا گیا کہ میکسیکو کے تمام قبائل تاج ہسپانیہ کی فرمانروائی میں ہیں۔اس لئے میکسیکو کا سرکاری مذہب کیتھولک ہوگا۔اور میکسیکو میں رہنے والے ہر فرد کو عیسائی کیتھولک مذہب اختیار کرنا پڑے گا۔

## امریگو ویپوشی

امریگو ویپوشی وہ مہم جو تھا جس کے نام پر یونائٹڈ سٹیٹس آف امریکہ کا نام رکھا گیا۔وہ اٹلی کے عظیم الشان علمی مرکز فلورنس کا باشندہ تھا۔چودھویں صدی کے بعد فلورنس کو تجارت، صنعت و حرفت اور علم و ہنر کا اہم مرکز مانا جاتا تھا۔امریگو ایک تعلیم یافتہ اور دولتمند خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔وہ طبعی علوم، حساب اور زبان دانی کا ماہر تھا۔اس کے علاوہ اوائل نوجوانی میں ہی اس نے اپنے والد اور چچا سے نقشہ بینی، جغرافیہ اور کوسموگرافی (علم ترکیب کائنات) سیکھا تھا۔ان دنوں فلورنس میں ایک مشہور حکیم اور راہب رہتا تھا۔اس کے پاس قدیم اور جدید نقشہ جات کا نادر خزانہ موجود تھا۔امریگ اس راہب کے پاس چلا

جاتا اور اس کی لائبریری میں بیٹھ کر نقشوں کا مطالعہ کرتا رہتا۔ بعدازاں وہی مطالعہ سمندری مہمات کے دوران اس کے کام آیا۔ اس وقت مسلمان اور عیساؤں جنگوں کی وجہ سے پرتگال سے بلاواسطہ ہندوستان تک جانے کے راستے بند ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے امریگو نے پرتگالی سفیر کو پیغام بھیجا کہ افریقہ، یا پھر مغربی راستے سے بھی ہندوستان تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

1480 میں اس کے کزن نے فرانس کے بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی اور امریگو کو پرائیویٹ سیکریٹری کے طور پر اپنے ساتھ لے گیا۔ چند ہی سالوں کے بعد وہ پیرس سے سپین منتقل ہو گیا۔ سپین اس وقت جنگی بحران کا شکار تھا۔ حکومت یہودیوں کو تجارت یا دیگر باعزت پیشوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ یہی حال ان مسلمانوں کا تھا جنہیں عیسائی تو کر لیا گیا تھا۔ لیکن ان کی سماجی حیثیت کو قبول نہیں کیا گیا تھا۔ وہ معاشرے کے نچلے اور پسے ہوئے طبقے کے طور پر زندگی گزار رہے تھے۔ تاج ہسپانیہ دس سال سے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مصروف تھا اور عیسائی آبادی کا ہر دسواں مرد فوج میں بھرتی ہو گیا تھا۔ ان حالات میں غیر ملکی ماہرین کی خاص آؤ بھگت کی جاتی تھی۔ اور فلورنس کا تو ویسے بھی بہت بڑا نام تھا۔ اس کے علاوہ ان دنوں فرانس اور سپین کی چپقلش بھی جاری تھی۔ ہسپانیہ کے بادشاہ نے چند دوسری مملکتوں کے ساتھ مل کر کامن لیگ بنائی اور فرانسیسیوں کو بے دخل کرنا شروع کر دیا۔ دوسری جانب وہ اٹالین کو دوست رکھتا اور انہیں مراعات فراہم کرتا تھا۔ لہٰذا امریگو نے شاہی دربار میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا۔ اول اول اس نے سیول کے تاریخی شہر میں رہائش اختیار کی جسے روایات کے مطابق ہرکولیس نے آباد کیا تھا۔ بعدازاں جولیس سیزر نے اس کی دیوار بنائی اور کنگ فرڈیننڈ نے اس دیوار کی مرمت کروائی تھی۔

جب امریگو نے سپین میں رہائش اختیار کی تو اس وقت کرسٹوفر کولمبس کے خلاف شکایات کا سلسلہ چل رہا تھا۔ وہ قبائلیوں کے ساتھ ظالمانہ رویہ رکھتا۔ وہ مزاج کا اتنا تیز تھا کہ غصے میں اپنے حواس کھو بیٹھتا تھا۔ اور معمولی چپقلش کے نتیجے میں اپنے ہی ساتھیوں کے ساتھ بھی خونریز لڑائی پر اتر آتا تھا۔ لہٰذا امریگو کو 1496 میں کولمبس کے خلاف تحقیقات کے لئے مقرر کیا گیا۔ اس سفر کے دوران تمام راستے اس نے ستاروں کا مطالعہ کیا اور اپنی تحقیق کے مطابق طول بلد اور طول عرض نوٹ کئے۔ یوں اس نے نئے سمندری نقشے تیار کئے۔ البتہ مقامی لوگوں کو غلام بنانے کے سلسلے میں اس کا رویہ دوسرے مغربی مہم جوؤں سے مختلف نہ تھا۔ جب وہ اپنے پہلے سفر سے واپس آیا تو ایک جہاز مقامی غلاموں کا بھی بھر کر

ساتھ لایا اور انہیں تحفتاً "کنگ فرڈی نینڈ کو پیش کیا۔ اس نے خواہش ظاہر کی کہ وہ قطبین معلوم کرنا چاہتا ہے۔ تاج ہسپانیہ اس کی کامیابیوں سے خوش تھا۔ اسے مزید جہازوں کی پیش کش کی گئی۔ لیکن اسی اثنا میں اس نے اپنی وفاداریاں بدل لیں اور حکومت پرتگال سے جاملا۔ اس وقت پرتگال ہندوستان کی دریافت میں سپین سے آگے نکل چکا تھا۔ واسکوڈے گاما نے افریقہ اور کئی دوسرے مشرقی علاقے دریافت کر لئے تھے اور واپسی پر قیمتی مصالحے اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کا سفر کامیاب تصور کیا جاتا تھا۔ امریگو نے پرتگال کے بادشاہ ایمینوئل کی ملازمت اختیار کر لی اور پوپ کے ذریعے اپنا منصوبہ تاج ہسپانیہ تک پہنچا دیا۔ پرتگال کے جہاز سپین کے مقابلے میں بڑے، تیز رفتار اور جدید سہولیات سے آراستہ تھے۔ ان کا ڈسپلن سخت تھا۔ سپین کے سمندری جہازوں کا ماحول جاہلانہ ہوا کرتا تھا۔ ہر کس و ناقص سمندری جہاز پر نوکری اختیار کر سکتا تھا۔ اکثر مفرور افراد یا بھوکے لڑکے سمندری جہاز پر نوکری کے لئے گودی پر گھومتے رہتے تھے۔ انہیں بتایا جاتا تھا کہ جہاز پر گوشت اور شراب کی فراوانی ہوتی ہے۔ ان حالات میں سپین میں امریگو کے علمی ہنر کی قدر کرنے والا کوئی نہ تھا۔ دوسری جانب پرتگال کی سمندری مہمات اس کے مزاج کے مطابق تھیں۔ ان مہمات میں اس کا بنیادی مقصد جدید نقشہ جات کی تیاری اور ان کی مدد سے نئی زمینیں دریافت کرنا تھا۔

امریگو پرتگال سے نکلنے والا پہلا شخص تھا جس نے مغرب کی جانب سفر کیا۔ وہ روزانہ کے حساب سے ستاروں کا مطالعہ کرتا اور نقشہ جات تیار کرتا جاتا تھا۔ اس نے یونانی فلاسفر ٹولمی اور کولمبس دونوں سے زیادہ زمینی قطر کا نظریہ پیش کیا جو کہ حساب جدید نظریئے کے قریب ترین تھا۔ اسے اپنے سفر کے دوران گوسپاتے ڈاگامہ نامی یہودی کا بھی ساتھ حاصل ہوا جس نے مسلمانوں کے جہازوں میں کثرت سے سفر کیا اور چار مرتبہ بحیرہ ہند کراس کیا تھا۔ اور بحیرہ قلزم سے خلیج فارس تک گیا تھا اور دو مرتبہ انڈیا بھی جا چکا تھا۔ اس نے واسکوڈے گاما کے ساتھ بھی سفر کیا تھا۔ امریگو کے لئے وہ ساتھی بہت فائدہ مند ثابت ہوا۔ امریگو نے اس سفر میں کئی ایک نئے علاقے دریافت کئے جو ٹریٹی کے لحاظ سے حکومت پرتگال کی دسترس میں آتے تھے۔ بعد ازاں پرتگال نے وہ علاقے بھی اپنی تحویل میں لے لئے۔

امریگو نے نہ صرف سمندری سفر کے نئے نقشے تیار کئے، بلکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے امریکہ کو ایک نئے براعظم کے طور پر متعارف کروایا۔ اور اسے نئی دنیا کا نام دیا۔ اس نے واضح کیا کہ وہ ایک عظیم الشان براعظم تھا جو زمین کے چودہ فیصد حصے پر پھیلا ہوا تھا۔ اب دنیا کے نئے نقشے تیار ہوئے جن پر

ایک نیا براعظم نظر آنے لگا اور وہ تھا امریکہ۔ ٹریٹی کے مطابق امریکہ تاج ہسپانیہ کے حصے میں آیا۔ اس مہم کے بعد امریگو واپس سپین چلا گیا اور مغربی راستوں سے ہندوستان تک پہنچنے پر کام شروع کر دیا۔

امریکہ کا نام نہ صرف امریگو کی خدمات کو نظرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے بلکہ دوسرے براعظموں کے ناموں کی مناسبت سے بھی رکھا گیا تھا۔ یہ نام نہ صرف ایشیا، افریقہ اور آسٹریلیا کے ساتھ ملتا جلتا تھا بلکہ ان کے معانی سے بھی مطابقت رکھتا تھا۔ براعظم ایشیا کے نام لفظ آسو سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے ابھرتا سورج۔ براعظم یورپ لفظ ایریب سے اخذ کیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے ڈوبتا سورج۔ اسی طرح براعظم امریکہ کا نام جرمن لفظ املرچ سے اخذ کیا گیا، جس کا مطلب ہے کارکن یا وہ جو محنت کے ذریعے امارت حاصل کرے۔ یعنی کہ اس نام کے ذریعے امریکی عوام کو پیغام دیا گیا تم جتنی محنت کرو گے اتنے ہی امیر ہوتے چلے جاؤ گے۔ (Polni,1944)

جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا کہ تاج ہسپانیہ کی اصل قلم رو ملکہ ازابیلہ تھی۔ وہ تنگ نظر اور متعصب ملکہ تھی۔ اس نے تمام عمر دیگر مزاہب کے پیروکاروں کا جینا حرام رکھا۔ آیئے اس کے آخری انجام پر ایک نظر ڈالتے چلیں۔ صرف چون (سال) کی عمر میں اسے جسم میں پانی پڑنے اور پھولنے کا مرض لاحق ہو گیا۔ وہ بخار سے تپتی، پیاس اتنی شدید ہوتی کہ گویا کہ گلے میں کانٹے اگ آتے، لیکن وہ پانی نہیں پی سکتی تھی۔ اس کی نیند مکمل طور پر اڑ چکی تھی۔ خاندان کے افراد اور درباری اسے تڑپتا دیکھتے لیکن اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ آخر کار تنگ آ کر ملکہ نے پادریوں کو دعا سے منع کر دیا۔ اس کے بعد اس نے وصیت لکھوائی کہ افریقہ کے مسلمانوں اور جبرالٹر کے کافروں کے خلاف جنگ جاری رکھی جائے۔ اور اسے غرناطہ میں دفن کیا جائے جہاں اس نے مسلمانوں کو شکست دی، اور اپنی مملکت کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کی وصیت پر عمل کیا گیا۔ اتفاق دیکھئے کہ کچھ سالوں کے بعد کنگ فرڈینینڈ بھی اسی بیماری میں مبتلا ہوا جس میں ملکہ ہوئی تھی اور اس کی وصیت کے مطابق اسے ملکہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

ملکہ ازابیلا کی ذاتی زندگی ہمیشہ دشواریوں کا شکار رہی۔ اس کی چار بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ اس نے اپنے تمام بچوں کی شادیاں مسلمانوں اور یہودیوں کے خلاف عیسائی سلطنتوں کا سیاسی اتحاد حاصل کرنے کی خاطر کی تھیں۔ اس کی بڑی بیٹی ازابیلہ کی پہلی شادی پرتگال کے پرنس افانسو کے ساتھ ہوئی، لیکن افانسو ایک سال کے بعد وفات پا گیا اور اس کے چچا مینوئیل اول نے تخت سنبھال لیا۔ اس وقت تک ازابیلہ کے باپ فرڈینینڈ نے اس کا پورا جہیز نہیں دیا تھا۔ مینوئیل نے اس کے جہیز کا مطالبہ کیا اور

ازابیلا کو محل میں نظر بند کر دیا۔ آخر کار سات سال کے بعد جہیز کا معاملہ نپٹ گیا اور مینوئل اول نے ازابیلا کا ہاتھ مانگا۔ ملکہ اور بادشاہ فرڈیننڈ نے اس شرط پر اس کا رشتہ قبول کیا کہ وہ مسلمانوں اور یہودیوں کو پرتگال سے نکال باہر کرے گا۔ اس وقت مینوئل کئی قسم کی خواہشوں کا اسیر تھا۔ وہ اپنے آپ کو ایک عظیم صلیبی بادشاہ کے طور پر منوانا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ ازابیلا کے توسط سے وہ تمام آئبیریا کا بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ لہٰذا تاج ہسپانیہ کے مسلسل اصرار پر اس نے مسلمانوں اور یہودیوں کے انخلا کا حکم دے دیا۔ جس کی وجہ سے ہزاروں اموات ہوئیں، وبائیں پھوٹیں۔ اور پرتگال کی معیشت کو سنبھالنے والے دو بڑے گروہ افراتفری کا شکار ہو گئے۔ البتہ شادی کے ایک سال کے بعد ازابیلہ بچے کی پیدائش کے دوران وفات پا گئی۔ (Soyer,2007)

انفنٹا ماریہ ملکہ اور بادشاہ کے بچوں میں چوتھے نمبر پر تھی۔ وہ اس کی شادی سکاٹ لینڈ کے بادشاہ جیمس چہارم کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ازابیلا کی موت کے بعد ان کا ارادہ بدل گیا۔ مینوئل اول کو دوسری شادی کی ضرورت تھی۔ اور وہ ایک طاقتور اتحادی کے ہاتھ سے نکل جانے کے لئے تیار نہ تھے۔ اسی لئے انہوں نے دو سال کے اندر ماریہ کی شادی مینوئل اول سے کر دی۔

ماریہ نے مینوئل کے ساتھ سترہ سال گزارے۔ اس کے دس بچے پیدا ہوئے۔ جن میں سے دو وفات پا گئے۔ وہ خاموش طبع اور مذہبی طبیعت کی عورت تھی۔ گو کہ وہ اپنے وقت کے یورپ کی طاقتور ترین ملکہ تھی، لیکن اس نے کبھی بھی دربار کے معاملات میں مداخلت نہ کی۔ وہ اپنے آپ کو خانگی معاملات اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں مصروف رکھتی تھی۔ بادشاہ اس کی سنجیدہ طبیعت کی وجہ سے اس کی عزت کرتا تھا۔ البتہ مذہبی مہمات میں وہ ہر ممکن طریقے سے اپنے خاوند کا ساتھ دیتی تھی۔ مثلاً" مینوئل اول کی مملوک سلطنت کے ساتھ جنگ اور مکہ اور مدینہ کو تباہ کرنے کے منصوبے میں وہ متحرک رہی۔ (Harris,2017)

ملکہ ازابیلا اور بادشاہ کا ایک ہی بیٹا جون تھا۔ اکلوتا بیٹا اور ولی عہد ہونے کی وجہ سے وہ انتہائی لاڈلا تھا۔ اوائل عمر سے ہی اس کے والدین نے اس کی منگنی کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے تھے۔ لیکن کسی نہ کسی وجہ سے وہ منصوبے ناکام ہو جاتے۔ آخر کار 1497 میں اس کی شادی مقدس رومن بادشاہ میکس ملین اول کی بیٹی مارگریٹ سے ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی بہن ہوانا کی شادی مارگریٹ کے بھائی فلپ سے طے پائی۔ شادی کے ایک سال کے بعد شہزادہ جون ٹی بی کا شکار ہو کر وفات پا گیا۔ اس وقت

اس کی عمر صرف بیس (20) سال تھی۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ اس کی جوان سال موت کی وجہ ٹی بی کا مرض نہیں بلکہ کئی ایک دیگر بے اعتدالیاں تھیں۔ یاد رہے کہ شہزادہ جون کی بے وقت موت سے کچھ ماہ قبل ہی اس کی بہن ازابیلا کی موت واقع ہوئی تھی۔

ان کی پانچویں اولاد اور سب سے چھوٹی بیٹی کیتھرین کی شادی تاج برطانیہ کے ولی عہد آرتھر سے ہوئی۔ وہ تین سال کی عمر سے آرتھر کے ساتھ منصوب تھی۔ اس وقت وہ کامیاب ترین شادی تصور کی گئی کیوں کہ ہسپانیہ اور برطانیہ کا اتحاد فرانس کے خلاف فیصلہ کن ثابت ہوسکتا تھا۔ البتہ ولی عہد آرتھر شادی کے ساتویں ماہ ہی وفات پا گیا۔ دلگرفتہ کیتھرین سپین واپس آ گئی۔ اس نے ارادہ کرلیا تھا کہ وہ اس وقت کی کیتھولک روایات کے مطابق بھوکی رہے گی، یہاں تک کہ نیم جان ہو جائے۔ اور مرتے دم تک اپنے مرحوم خاوند کی موت پر گریہ کرے گی۔ لیکن چھ سال کے بعد اس کی شادی آرتھر کے چھوٹے بھائی ہنری ہشتم کے ساتھ ہوگئی۔ اب اس نے مشہور کیا کہ آرتھر کے ساتھ اس کی شادی کی آخری رسومات مکمل نہیں ہوئی تھیں اور وہ کنواری ہے۔ اس نے بادشاہ ہنری ہشتم کے ساتھ بیس (20) سال گزارے۔ اس عرصے میں ان کے پانچ بچے پیدا ہوئے لیکن وہ سبھی حمل کے دوران یا پیدائش کے فوراً بعد فوت ہو گئے۔ صرف ایک بیٹی ماریا بچی۔ اب بادشاہ کے لئے مشکل وقت تھا۔ اسے اپنی مملکت کے لئے ولی عہد کی ضرورت تھی۔ لیکن کیتھولک عقیدہ کے مطابق ایک بیوی کے ہوتے ہوئے وہ دوسری شادی نہیں کرسکتا تھا۔ لہٰذا اس نے پوپ کو شادی ختم کروانے کا پیغام بھجوایا۔ اس کا مدعا تھا کہ بائبل کے مطابق جو شخص اپنے بھائی کی بیوہ سے شادی کرے گا، وہ بے اولاد رہے گا۔ اس لئے کیتھرین کبھی بھی اسے ولی عہد نہیں دے سکتی۔

یہاں پر دو قسم کی اخبارات ملتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ چارلس پنجم نے فرانس پر حملہ کیا تھا۔ اور پوپ نظر بند تھا۔ لہٰذا اس تک پہنچنا دشوار تھا۔ دوسرا یہ کہ پوپ نے جواب بھجوایا لیکن ہنری کی طلاق کروانے سے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ کیتھرین کی شادی آرتھر کے ساتھ مکمل ہی نہیں ہوئی تھی، لہٰذا اب اسے ختم کروانے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس وقت نظر بند ہونے کے باوجود کیتھرین اپنے بھانجے چارلس پنجم کے ساتھ رابطہ رکھتی تھی۔ لہٰذا پوپ نے بادشاہ کے اثر میں آ کر ہنری ہشتم کو انکار کہلوا بھیجا تھا۔ بہر حال اس انکار نے کیتھولک عیسائیت کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ پوپ کا جواب موصول ہونے کے بعد ہنری ہشتم نے کیتھولک چرچ کے ساتھ اپنا تعلق توڑ لیا۔ اسے جدید دور کا موجد کہا جاتا ہے کیوں کہ اس کے بعد اس نے پروٹسٹنٹ فرقے کی معاونت کی اور گرجا گھروں، خانقاہوں اور پادریوں

کا زور توڑا۔ اب وہ اپنے فیصلوں کے لئے با اختیار تھا۔ اس نے کیتھرین کو پیغام بھیجا کہ وہ راہبہ بن جائے اور مذہب کی خدمت کرے۔ لیکن کیتھرین نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد دربار میں اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس پر مملکت کو ولی عہد نہ دینے اور بادشاہ ہنری کے ساتھ بے وفائی کا الزام لگایا گیا تھا۔ دربار کے فیصلے کے مطابق ہنری اور کیتھرین کی طلاق ہوگئی۔ اس کے آخری سال انتہائی کسمپرسی میں نظر بندی میں گزرے۔ اسے اپنی بیٹی سے ملنے یا اسے خط لکھنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ آخر طلاق کے تین سال بعد پچاس سال کی عمر میں اس کا انتقال ہو گیا۔

ملکہ ازابیلا اپنی اولاد کی شادیوں کے بل بوتے پر مسلمانوں کے خلاف یورپی اتحاد بنانا چاہتی تھی۔ لیکن تقدیر نے اس کے کچھ مظالم کا صلہ اس کی زندگی میں ہی دے دیا۔ اس نے اپنی زندگی میں ہی اپنی اولاد کی عائلی تکالیف اور کم عمری کی اموات دیکھیں۔ اس کی موت کے بعد اس کی صرف ایک بیٹی ہوانا بچی تھی جو شدید ذہنی امراض کا شکار تھی۔ اسی لئے تاریخ اسے ہوانا دیوانی کے نام سے یاد کرتی ہے۔ البتہ شاہی مفادات کے تحت اس کی شادی مقدس رومن بادشاہ میکس ملین کے بیٹے شہزادہ فلپ سے کر دی گئی تھی۔ ہوانا کا ایک ہی بیٹا چارلس پنجم تھا۔ ماں کی ذہنی حالت کی وجہ سے اسے ہمیشہ اس سے دور رکھا گیا۔ جب ملکہ کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے چارلس پنجم کو اپنا وارث قرار دیا۔ لیکن چارلس اس وقت کم عمر تھا۔ اس وجہ سے اس نے کنگ فرڈیننیڈ کو نائب ریاست مقرر کیا۔ تا کہ وہ چارلس کے جوان ہونے تک مملکت کے امور سنبھالے۔ البتہ ازابیلا کی موت کے بعد درباری امراء نے ملی بھگت سے ہوانا کے شوہر فلپ کو تخت پر بٹھا دیا۔ فلپ نے فرڈیننیڈ کو حکم دیا کہ وہ اپنی گزشتہ مملکت آریگون کو لوٹ جائے۔ فرڈی نینڈ نے بظاہر تو اس کے احکامات پر عمل کیا لیکن چند ہی ماہ میں خفیہ طور پر فلپ کو زہر دلوا کر مار ڈالا۔ اور یوں تاریخ میں اپنے ہی داماد کا قاتل مشہور ہوا۔ فلپ کی موت پر ہوانا مکمل پاگل ہوگئی اور فرڈی نینڈ کے حکم پر اسے محل میں نظر بند کر دیا گیا۔

فرڈی نینڈ کی موت کے بعد ہوانا کے بیٹے چارلس پنجم مقدس رومن بادشاہ کے عہدے پر فائز ہوا۔ ماں اور باپ دونوں کی جانب سے اسے وسیع و عریض، اور معیشت کے لحاظ سے مضبوط رومن سلطنت ورثے میں ملی تھی۔ اگر وہ چاہتا تو اپنی مملکت کی ترقی میں اضافہ کر سکتا اور عوام کو خوشحال زندگی گزارنے کا موقع دیتا۔ لیکن مذہبی شدت پسندی کی وجہ سے وہ تمام عمر عیسائی فرقوں، سلطنت عثمانیہ اور فرانس کے خلاف جنگیں لڑتا رہا۔ جنگ و جدل اس لمبے عرصے میں مغربی انڈیز سے لے کر آسٹریا تک کے قدرتی وسائل استعمال ہو

گئے۔ کانوں سے ضرورت سے زیادہ چاندی، تانبا، لوہا اور گریفائٹ نکال لیا گیا۔ خزانہ خالی ہو گیا۔ عوام تنگ دستی اور مہنگائی کا شکار ہو گئے اور اس کی سلطنت غیر معمولی قرضے کے بوجھ تلے دب گئی۔

عرصہ دراز تک انسانی جانوں سے کھیلنے والے چارلس پنجم کی صحت نے کبھی اس کا ساتھ نہیں دیا اس کا نچلا جبڑا پیدائشی طور پر باہر نکلا ہوا تھا اور چہرے کی وہ خرابی اس کی آئندہ نسلوں میں بہت بڑھ گئی تھی۔ اٹھائیس (28) سال کی عمر میں وہ گٹھیا کا شکار ہو گیا۔ گو کہ اس نے عمر کا بڑا حصہ اپنی وسیع و عریض مملکت کا سفر کرتے ہوئے گزارا، لیکن زندگی کے آخری سالوں میں وہ چلنے پھرنے سے معزور ہو چکا تھا۔ آخر اٹھاون (58) سال کی عمر میں وہ ملیریا کا شکار ہو کر اس دنیا سے چل بسا۔

یہاں پر اگر ہم ہسپانیہ کے مسلمانوں کا تذکرہ کریں تو بے جا نہ ہو گا۔ ملکہ ازابیلا اور کنگ فرڈیننڈ نے تاج ہسپانیہ پر قبضے کے فوراً بعد یہودیوں اور مسلمانوں کو حکم جاری کیا کہ یا تو وہ ملک چھوڑ دیں یا عیسائیت اختیار کر لیں۔ اس وقت بے شمار مسلمان کشتیوں میں بیٹھ کر افریقہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ جو وسائل میں کمی کے باعث ہجرت نہ کر سکے انہوں نے بظاہر عیسائیت اختیار کر لی۔ ان نو زائیدہ عیسائیوں کو مشنریوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اس وقت فرانس سے بھی کئی مشنری پارٹیاں ہسپانیہ میں داخل ہوئیں۔ ان میں سے ایک دی سوسائٹی آف جیسس یا جیسوئٹس بھی تھے۔ ہسپانیہ کے مسلمانوں میں بہت بڑی تعداد ان افراد کی تھی جو مسلمانوں کے دور حکومت میں اپنا مذہب عیسائیت سے تبدیل کیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان کی رگوں میں ایک ہزار سال سے مسلمان خون دوڑ رہا تھا۔ ان میں سے اکثریت نے ظاہری طور پر تو عیسائیت اختیار کر لی لیکن خفیہ طور پر اسلامی طور طریقے جاری رکھے، خصوصاً شادی بیاہ کی رسومات وغیرہ۔ لہٰذا عیسائی انہیں شک کی نگاہ سے دیکھتے اور تحقیر کے طور پر مور یا موریسکو کہتے تھے۔ سترھویں سے انیسویں صدی کی سلطنت ہسپانیہ کے زیر تسلط علاقوں میں آج بھی لفظ موریسکو تحقیر کے طور پر بولا جاتا ہے۔ ان کی املاک اور اموال چھین لئے گئے۔ انہیں باعزت روزگار کے مواقع بھی میسر نہ تھے اور شہر کے غریب ترین علاقوں میں رہائش اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ ایلائی لکھتا ہے کہ پندرہویں سے لے کر اٹھارویں صدی تک سلطنت ہسپانیہ میں موریسکو کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی، جتنی کہ تصور کی جاتی ہے۔ کئی ایک مسلمان جو افریقہ ہجرت کر گئے تھے، وہاں پر وسائل کی کمی کی بدولت پوشیدہ طور پر ہسپانیہ میں واپس داخل ہو گئے۔ (Eloy,2021)

اس وقت ہسپانیہ کی حکومتی اور مزہبی زبان ویلنسی تھی۔ جس میں ہسپانوی کے علاوہ لاطینی زبان

کے الفاظ بھی شامل تھے۔ دوسری جانب موریسکو کاسٹیلی بولتے اور لکھتے تھے۔ اس زبان میں عربی کے بے شمار الفاظ شامل ہو گئے تھے۔ حکومت نے کوشش کی کہ موریسکو افراد ویلنسی زبان اختیار کر لیں۔ لیکن وہ اتنے عرصے سے کاسٹیلی کے عادی تھے کہ ان کے لئے اسے ترک کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ اس معاملے میں حکومتی حلقوں اور موریسکو افراد کی چپقلش اتنی بڑھی کہ کئی ایک اصلاحی اور علمی اداروں کو بیچ میں پڑ کر مصالحت کروانی پڑی۔ اس وقت عبرانی کو دنیا کی قدیم ترین زبان تصور کیا جاتا تھا۔ رفاہ عامہ کی جو تحریکیں اٹھیں، ان میں سے کچھ نے عربی زبان ہر کام کیا اور اس حیرت انگیز نتیجے پر پہنچے کہ عبرانی نہیں بلکہ عربی دنیا کی پہلی زبان ہے۔ باقی ماندہ تمام زبانیں اس کی نسل سے ہیں۔ لہٰذا نتیجہ اخز کیا گیا کہ عربی مسلمانوں کی میراث نہیں بلکہ تمام زبانوں کی ماں ہے۔ ان تحقیقات کے نتیجے میں مذہبی حلقوں کا دباؤ کاسٹیلی زبان پر کچھ کم پڑ گیا۔

البتہ عرصہ دراز تک سلطنت ہسپانیہ میں موریسکو افراد پر زندگی تنگ رہی۔ لہٰذا جب مہم جوئی دنیا سر کرنے نکلے تو بہت سے موریسکو بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اب ہوا یوں کہ ایسے افراد جن کی رگوں میں ہزار سال سے زیادہ مسلمان خون دوڑ تا رہا تھا، انہوں نے نئی دنیا کو آباد کیا اور اس کی زمین چیر کر اس پر کھیتی باڑی کی۔ ان کی نسلیں اس سرزمین پر آباد ہوئیں، پھلی پھولیں اور اسے اپنا مسکن بنایا۔ آج شمالی امریکہ میں آباد ہسپانوی باشندے مذہب کے لحاظ سے عیسائی ہیں لیکن ان کی زبان، بعض روایات اور خصوصاً" ان میں سے اکثر کے نام عربی ہیں مثلاً" یاسمین، عمر، علی، زارا، جعفری، وغیرہ۔

اس کے علاوہ مسلمان ایک اور راستے سے بھی امریکہ میں داخل ہوئے اور وہ تھے افریقی غلام۔ دراصل کنگ فرڈینینڈ کے دور میں سمندری اخلاقیات کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ نو آبادکاروں کے لئے صرف مادی وسائل اہم تھے، جن کی مدد سے وہ عیسائی مملکتوں کا دائرہ کار بڑھا سکیں۔ انہیں فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ وسائل کس طریقے سے حاصل کئے گئے ہیں۔ لہٰذا جب مراکو، الجیریا یا افریقہ کے دوسرے مسلمان ممالک کے سمندری جہاز سپین کے قریب سے گزرتے تو ہسپانوی نیوی ان پر حملہ کرتی اور سارے عملے کو غلام بنا لیتی تھی۔ اب دوسری جانب کی لوٹ مار کا اندازہ لگایئے کہ سپین کے انہی جہازوں پر امریکہ کی ورجینیا کمپنی حملہ کرتی اور مسلمان غلام لوٹ کر لے جاتی تھی۔ بعد ازاں لوٹ در لوٹ کا یہی مال استعمال کر کے ورجینیا کے امیر ترین خاندان سامنے آئے۔ اٹھارویں صدی میں جب مسلمان دوبارہ سے طاقتور ہوئے تو ترکوں اور افریقہ کی دوسری مسلمان حکومتوں نے تاج ہسپانیہ کے ساتھ

سمندری معاہدوں پر دستخط کئے اور یوں ان کے جہازوں پر حملوں کا تدارک ہوا۔

اس زمانے میں چرچ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ دوسری پارٹی پر فروخت کرنے سے پہلے ہی ان غلاموں کو عیسائی بنا دیں۔ ان میں سے اکثر اپنی زندگی کو قدرے بہتر بنانے کے لئے اپنا مذہب تبدیل کر لیتے تھے۔ لیکن جو نہ کرتے، ان کے بچوں کو پیدائش کے فوراً بعد بپتسمہ کے ذریعے عیسائی بنا دیا جاتا تھا۔ والدین کو اختیار نہ ہوتا تھا کہ وہ زبردستی کے اس سودے پر اعتراض کر سکیں۔ اس وقت کے قوانین کے مطابق غلام اپنے مالک کا مال ہوتے تھے۔ میاں کو بیوی پر اور والدین کو بچوں پر کوئی اختیار حاصل نہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ غلام جب منڈی میں بکتے تو خریدنے والے کو کوئی سروکار نہ ہوتا کہ وہ خاوند کو بیوی سے یا نوزائیدہ بچے کو ماں سے الگ کر رہا ہے۔ مادہ پرستی اور بے حسی کا یہ عالم تھا کہ جب ان غلاموں کی عمر زیادہ ہو جاتی اور وہ سخت کام کاج کے قابل نہ رہتے تو انہیں ہسپتالوں یا سڑکوں پر چھوڑ دیا جاتا تھا، تاکہ ان کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام نہ کرنا پڑے اور وہ مانگ تانگ کر اپنا پیٹ بھر لیں۔ بالکل اسی طرح سے جیسے مال بردار گدھے یا گھوڑے کو پیرانہ عمری میں گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔ تاکہ ان کے کھانے پینے کا انتظام نہ کرنا پڑے اور وہ آوارہ پھر کر ادھر ادھر سے اپنا پیٹ بھر لیں۔ (Corrales,2021)

چودھویں صدی میں برطانوی آبادکار ورجینیا میں داخل ہوئے اور 1520 تک ورجینیا کا علاقہ ہسپانوی، پرتگالی، فرانسیسی، ڈچ اور برطانوی آبادکاروں سے بھر گیا۔ بنیادی طور پر وہ سونے کی تلاش میں تھے۔ لیکن اس میں ناکامی کے بعد انہوں نے زراعت اختیار کر لی۔ ورجینیا کی سرزمین تمباکو اور درختوں کے لئے انتہائی موزوں تھی۔ یہاں پر ہسپانوی تمباکو کاشت کیا جاتا، جس کی لنڈن کی منڈیوں میں بہت مانگ تھی۔ تمباکو کی کاشتکاری کی وجہ سے یہاں افریقی غلاموں کی خرید و فروخت کا آغاز ہوا۔ اس کے علاوہ نو آبادکاروں نے یہاں سے کثیر تعداد میں درخت کاٹ کر لندن بھجوائے کہ مقامی لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید لندن میں درخت ہی نہیں اگتے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ آبادکار اس مٹی کے ہر ذرے سے دولت کشید کر اپنے پیٹ کا دوزخ بھرنا چاہتے ہیں۔

جب برطانوی آبادکار ورجینیا پہنچے تو مقامی قبائل ہزاروں سال سے اس سرزمین پر آباد تھے۔ وہ زراعت کرتے، مچھلیاں پکڑتے اور کمبل بناتے تھے۔ انہی آباکاروں میں سے ایک کیپٹن جون سمتھ اپنی کتاب دی میپ آف ورجینیا، میں لکھتا ہے کہ اس سرزمین کے بیشتر علاقے زرخیز اور آباد تھے اور یہاں

انتہائی ہشیاری کے ساتھ کاشتکاری کی جاتی تھی۔ مقامی لوگوں کے پاس نہ تو کوئی ہتھیار تھا اور نہ ہی وہ پالتو جانور رکھتے تھے۔ اس کے باوجود وہ اپنا اور اپنی املاک کا دفاع کرنا جانتے تھے۔ لہٰذا جب سفید آبادکاروں نے ان کے کھیتوں سے اجناس چرائے اور ان کے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی تو انہیں سخت ترین مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ بتدریج ورجینیا کمپنی نے قوانین نافذ کئے کہ نو آبادکار کسی بھی علاقے پر قابض ہو کر وہاں رہائش اختیار کر کے غیر آباد زمینوں پر کاشت کاری کر سکتے ہیں۔ اسی قانون کے تحت سفید لوگ مقامی وحشی اور کافر لوگوں کو عیسائیت اختیار کرنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ اسی سلسلے میں ورجینیا کے اسسٹنٹ گورنر سر تھامس گیٹ نے مشنریوں کو ہدایت کی کہ قبائلیوں کے بچوں کو عیسائی بنائیں۔ اور اگر ان کے والدین مخالفت کریں تو بچے ان سے چھین لئے جائیں۔

1830 میں امریکی صدر اینڈریو جیکسن نے انڈین انخلا کا ایکٹ منظور کیا۔ اس ایکٹ کے تحت صدر امریکہ کو قانونی حق حاصل ہو گیا کہ وہ نئی آبادکاری کے منصوبے بنائے اور مقامی قبائلیوں سے ان کی ضرورت سے زیادہ علاقے خالی کروالے کیونکہ مقامی آبادی ان وسیع علاقوں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ دوسری جانب یورپی آبادکاروں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ ان کے پاس صنعت و حرفت اور زرعی ترقی کے وسائل بھی ہیں۔ جن کی وجہ سے امریکہ کی معاشی حالت کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ جب کہ مقامی قبائل صدیوں سے یہاں آباد رہنے کے باوجود بھی کوئی قابل ذکر ترقی نہیں کر پائے۔ حکومتی اداروں یا سفید آبادکاروں میں سے کسی نے بھی تسلیم نہ کیا کہ مقامی قبائل ان علاقوں کے قانونی مالک ہیں۔ وہ اپنا الگ مقام رکھتے ہیں۔ ان کا اپنا مذہب، تہذیب و ثقافت، معاشرتی ترقی کے اپنے اصول اور قوانین ہیں۔ ان کے مقامی قوانین کے مطابق زمین نہ تو بیچی جا سکتی تھی اور نہ ہی خریدی جا سکتی تھی۔ اور نہ ہی کسی کو اس کی زمین سے بے دخل کیا جا سکتا تھا۔ لیکن نو آبادکاروں کے نزدیک ان غیر مہذب افراد کی قدر و قیمت مال بردار جانور سے زیادہ نہ تھی۔ وہ تو بس یہی جانتے تھے کہ:

زمین کو زیر تسلط کرو۔ اس پر آباد ہو جاو۔ پھلو پھولو اور اسے بھر دو (جینیسس 1:28)۔

لہٰذا ان کا خیال تھا خدا کی ساری زمین کے بس وہی مالک ہیں۔

بہر حال انڈین انخلا کے ایکٹ کے تحت قبائلی سرداروں سے معائدوں پر دستخط کروائے گئے اور انہیں یقین دلایا گیا کہ نئی آبادیوں میں انہیں قانونی، معاشی اور معاشرتی تحفظ حاصل ہو گا۔ حکومت ان علاقوں میں سکول، ہسپتال، پولیس اسٹیشن اور زندگی کی دوسری سہولیات میسر کرے گی۔ لیکن کئی ایک

قبائل کے سرداروں نے ان معائدوں پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔اس کے باوجود سرکاری اداروں نے ایک دہائی کے اندر ان کے علاقے خالی کروالئے۔وہ ایکٹ ایک بڑا منصوبہ تھا۔اس ایکٹ کے تحت پورے امریکہ کی نوآبادکاری کے منصوبے تشکیل پانے تھے۔مزید یہ کہ اس کے پاس ہونے کی صورت میں قبائلیوں کی جانب سے مزاحمت اور حتیٰ کہ جنگوں کا بھی خطرہ تھا۔لہٰذا اس ایکٹ کی منظوری میں تیس سال کا عرصہ لگا۔اس عرصے میں پیش کی گئی چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔

(The Library of Congress.https //:www.loc.gov.bib.ourdocs..)

1831 میں کمشنر آف انڈین ٹریٹیز الفریڈ بیلچ نے پریزیڈنٹ اینڈریو جیکسن کو ایک خط میں لکھا کہ:

یہ ان پڑھ جنگلی قبائل سفید آبادیوں کے آس پاس آزاد نہیں پھر سکتے۔

ایکٹ کی منظوری کے موقع پر امریکی صدر اینڈریو جیکسن نے کہا کہ:

میں انتہائی خوشی کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ ہماری تیس سالہ محنت شاقہ کام آئی۔اور آج ہم انڈین کے انخلاء کا بل منظور کر رہے ہیں۔اس طرح یہ قبائل سفید آبادیوں سے دور ہو جائیں گے۔اس کے علاوہ حکومتی اداروں اور قبائلیوں کے درمیان مزاحمت میں بھی خاطر خواہ کمی واقع ہوگی۔تہذیب یافتہ افراد کے ہاتھوں میں وسیع علاقے آجائیں گے جو اس وقت وحشی شکاریوں نے گھیرے ہوئے ہیں۔انڈین کے انخلاء کی وجہ سے امریکی سٹیٹس تیزی کے ساتھ ترقی کریں گی۔یہ انخلاء نہ صرف سفید آبادیوں کے لئے بلکہ قبائلیوں کے لئے بھی فائدہ مند ثابت ہوگا۔انہیں موقع مل جائے گا کہ وہ حکومتی اداروں کی مدد سے عیسائیت اختیار کریں اور اچھے شہری بنیں۔

(Library of Congress Research Guides.https //:guides.loc.gov.Indianremovalact)

حکومتی ادارے تقریباً دس سال تک انہیں دستخط کرنے پر مجبور کرتے رہے۔تاہم آخر کار ان باقی ماندہ قبائل کو زبردستی دریائے مسی سپی کے مغرب میں دھکیل دیا۔اس انخلاء میں اتنے قبائلیوں کی اموات ہوئیں کہ تاریخ اس المیہ کو آنسوؤں کی پگڈنڈی کے نام سے یاد کرتی ہے۔(Micheal)

## عیسائی چرچ اور عیسائیت کا اجراء

سولھویں صدی عیسائیت کی تبلیغ اور اجراء کی صدی تھی۔خصوصاً برطانیہ کے پادریوں کا خیال تھا کہ صرف عیسائیت ہی دین حق ہے۔اور اب جب مملکت خداداد کا وقت قریب آگیا ہے تو ہر ممکن طریقے

سے دنیا بھر میں عیسائیت کے اجراء کی کوششیں کرنی چاہئیں۔ان مشنریز میں ایک اہم نام ہسپانوی رئیس اگنیٹیئس لویولا کا ہے۔اس نے اپنی تمام دولت اور کوشش مسلمانوں اور کافروں کو عیسائی کرنے پر لگادی۔اس نے یونیورسٹی آف پیرس میں ملازمت اختیار کی اور دی کمپنی آف جیسس کے نام سے ایک سوسائٹی تشکیل دی۔اس کا شاگرد فرانسز زیویر اس کی شخصیت سے بہت متاثر تھا۔اس نے کئی ایک زبانوں پر عبور حاصل کیا اور ہندوستان روانہ ہوگیا۔اس نے ہندوستان کے علاوہ پچاس جزائر اور دیگر ممالک کا سفر اختیار کیا اور لاتعداد باشندوں کو عیسائی بنایا۔(Joseph.1798)

ان میں سے چند مشنریوں کا خیال تھا کہ مزہب اسلام عیسائیت کے بہت قریب ہے۔اس لئے مسلمانوں کو حقیقی نجات کا راستہ دکھانا اور عیسائی بنانا بہت آسان ہوگا۔اس سلسلے میں ڈاکٹر وائٹ کا آکسفورڈ یونیورسٹی میں دیا گیا خطاب دلچسپی سے خالی نہیں۔اس نے کہا کہ وہ ایک خدا، قیامت، جنت اور جہنم پر یقین رکھتے ہیں۔وہ مذہب ابراہیمی سے ہیں اور حضرت موسیٰ کی نبوت پر یقین رکھتے ہیں۔ان کے اور عیسائیت کے درمیان اتنا کچھ ملتا جلتا ہے کہ انہیں عیسائی بنانا بہت آسان ہوگا۔اگر ہم نے یہ فریضہ انجام نہ دیا تو خدا دوسروں کو اس کام پر مقرر کردے گا۔ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ دی ریویلیشنز اور میتھیو میں کہا گیا ہے کہ آخری زمانوں میں خدا کا پیغام ہر علاقے اور قوم تک پہنچے گا۔ہمیں چاہئے کہ ہم ترکوں، تاتاریوں، ایرانیوں اور افریقہ کے مختلف علاقوں تک تبلیغی سرگرمیاں پھیلا دیں۔(Sutcliffe,1798)

مسٹر وائٹ نہیں جانتا تھا کہ مسلمان نہ صرف راسخ العقیدہ بلکہ مضبوط ترین ثقافت کے حامل بھی ہیں۔ان کے عقائد کی اہم ترین بنیاد خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ کی رسالت ہے۔جبکہ عیسائیت سے یہ دونوں عقائد منہا کردیئے گئے تھے۔لہٰذا مسلمان گورے تبلیغیوں کے لئے لوہے کے چنے ثابت ہوئے اور گورے مشنری کسی ایک مسلمان کو بھی عیسائی نہ بنا سکے۔شاید اسی لئے وہ ہمیشہ مسلمانوں اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں سے خار کھاتے تھے۔

1609 میں جیسوئیٹ رومن کیتھولک سوسائٹی کے مشنری پہلے ہسپانیہ اور اس کے بعد امریکہ کے مختلف علاقوں میں داخل ہوئے۔انہیں حکومتی اداروں اور فوج کی سرپرستی حاصل تھی۔مقامی قبائلیوں کے عیسائیت اختیار کرنے کے ہزاروں قصے عام ہیں۔کچھ قبائل نے تو مشنریوں کے حسن سلوک سے متاثر ہوکر اور ترقی کے مواقع حاصل کرنے کے لئے عیسائیت اختیار کرلی۔لیکن ان میں سے زیادہ تر نے اپنے طریقے درپردہ طور پر جاری رکھے۔اس دور میں تبلیغی جنت اور دوزخ کے فارمولے پر عمل کرتے

تھے۔یعنی عیسائیت اختیار کرو گے تو جنت، ورنہ جہنم کا نوالہ بن جاؤ گے۔اس وقت مشنری مقامی افراد کی زبان اور طور طریقوں سے زیادہ واقفیت نہ رکھتے تھے۔لہٰذا وہ انہیں عیسائیت کی گہری تعلیم نہ دیتے تھے۔ان کا خیال تھا ان غیر تعلیم یافتہ افراد کے لئے اپنے سینے پر کراس بنا کر جیسس جیسس کہہ دینا ہی کافی ہے۔اس کے علاوہ ان کا مطالبہ تھا کہ قبائلی اپنی شادیاں چرچ میں رجسٹر کروائیں تا کہ آبادکاروں کو رجسٹریشن کی رقم ملتی رہے۔لیکن اکثر قبائلی چرچ میں اپنی شادیاں رجسٹر نہ کروانے کے لئے نت نئے بہانے تراشتے تھے۔اس وقت مشنری جنت اور جہنم کا فارمولہ استعمال کرتے تھے۔یعنی کہ عیسائیت قبول کرو گے تو جنت میں جاؤ گے، ورنہ جہنم میں پھینک دیئے جاو گے۔مصنف ہنری (1803) اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ پیش کرتا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ جب ہیٹی کے ایک سردار کو جنت اور جہنم کا فارمولہ بتایا گیا تو اس نے دریافت کیا کہ کیا جنت میں ہسپانوی بھی ہوں گے؟ اسے جواب ملا یقیناً" جو ہسپانوی نیکوکار ہوں گے وہ جنت میں جائیں گے۔اس نے بغیر سوچے سمجھے عیسائیت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ دوبارہ اتنے ظالم لوگوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔

البتہ بہت سے قبائلی ایسے بھی تھے جنہوں نے سرے سے نے اپنا آبائی مذہب چھوڑنے سے انکار کر دیا اور کشیدگی اتنی بڑھ گئی کہ مشنریوں کو کچھ مقامات پر قلعے تعمیر کروانے پڑے، جہاں وہ فوج کی معیت میں رہتے تھے۔البتہ ان سب کا رویہ مقامی قبائلیوں کے ساتھ ایک جیسا نہیں تھا۔اکثر مشنری مقامی افراد کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔ایسے ہی چند مشنریوں کی رپورٹس کی بدولت نو آبادکاروں کے مظالم بھی سامنے آئے۔مثلاً" سانتافی کے علاقے سے ایک فرانسسکن مشنری نے میکسیکو کے وائسرائے کو لکھا کہ:

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سانتافی سر کرنے کی مہم جس شخص کے ہاتھ میں دی گئی اس کے پاس وسائل کی شدید کمی تھی۔بہت جلد اس کے فوجیوں کی خوراک ختم ہوگئی۔اور انہوں نے مقامی لوگوں کے مکئی کے کھیت تباہ کرنے شروع کر دیئے۔مکئی ان لوگوں کے لئے مقدس ہے کیونکہ یہ ان کی معیشت کا واحد ذریعہ ہے۔فوجیوں نے نہ صرف کھیت تباہ کئے بلکہ کئی سالوں کا ذخیرہ کیا ہوا اناج بھی کھا گئے۔اس کے بعد ان سے مطالبہ کیا کہ جزیہ کے طور پر انہیں کمبل دیں۔اب ان لوگوں کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی بستی چھوڑ کر پہاڑوں پر بھاگ جائیں۔اور وہاں سے ان پر حملہ آور ہوتے رہیں۔اگر ہسپانوی جتھے مقامی لوگوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے اور مدد کی درخواست کرتے تو وہ ان کی ہر

ممکن مدد کرتے۔لیکن یہاں تو لوٹ مار مچادی گئ۔اب اگر ہم سے امید رکھی جاتی ہے کہ ان حالات میں قبائیلیوں میں عیسائیت کا پرچار کریں تو ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔(William,n.d)

اسی طرح روجر ولیم،جس نے روڈ آئ لینڈ میں امریکی حکومت کی بنیاد رکھی،وہ میساچوسٹس کے جنرل کورٹ کو لکھتا ہے کہ،

آپ مجھے مقامی قبایوں کا حمایتی کہیں یا کچھ بھی۔لیکن میں کہوں گا کہ کیا ہم تمام انگریز جنہوں نے اس سرزمین پر قدم رکھا،انہیں اپنے آبائ وطن سے ظلم و جور کے ساتھ نہ نکالا گیا تھا؟اور اس کے بعد خدا نے قبائیلیوں کے دلوں میں ہمارے لئے محبت پیدا کی جو ہم اپنے وطن میں کھو چکے تھے۔اور وہ آج تک ہمارے ساتھ تعلقات رکھتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں۔افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نیو انگلینڈ میں انہی بے گناہ لوگوں کا قتل کیا جارہا ہے۔مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ہم معصوم افراد کا قتل کس طرح کر سکتے ہیں؟(Bartlett,n.d)

اس کے علاوہ شمالی امریکہ کے شمال مغرب میں واقع الاسکا سٹیٹ کی سرحدیں روس سے ملتی ہیں۔ اٹھارویں صدی میں جب روسی مشنری الاسکا میں داخل ہوئے تو انہوں نے مقامی مزہب میں بائبل کی چند نشانیاں دیکھیں۔مثلاً یہ کہ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ ساری انسانیت ایک عورت اور مرد سے پھیلی ہے۔لہٰذا سب انسان ایک دوسرے کے بھائ ہیں۔یا یہ کہ یہ دنیا عظیم الشان اور ہر قسم کا علم رکھنے والے خالق نے بنائ ہے۔آغاز میں نہ دن تھا نہ رات۔خالق نے ایک تنکے میں پھونک ماری اور زمین پانی سے ابھر کر سامنے آگئ۔اس زمین پر معتدل موسم تھا۔نہ شدید سردی نہ گرمی،اور نہ ہی طوفان آتے تھے۔بس ایک خوشگوار بادِ نسیم چلتی تھی۔ہر جانب امن تھا۔انسان صحت مند زندگی گزارتے اور ان کی عمریں طویل ہوتی تھیں۔نہ نفرت تھی نہ حسد۔لیکن جیسے جیسے انسانوں کی تعداد بڑھتی گئ تو زندگی گزارنے کے ذرائع کم ہوتے گئے۔اس کے ساتھ اختلافات پیدا ہوئے اور جنگیں برپا ہوئیں۔لوگ ایک دوسرے سے دور ہوئے اور قبائل وجود میں آئے۔(Kingston,1978)

## انیسویں/بیسویں صدی میں امریکی اصلاح کاروں کی تحریکیں

1844 کو بعض تاریخ دان دی اہئر آف لارڈ کہتے ہیں۔کیونکہ قیامت صغریٰ اور ہزار سالہ مملکت خداداد کے بارے میں جتنی تحریکیں اس سال سامنے آئیں اس سے پہلے کبھی نہ آئ تھیں۔عیسائ

پادریوں کا خیال تھا نئی سرزمین امریکہ مملکت خداداد کے قیام میں اہم کردار عطا کرے گا۔اسی لئے یورپ کے کئی ایک ممالک سے لوگ ہجرت کر کے امریکہ آئے تھے۔اس موضوع پر دسیوں کتابیں لکھی گئیں۔جن میں امریکہ کو صیہون کا پاسدار اور دی ملینیم کی سرزمین قرار دیا گیا۔انہی دنوں سینائی کی پہاڑی کے دامن سے سینٹ کیتھرین کی خانقاہ دریافت ہوئی۔اس خانقاہ سے عہد قدیم اور جدید کے ہزاروں مخطوطے دریافت ہوئے۔اور بائبل کے مطالعے کو نیا محرک ملا۔

وہ مذہبی جوش و جزبہ کا ایسا دور تھا جب عیسائیت میں کئی ایک نئے فرقے پیدا ہوئے۔جن میں دی چرچ آف سیونتھ ڈے اہم تھا۔ان کا خیال تھا کہ عہد عتیق میں بیان کئے گئے سات دن سات ہزار سال کے برابر ہیں۔اب ساتواں ہزار شروع ہو چکا ہے۔ایک صدی پہلے یعنی کہ 1780 میں نیو انگلینڈ میں سیاہ دن نمودار ہوا تھا۔جب سورج چھپ گیا اور تمام علاقہ گھور اندھیری رات کی مانند سیاہ ہو گیا۔اس سیاہ دن کو بائبل میں دی گئی آخری نشانی سمجھا گیا۔اس کے بعد 1833 میں شہاب ثاقب زمین پر گرے۔انہیں میتھیو 24:29 میں دیئے گئے زمین پر گرتے ستاروں سے تشبیہ دی گئی۔تب قیامت صغریٰ برپا ہونے کا اس قدر خوف پیدا ہو گیا تھا کہ بعض پادریوں نے پیچیدہ حسابات کے ذریعے قیامت صغریٰ کی گھڑی بھی مقرر کر دی تھی۔

اسی عرصے میں بہت سے اصلاح کار بھی محرک ہوئے اور ایسے وژنری سامنے آئے جنہوں نے عالم ادراک میں قیامت صغریٰ یا حضرت عیسیٰ کا ظہور دیکھا۔انہی میں سے ایک ولیم ملر تھا۔جس نے دی میسنز میں شمولیت اختیار کی اور اعلیٰ عہدے تک پہنچا۔1816 میں اس نے اپنے آپ کو یسوع مسیح کے بہت قریب محسوس کیا۔اس نے پیشن گوئی کی کہ حضرت عیسیٰ کے ظہور سے پہلے مملکت خداداد کی تیاری کا انتظام کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔1843 میں زمین آگ کے ذریعے تباہ ہو جائے گی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نئی زمین تشکیل دے گا۔1826 میں اس نے ایک دہلا دینے والا خواب دیکھا۔اس نے یسوع مسیح کا خون ریل کی پٹڑی پر بہتے ہوئے دیکھا۔جبکہ کراس اور ان کا لباس خون میں ڈوبا ہوا تھا۔اسی خواب میں اسے ایک کتاب دی گئی۔جب اس نے کتاب کھولی تو اسے یسیعا 48:17 نظر آئی،جس میں لکھا تھا کہ میں تمہارے راستے پر تمہاری رہنمائی کروں گا۔اس کے بعد اسے جنت الفردوس کا نظارہ کروایا گیا۔

جب 1831 میں اس نے باقائدہ خطبات کا آغاز کیا تو گرجا گھروں نے اس کے لئے اپنے دروا کر دیئے۔اس کے بعد اس نے حضرت عیسیٰ کے ظہور اور مملکت خداداد کے موضوع پر کئی ایک مضامین

لکھے۔اس کے ہزاروں معتقد اور مخالفین تھے۔اس نے علم حروف کی مدد سے کتاب دانیال اور دی ریویلیشنز سے حساب لگایا کہ حضرت عیسیٰ کا ظہور 1843 اور 1844 کے درمیان ہو جائے گا۔1843 کے مارچ میں آسمان پر پورے ماہ ایک دمدار ستارہ نمودار رہا۔ جسے الوہی اسرار سمجھا گیا۔لیکن وہ سال بغیر کسی غیر معمولی واقعے کے گزر گیا۔گو کہ اس نے اعتراف کیا کہ اس سے حساب میں غلطی ہوگئی تھی۔ لیکن اس کا اعتراف پیروکاروں کا نقصان پورا نہ کر سکا۔اس کے عقیدت منداس پر اندھا دھند یقین رکھتے تھے۔سینکڑوں لوگ اپنی نوکریاں چھوڑ کر قیامت صغریٰ اور اس کے بعد قائم ہونے والی مملکت خداداد کے انتظار میں بیٹھ گئے تھے۔جب دنیا اپنے انجام کو پہنچ گئی تو نوکری کا کیا فائدہ؟

قیامت صغریٰ برپا نہ ہونے کی صورت میں انہیں دھچکا تو لگا ہی،لیکن معاشی مصیبت اس سے بھی بڑی پریشانی ثابت ہوئی۔ان کا روزگار اتنی آسانی سے تو بحال ہو نہیں سکتا تھا۔لہٰذا مسلسل بے روزگاری اور مایوسی کی وجہ سے ذہنی ابتری،حتیٰ کہ جرائم،قتل وغارت اور خودکشی کا رجحان بھی بڑھ گیا۔اب اس نے انہی کتب سے دوبارہ حساب لگایا اور ظہور کی نئی تاریخ مقرر کی۔لیکن افسوس کہ اس کا دوسرا حساب بھی غلط نکلا اور وہ تاحیات ظہور کا سورج ابھرتا ہوا نہ دیکھ سکا۔1849 میں اس کا انتقال ہو گیا۔اس کی وصیت کے مطابق اس کی قبر پر لکھا گیا کہ،

دنیا کا خاتمہ اس کے مقررہ وقت پر ہوگا۔(Wassinger,2011)

## وژنری جوزف سمتھ اور مورمون فرقہ

شمال مشرقی امریکہ کا رہنے والا جوزف سمتھ انیسویں صدی کا مشہور مستقبل بین تھا۔مغربی لٹریچر اسے نئے زمانوں کے پیغمبر کے طور پر یاد کرتا ہے۔الحمدللہ کہ مسلمان ہونے کے ناطے ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اشارتاً بھی کسی کو پیغمبر نہیں کہتے۔البتہ اس کی ہسٹری کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ وہ انتہائی طاقتور شخصیت کا مالک تھا۔اس کی ذات میں الہامی اور استدراجی قوتیں پائی جاتی تھیں۔لیکن انہی الوہی طاقتوں کی بدولت جب اسے شہرت،دولت اور اقتدار حاصل ہوا تو وہ شیطانی ہتھکنڈوں کا شکار ہو گیا۔

گو کہ اسے الہام ہوا تھا کہ:

اگر وہ خدا کی ہدایت ماننے کی بجائے اپنی طاقت پر غرور کرے گا اور اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرے گا۔تو عزاب الٰہی کا شکار ہو کر ذلت کے عمیق گڑھے میں جا گرے گا۔(II.2 ڈی اینڈسی)

جوزف سمتھ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔اس کے نفس عمارہ نے اسے اتنا گمراہ کیا کہ آخر کار وہ شرک کا مرتکب ہوا اور گناہ کے گہرے گڑھے میں گر کر عبرت ناک انجام کو پہنچا۔

جوزف 1805 میں امریکہ کے علاقے ورمونٹ میں ایک غریب کسان کے ہاں پیدا ہوا۔ بعد ازاں اس کا خاندان نیو یارک منتقل ہو گیا۔اس زمانے میں نیو یارک نت نئی مذہبی اور علمی تحریکوں کا گڑھ تھا۔جس کی وجہ سے عیسائیت کئی ایک فرقوں میں بٹ چکی تھی۔وہ اوائل عمر سے عیسائی فرقوں کی کثرت سے بیزار تھا۔لڑکپن سے ہی اس نے اپنی زبردست قوت ادراک کی بدولت آس پڑوس کے افراد میں مقبولیت حاصل کر لی تھی۔وہ کھلے میدانوں اور وادیوں میں زیر زمین پانی کے ذخائر ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ اسی سلسلے میں ایک کاشتکار نے اسے زیر زمین چاندی کے خزانے دریافت کرنے کے لئے اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔

اس کی عمر صرف چودہ سال تھی جب اس نے عالم استغراق میں دو ہستیوں کا نظارہ کیا۔ایک کو وہ حضرت عیسیٰ اور دوسری ہستی کو آسمانی باپ کے نام سے یاد کرتا ہے۔اس کے بعد اٹھارا سال کی عمر میں اس نے مورمونی نامی ایک فرشتے کا نظارا کیا۔مورونی نے اسے قریبی پہاڑی کیومورا میں دفن شدہ سونے کی تختیوں کا پتا دیا۔وہ تختیاں لکڑی کے بکسے میں بند تھیں۔اسی بکسے میں دو پتھر بھی تھے۔جوزف سمتھ کو بتایا گیا تھا کہ ان پتھروں کی مدد سے وہ تختیوں پر لکھی تحریر پڑھنے کے قابل ہو جائے گا۔جوزف کے مطابق وہ تختیاں قدیم مصری زبان میں کندہ تھیں۔وہ معمولی تعلیم یافتہ انسان تھا اور بمشکل انگریزی زبان کے چند جملے پڑھ سکتا تھا لیکن لکھنے اور حساب سے نابلد تھا۔لہٰذا اپنی کتاب لکھوانے کے لئے اسے کاتب کی ضرورت پڑتی تھی۔اول اول اس کی بیوی ایما اور بھائی اس کی کتاب قلم بند کرتے۔تاہم اس کے الہامات کے قصے جلد ہی مشہور ہو گئے۔اور آس پاس کے علاقوں کے لوگ اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے لگے۔اس کے مخیر پیروکار اولیور کوڈری نے کتاب قلم بند کرنے کا ذمہ لیا۔اور مکمل ہونے پر اس کی اشاعت کے اخراجات بھی برداشت کئے۔دراصل جوزف کے بیان کے مطابق اسے اولیور کو کاتب مقرر کرنے کا الہام ہوا تھا۔دی بک آف مورمون کی اشاعت کے بعد اس کی شہرت میں مزید اضافہ ہوا۔اور ہزاروں کی تعداد میں پیروکار اس کے گرد اکٹھے ہونے لگے۔یہیں سے اس کے فرقے دی چرچ آف لیٹر ڈے سینٹس (آخری دنوں کے سینٹس کا چرچ) کا آغاز ہوا۔البتہ عام طور اس کے فرقے کو مورمونز کہا جاتا ہے۔اسی چرچ کی کاوشوں کی وجہ سے 1830 میں اس کی کتاب دی بک آف

مورمون، چھپ کر سامنے آئی۔ بعدازاں اس کا ترجمہ بیاسی (82) زبانوں میں کیا گیا۔ اس کتاب میں اس نے اپنی استدراجی قوتوں کی بنا پر ماضی بعید اور مستقبل کی خبریں دی تھیں۔

روز اول سے اس کا مقصد صیہون کا مقدس شہر آباد کرنا تھا۔ اس کے مطابق حضرت عیسیٰ کی واپسی قریب تھی۔ اور ان کے مشن کی کامیابی کے لئے پہلے سے تیاری کرنا ضروری تھا۔ دی بک آف مورمون کے باب 29 میں وہ حضرت عیسیٰ کی زبان میں اپنا الہام اس طرح بیان کرتا ہے کہ:

میں آسمانوں سے شان اور طاقت کے ساتھ نمودار ہوں گا، اپنے ساتھیوں کے ہمراہ۔ اور پرہیزگاروں کے درمیان رہوں گا۔ ایک ہزار سال تک میری حکومت ہوگی۔ اور کوئی گنہگار باقی نہ بچے گا اور بارہ حواری میرے ساتھ ہوں گے۔ اور بنی اسرائیل کی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔ بلند صور پھونکا جائے گا جس کی گونج دیر تک باقی رہے گی۔ زمین زلزلے سے کانپے گی۔ آسمان پر نشانیاں نظر آئیں گی۔ ژالہ باری فصلوں کو تباہ کر دے گی۔ گناہگاروں کے گرجا گھر تباہ ہو جائیں گے۔

یا یہ کہ:

حنوک کا صیہون میرے سینے میں آباد ہے۔ میں تمہیں وعدہ کی گئی زمین دوں گا۔ جس میں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہوں گی۔ تم دنیا کے متمول ترین لوگ ہو گے۔

ایک اور مقام پر وہ لکھتا ہے کہ حضرت یعقوب اور یوسف کی نسل سے ایک مسیحا آئے گا۔ اس کا نام پیغمبر یعقوب کے نام پر ہوگا۔ اور اپنے دادا کے نام پر بھی۔ وہ یسوع مسیح کا پیشرو ہوگا اور حضرت موسیٰ جیسی حکومت قائم کرے گا۔

اس کتاب میں اس نے 600 قبل از مسیح میں دو بنی اسرائیلی قبائل کی بابل سے ہجرت اور امریکہ میں قیام کی داستان بیان کی۔ اس کے مطابق امریکہ کے مقامی باشندے انہی دو قبیلوں کی نسل سے تھے۔

جوزف سمتھ پرجوش، متحرک اور انتہائی بااثر لیڈر تھا۔ اپنے مختصر کیریئر (1844-1830) میں اس نے تین شہر آباد کئے۔ دریائے مسوری اس کا پہلا ٹھکانا تھا۔ 1831 میں اسے الہام ہوا کہ میں نے اپنے لوگوں کو میسوری کی سرزمین عطا کی ہے۔ اپنے گھر بار چھوڑ دو۔ اور ہجرت اختیار کرو۔

لہٰذا وہ اپنے پیروکاروں کو لے کر مسوری کی جیکسن کاونٹی میں آباد ہو گیا۔ اس کی شہرت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ امریکہ اور یورپ سے اس کے پیروکار اپنا گھر بار چھوڑ کر اس کے بسائے ہوئے مقدس شہر میں آباد ہونے لگے۔ اس کا کہنا تھا کہ مملکت خداداد کی تیاری کے لئے میسوری شہر کو مرکزی حیثیت حاصل

ہوگی۔ بعدازاں اس کے آس پاس دوسرے شہروں کا جال بچھا دیا جائے گا۔

آس پاس کی کیتھولک آبادیوں نے کبھی بھی مورمونز کو برداشت نہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ جوزف نے عیسائیت میں ایک نیا فرقہ قائم کیا ہے، جو سراسر جھوٹ اور فراڈ پر مبنی ہے۔ وہ اس کے الہامات کو غلو تصور کرتے اور مورمون رسومات سے نفرت کرتے تھے۔ اسے الہام ہوا تھا کہ مورمون مرد ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتے ہیں۔ یہ روایت کیتھولک فرقے کے افراد کے لئے ناقابل قبول تھی۔ اس سلسلے میں اس کے خلاف مقدمات درج کروائے گئے۔ حتیٰ کہ مورمون اور غیر مورمون آبادیوں میں چپقلش اس حد تک بڑھ گئی کہ شدید دنگے فساد کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ آخر کار مسوری کے گورنر لبورن بوگز نے اہم مورمون لیڈروں کو گرفتار کر لیا جن میں خود جوزف بھی شامل تھا۔ اور تمام مورمون باشندوں کو مسوری سے انخلا کا حکم دے دیا۔ کچھ روز کے بعد گورنر نے جوزف اور اس کے ساتھیوں کو خفیہ طور پر فرار ہونے کا موقع دے دیا لیکن شرط یہ تھی کہ وہ اور اس کے ساتھی کسی دور دراز کے علاقے کی جانب ہجرت کر جائیں۔ تب جوزف سمتھ نے مسوری کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے باوجود مخالف گروہوں نے اس کے شہر کو لوٹا اور ان کے اموال چھین کر لے گئے۔ مورمونز نے وہاں سے ہجرت کی اور کرک لینڈ کے علاقے میں آباد ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد یہاں بھی مورمونز کے خلاف شدید فسادات چھڑ گئے جن کی وجہ سے انہیں وہاں سے بھی ہجرت کرنی پڑی۔

1844 میں اس نے دریائے مسی سپی کے کنارے اپنا شہر ناوو کے نام سے قائم کیا۔ اس عبرانی لفظ کے معنی خوبصورت کے ہیں۔ وہ خوبصورت شہر اس کا صیہون تھا۔ دس ہزار افراد نے اس کے ساتھ ہجرت کی اور اس کے بنائے ہوئے صیہون میں آباد ہو گئے۔۔ بعدازاں مغربی یورپ سے پچیس ہزار مورمون ہجرت کر کے آئے۔ اور اس شہر کا حصہ بنے۔ اس وقت ناوو کی آبادی کیلی فورنیا کے کسی بڑے شہر سے بھی زیادہ ہو چکی تھی۔ اس شہر کا ڈاکخانہ، بینک اور عدالت سبھی اپنے تھے۔ ماضی کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے اپنی جانباز ملیشیا قائم کر لی تھا۔۔ وہ خود ہی گرجا گھر کا منسٹر، ملیشیا کا چیف اور ناوو میونسپل کورٹ کا چیف جج بھی تھا۔ اس کے اپنے دو اخبار جاری ہوتے تھے۔ وہ ناوو کا ڈکٹیٹر حکمران بن بیٹھا تھا۔

ناوو شہر نے اسے ترقی کی آخری منازل تک پہنچا دیا۔ یہاں بیٹھ کر اس نے اپنے تجویز کردہ صیہون کے نقشے تیار کئے جن کے مطابق اس مقدس شہر کے بیچوں بیچ چوبیس گرجا گھروں کا جھرمٹ تعمیر ہونا تھا

جسے چاروں جانب سے آبادی سے گھرا ہوا ہونا تھا۔ کسی شہری کو اجازت نہ تھی کہ وہ آبادی سے دور اپنے مکان بنوائیں۔ تمام شہریوں کو مل جل کر ایک ہی جگہ رہنا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے گھروں، گلیوں اور بزنس کے علاقوں کی پیمائش بھی دی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ صیہون پہلے سے ہی آسمانوں پر آباد ہے اور اس کا صیہون محض آسمانی صیہون کی نقل ہے۔ اس شہر کے تمام معاملات پادریوں کی سرپرستی میں طے ہونے تھے۔ البتہ اس شہر میں ہر فرقے اور مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد کو رہنے کی اجازت تھی۔ اور وہ آزادی کے ساتھ اپنی مذہبی رسومات ادا کر سکتے تھے۔

ناووامریکہ میں قائم ہونے کے باوجود بھی ویٹیکان کی طرح آزاد تھا اور شاید جوذف کا منصوبہ بھی یہی تھا کہ وہ اپنے قائم کردہ صیہون کو تمام دنیا کی اجارہ داری سے دور رکھے۔ اس نے حضرت عیسیٰ کی طرح بارہ حواری مقرر کئے۔ جو ہر معاملے میں اس کی مدد کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے پچاس افراد پر مشتمل ایک کونسل بھی قائم کی۔ جو اس کی مملکت خداداد کے خفیہ فیصلوں کی ذمہ وار تھی۔ وہ کونسل تمام دنیا پر حکومت کرنے کی منصوبہ بندی کرتی تھی۔ اسے الہام ہوا تھا کہ:

میں اپنے بندے سڈنی رگڈن کو حکم دیتا ہوں کہ صیہون کی تفصیلات قلم بند کرے۔ اس کے بارے میں مراسلات تحریر کرے اور تمام گرجوں میں پھیلا دے۔ ان گرجوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ مراسلات کی رکنیت اختیار کریں۔ ایسے مراسلات بشپ ایڈورڈ پیٹرج کو بھی بھیجے جائیں۔ تاکہ وہ مقدس صیہون کے لئے زمین خریدے۔ اور اسے آباد کرنے کے لئے ہر قسم کے ہنرمندوں کا انتظام کرے۔

اس کی کتاب ڈاکریز اینڈ کوونٹ (عقائد اور عہد) ڈی اینڈ سی میں مملکت خداداد کی تفصیلات سے بھری پڑی ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ کی آواز میں اسے الہام ہوا کہ،

مشنری چاروں اطراف میں پھیل جائیں گے لیکن وہ مملکت خداداد کے راز کسی پر بھی افشا نہیں کریں گے۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا وہ اپنے فرقے میں رسومات کا اضافہ کرتا چلا گیا مثلاً مردہ افراد کا بپتسمہ، وغیرہ۔ اسی سلسلے میں اس نے بعض مرحوم امریکی صدر اور کرسٹوفر کولمبس کا بھی بپتسمہ کیا۔ تاکہ وہ بعد از موت نجات یافتہ قرار پائیں۔ 1844 میں اس نے ایک سیاسی تنظیم نیشنل ریفارم پارٹی کے نام سے قائم کی تاکہ امریکہ کے صدر ارتی انتخابات کے لئے کھڑا ہو سکے۔ اس کی خود اعتمادی کا یہ حال تھا کہ اس نے کانگرس کے سامنے درخواست پیش کی کہ نیو میکسیکو، کیلیفورنیا، ٹیکساس اور اوریگان کے مورمون

باشندوں کے تحفظ کی خاطر اسے دس ہزار فوجیوں پر مشتمل ایک فوجی دستہ قائم کرنے کی اجازت دی جائے۔اس نے ایسے سمندری جہازوں کی بھی تجویز پیش کی جو سمندر میں دور تک آگ پھینک کر دشمنوں کے جہاز تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔البتہ حکومتی سطح پر اس کی جنگی تجاویز مسترد کر دی گئیں۔اس کا خیال تھا کہ متحدہ ریاست ہائے امریکہ مملکت خداداد ہے۔لہٰذا اسے دجال کے حملوں سے بچانے کی سخت ضرورت ہے۔

اس نے شہر کے بیچوں بیچ سرخ اینٹوں سے بنا تین منزلہ سٹور بنوایا ہوا تھا۔وہی عمارت اس کے چرچ، عدالت تصانیف اور ریکارڈ کا کام دیتی تھی۔جوزف خود ہی اس شہر کا میئر، جج، فوجی جرنیل تھا۔ اس نے شہر میں اپنا بینک قائم کر رکھا تھا۔جسے اوہائیو کے گورنر نے تسلیم نہیں کیا تھا۔اس بینک پر غیر معمولی قرضے کی وجہ سے جوزف تین مرتبہ گرفتار بھی ہو چکا تھا۔اس وقت جوزف کا ستارہ گردش میں آ چکا تھا اور وہ اندرونی اور خلفشار اور بیرونی مخالفت کا سامنا کرنے پر مجبور تھا۔اس کا ایک سے زائد شادیوں کا معاملہ حد سے گزر چکا تھا۔بعض تاریخ دانوں کے مطابق اس نے تیس سے زائد اعلانیہ اور خفیہ شادیاں کر رکھی تھیں۔بعض شادیوں کو تو لڑکی کے ماں باپ سے بھی چھپایا گیا تھا۔اس وقت اس کی ہٹ دھرمی اور ڈکٹیٹر شپ کی وجہ سے اس کے کچھ قریبی ساتھی بھی اس کے خلاف ہو گئے تھے۔حتیٰ کہ دی بک آف مورمون کی تختیوں کے تین بنیادی گواہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ان کا کہنا تھا کہ انہوں تختیاں عالم ادراک میں دیکھیں۔لیکن حقیقی تختیوں کا نظارہ کبھی نہیں کیا۔انہی میں سے ایک کی بیٹی کے ساتھ جوزف نے خفیہ شادی بھی کر رکھی تھی۔اس کی انوکھی رسومات اور دین میں نت نئے عقائد کا اضافہ، اس کے تکبر اور گھمنڈ کے مظاہرے، اور اندھا دھند شادیوں کا جنون ناوو کے آس پاس رہنے والی غیر مورمون آبادیوں کے لئے ناقابل برداشت تھا۔دی ایکسپوزیٹر نامی اخبار کا ایڈیٹر تو ناوو کے اندر رہتے ہوئے ہر روز اس کے خلاف اشایئے شائع کرتا تھا۔

1844 میں ایک تدفینی مجلس سے خطاب کرتے ہوئے اس نے اپنا آخری خطبہ دیا۔اس خطبے میں اس نے رب ذوالجلال کی وحدانیت کو پکارا اور وہی خطبہ اس کے لئے فیصلہ کن ثابت ہوا۔دراصل تورات کے لفظ الوہم کو لے کر اس نے توحید کا انکار کر دیا۔یہودی لفظ الوہم خدا کے لئے استعمال کرتے ہیں لیکن وہ صیغہ واحد کی بجائے جمع کو ظاہر کرتا ہے۔اس کا مدعا تھا کہ وہ لفظ الوہم (نعوذ باللہ) ایک سے زیادہ خداؤں کی جانب اشارہ کرتا ہے۔وہ اتنا نڈر ہو چکا تھا کہ 6 جون 1844 کو ناوو کے قبرستان میں اس

نے الاعلان خدا کی وحدانیت سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ وہ اس عقیدے سے اختلاف کرتا ہے کہ خدا ہمیشہ سے خدا تھا (نعوذ باللہ)۔ اول اول وہ ہماری طرح کا انسان تھا یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہم اس سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ بصورت دیگر انسان کا رابطہ خدا کے ساتھ ممکن ہی نہیں ہے۔ میں جنت اور جہنم کے عقیدے سے بھی انکار کرتا ہوں۔ عیسائی محققین کے مطابق اس خطبے میں اس نے گویا کہ عیسائیت کے دو ہزار سالہ پرانے عقیدتی ڈھانچے پر کھل کر بمباری کی۔ اس نے اسی پر بس نہ کی بلکہ اپنے خطبے کے اختتام پر مورمون عوام اور ملیشیا فورس کو دی ایکسپوزیٹر کے دفتر پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ مشتعل عوام نے اس عمارت کو آگ لگا دی اور یہاں سے خونریز فسادات کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جوزف اور اس کے بھائی کو پریس تباہ کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ جج دلی طور پر جوزف کو بے گناہ سمجھتا تھا۔ لیکن اس نے وہ گرفتاری دنگا فساد سے بچنے کے لئے کی تھی۔ اس کے علاوہ اس کا کہنا تھا کہ مخالفین اس قدر مشتعل ہیں کہ جوزف اور اس کے بھائی کے لئے جیل ہی محفوظ ترین پناہ گاہ ثابت ہو گی۔ جس پولیس انسپکٹر نے جوزف کو گرفتار کیا وہ بھی اس کی کرشماتی صلاحیتوں کا معترف تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے جوزف کو صرف ایک گھنٹہ اپنے گھر میں رکھا اور اس کی بیوی جوزف کی معتقد ہو گئی۔ جوزف اور اس کے بھائی نے جیل کی وہ رات خطوط لکھتے ہوئے گزاری۔ صبح ہوتے ہی ایک سو افراد پر مشتمل مخالف گروہ نے جیل پر حملہ کر دیا۔ محافظوں کو زخمی کیا، جیل کے دروازے توڑے اور جوزف اور اس کے بھائی پر اندھا دھند فائرنگ کی، جس کے نتیجے میں دونوں موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔ موت کے وقت جوزف سمتھ کی عمر فقط انتیس سال تھی۔ رب متعال کی وحدانیت کو للکارنے قوت استدراج کے غلط استعمال، گھمنڈ، غرور اور تکبر کے مظاہرے، ریاست کے قوانین کی خلاف ورزی، اپنے فرقے میں غیر فطری رسومات رائج کرنے اور ساری دنیا پر حکومت کرنے کے خواب کی وجہ سے اس کی رسی کھینچ لی گئی تھی۔ اس کی موت کے بعد اس کے فرقے کے افراد کا ناووو میں رہنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ لہٰذا گرجے کے اکابرین نے شہریوں کو حکم دیا کہ وہ وہاں سے درجہ بدرجہ ہجرت ریاست اوٹا کی جانب ہجرت کر جائیں۔ یاد رہے کہ مورمونز کی ہجرتیں مصائب و آلام سے خالی نہیں تھیں۔ ہر ہجرت اپنے ساتھ بھوک، بیماری اور انسانوں اور جانوروں کی قیمتی جانوں کا بے بہا نقصان لے کر آتی تھیں۔ یوں بارہا ہجرتوں اور جوزف کی طاقتور شخصیت کے نظروں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے اس کا فرقہ بھی کمزور پڑ گیا۔ البتہ جو بھی مورمونز سختی حالات سے بچ کر ریاست اوٹا پہنچ پائے، انہیں اس سرزمین پر سکون

نصیب ہوا۔ 1847 میں جب مورمونز نے اوٹا کی جانب ہجرت کی تو وہ میکسیکو کا علاقہ تھا۔ اس وقت برگھم ینگ مورمونز کا لیڈر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اوٹا کے وسیع وعریض اور غیر آباد علاقوں پر مورمونز اطمینان کا سانس لیں گے۔ گو کہ ان علاقوں میں مقامی امریکی قبائل آباد تھے، لیکن مورمونز انہیں بنی اسرائیل کے قدیم قبائل کی اولاد تصور کرتے تھے۔ اور ان کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔ مورمونز نے اوٹا کی سرزمین پر کاشت کاری کی، گھر بنائے اور وہاں آباد ہو گئے۔ ایک سال کے اندر امریکہ نے میکسیکو کے خلاف جنگ لڑ کر اوٹا کا علاقہ حاصل کر لیا۔

آج گو کہ مورمونز پورے امریکہ میں پھیلے ہوئے ہیں، لیکن اوٹا ان کا مرکز ہے۔ یہاں یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ جب مورمونز نے ناووسے ہجرت کی تو جوزف کی بیوی ایما نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا اور اپنے بچوں کے ساتھ مسی سپی میں آباد ہو گئی تھی۔ دراصل جوزف کی زندگی کے آخری دنوں میں وہ اس کی شادیوں اور دوسری بے اعتدالیوں کی وجہ سے اس سے نالاں ہو چکی تھی۔

## جوزف سمتھ کی تصانیف

جوزف کے الہامات کا سلسلہ اس کی موت تک جاری رہا۔ اس نے تمام الہامات اپنی کتاب ڈاکٹرینز اینڈ کوونٹ (عقائد اور عہد) میں درج کروائے۔ اس کتاب کے مطابق اس کا ہر عمل الہامات کی روشنی میں کیا گیا تھا۔ اس کے بیانات کے مطابق اسے دی بک آف مورمون کے کاتبوں کی فہرست دی گئی تھی، اس کے بارہ ساتھیوں کے نام اور ان کی ولدیت بتائی گئی تھی۔ اس کی ہجرتوں اور تبلیغ کے طریقوں کی تفصیلات سے آگاہ کیا گیا تھا۔ ناوو قائم کرنے کے بعد اسے چرچ آف کرائسٹ ان لیٹر ڈیز قائم کرنے، اس کے انتظام کی تفصیلات اور منتظمین کے فرائض سے آگاہ کیا گیا تھا۔ ڈی اینڈ سی 41:2 کے مطابق میں چرچ کا انتظام سنبھالنے کے لئے انہیں ایسی طاقت دوں گا جو اس سے پہلے زمین پر کسی کو نہ ملی ہوگی۔

اس کے علاوہ اپنی کتاب میں اس نے مستقبل قریب میں آفاقی اور جنگی تباہ کاریوں کی پیشن گوئیاں کیں۔ اس کی بیشتر پیشن گوئیاں دی ڈاکٹینز اینڈ کوونٹس کے 87 سیکشن میں درج ہیں۔ مثلاً" (8,6:D&C87) میں وہ لکھتا ہے کہ وہ دن قریب ہے جب ملینیم قائم ہوگا۔ خدا کے ہر پیغمبر نے پہلے سے ہی ہمیں اس کے بارے میں آگاہ کر دیا ہے۔ حضرت یہوداہ اور یسوح مسیح دوبارہ اس دنیا میں واپس

آئیں گے۔لیکن عیسیٰ نے کسی کو بھی اپنی آمد کا صحیح وقت نہیں بتایا۔ جو حساب لگاتے ہیں وہ سب گنہگار ہیں۔حضرت عیسیٰ کی دوبارہ واپسی سے پہلے بہت بڑی تباہی آئے گی اس وقت آسمان تھرا جائے گا۔ آفاق پھٹ جائیں گے۔زمین کانپے گی اور جزائر اڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم جوزف کی کتاب دی بک آف مورمون کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔ کیونکہ اس کتاب میں دیئے گئے حالات واضح کرتے ہیں کہ وہ بحر حال استدراجی قوتوں کا مالک تھا۔اسے الہام کے ذریعے ماضی اور مستقبل کے حالات کی خبر مل جاتی تھی۔اس کے علاوہ وہ غیر معمولی لیاقت، حاضر جوابی اور رعب و دبدبہ بھی رکھتا تھا۔لیکن وائے ہو نفس عمارہ کی شرارتوں پر کہ جو صلاحیتیں اسے انسانوں کی بھلائی کے لئے عطا کی گئی تھیں، وہی اس کے گھمنڈ کا باعث بنیں، اور اسے لے ڈوبیں۔

جوزف سمتھ کی دی بک آف مورمون کئی ایک چھوٹی کتب پر مشتمل ہے مثلاً کتاب حلمان وغیرہ۔ اس کا کہنا تھا کہ موروني نامی فرشتے نے خواب میں اسے سونے کی تختیوں سے آگاہ کیا۔ان تختیوں پر 600 ق م میں بنی اسرائیل کی قدیم ہجرت کے حالات درج تھے۔دی بک آف مورمون کے مطابق بنی اسرائیل کے چند قبائل بابل سے ہجرت کرتے ہوئے شمالی دنیا یعنی کہ سرزمین امریکہ پر آباد ہوئے تھے۔اس سفر میں انہوں نے نہ صرف مہیب صحرا اور بلند پہاڑ سر کئے، بلکہ سمندروں کا طویل سفر بھی طے کیا۔البتہ اس تمام عرصے میں خدا کا ہاتھ ان کے ساتھ رہا۔انہیں ہجرت کے راستوں سے آگاہ کرتا رہا اور سفر و ہجر میں کام آنے والی صنعت و حرفت سکھاتا رہا۔

دی بک آف مورمون دو قدیم اسرائیلی قبیلوں کی ہزار سالہ داستان پر مشتمل ہے۔اس کے مطابق لیہی قبیلے نے 600 ق م میں اسرائیل کو چھوڑا اور امریکہ کی جانب ہجرت کی۔لیہی کے دو بیٹے لیمن اور لیموئل گنہگار تھے۔اس وجہ سے ان کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ان کی نسلوں کو لیمانائٹ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ جبکہ اس کے دوسرے بیٹے نیفی کی نسلیں دین حق پر قائم رہیں۔وہ خدا کے پسندیدہ افراد تھے۔انہیں نیفائٹ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔امریکہ کے مقامی قبائل انہی دو قبائل کی اولاد میں سے ہیں۔پہلی صدی عیسوی میں جب حضرت عیسیٰ کو دار پر چڑھایا گیا تو امریکہ کی سرزمین پر شدید زلزلہ آیا۔کچھ علاقے آگ کی وجہ سے جل کر بھسم ہو گئے۔اور کچھ زمین میں دھنس گئے۔اس وقت نیفی قبیلے کے پیغمبر مورمون کو حکم ملا کہ وہ اپنے قبیلے کی تاریخ تختیوں پر لکھ کر محفوظ کر لو۔اسی تاریخ کی کچھ کاپیاں جوزف کو بھی ملی تھیں۔

بعض امریکی تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ دی بک آف مورمون بائبل کی نقل کے سوا کچھ بھی نہیں۔

دوسری جانب چند اور محققین کا کہنا ہے کہ 1823 میں جب جوزف نے اپنی کتاب کا آغاز کیا تو وہ محض اٹھارہ سالہ نوجوان تھا اور ابتدائی شادی شدہ زندگی کی مشقتوں سے گزر رہا تھا۔ اس کی تعلیم نامکمل تھی۔ شہری آبادی سے دور دراز ایک فارم پر رہنے کی وجہ سے اس نے مشکل سے انگریزی کے چند الفاظ پڑھنے سیکھے تھے۔ وہ بائبل سے صرف گرجا گھر کی سروس تک واقف تھا۔ انہی دنوں بائبل کا لاطینی سے انگریزی زبان میں ترجمہ ہوا تھا اور وہ چند اعلیٰ درجے کے پادریوں اور سکالرز کے علاوہ کسی اور کی دسترس میں نہ تھی۔ اس کی ماں کا کہنا تھا کہ اس وقت تک وہ بائبل سے نابلد تھا۔ وہ لکھنا تک نہ جانتا تھا۔ اس کی بیوی ایما سمتھ اور چند دوست اس کے کاتب تھے۔ اس کا کتاب لکھوانے کا طریقہ بھی عجیب تھا۔ اکثر اوقات وہ تختیاں غلاف میں لپٹی میز پر دھری رہتیں اور وہ ان کی جانب دیکھتا بھی نہیں تھا۔ وہ ترجمے کے پتھر ہاتھ میں لیتا، نظریں آسمان پر ہوتیں اور بے تکان بولتا چلا جاتا تھا۔ ایما کا بیان تھا کہ وہ گویا کوئی آسمانی لوح پڑھ رہا ہوتا تھا اور جب اجنبی زبان میں لکھا ہوا کوئی لفظ پڑھ نہ پاتا تو اس کے ہجے بتا دیتا تھا۔ وہ کئی گھنٹوں تک بغیر رکے کتاب تحریر کرواتا۔ اور دوسرے روز ایک لمحے کا توقف کئے بغیر وہیں سے کہانی کا آغاز کرتا جہاں سے اس نے پہلے روز چھوڑا ہوتا تھا۔ اگر وہ واقعات اس کے ذہن کے گھڑے ہوئے ہوتے تو وہ کبھی اتنا رطب اللسان نہ ہوتا۔ بلکہ اکثر مقامات پر رکتا اور ذہن میں واقعات کی کڑیاں ترتیب دیتا لیکن ایسا واقعہ کبھی بھی پیش نہ آیا۔ گو کہ زندگی کے آخری سالوں میں ایما کی جوزف کے ساتھ ناچاقی تھی لیکن اس نے اپنے بیانات سے کبھی انحراف نہ کیا۔

اگر ہم غیر جانبداری سے کتاب مورمون کا جائزہ لیں تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اس کی کتاب الہامی معلومات اور تفصیلات کا ایسا خزانہ ہے جو عام انسانی علم سے ماورا ہے۔ وہ کتاب سیاسی، جغرافیائی، معاشی، معاشرتی اور علم لسانیات اور علم انسانیات کا اعلیٰ مرکب ہے۔ جوزف ایک ماہر مصنف کی طرح جا بجا ڈرامائی موڑ اور نشیب و فراز بیان کرتا ہے۔ اس کے علاوہ قدیم مقامات اور مختلف ثقافتوں کا بیان، مذہبی عقائد اور رسومات، حکومتی عہدوں اور انسانوں کے قدیمی نام، مثلاً" موروني، مورمون، نیفی، اور الما وغیرہ؛ قانونی اور زراعتی طریقہ ہائے کار، مثلاً" پیغمبر یعقوب کی تمثیلات میں وہ زیتون کی قدیم کاشکاری کی دقیق تفصیلات یوں بیان کرتا ہے جیسے وہ اس کی آنکھوں کے سامنے واقع ہوئی ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ عیسائیت میں بائبل کے بعد یہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ (Jacob5.151Ne.10)

اس کے علاوہ وہ کثرت کے ساتھ کیاسمس کی دقیق ترکیب استعمال کرتا ہے۔اس ترکیب میں ایک جیسے دو جملے اس طرح استعمال کئے جاتے ہیں لیکن دوسرے جملے میں الفاظ کی ترتیب بدل دی جاتی ہے۔اس طرح دوسرے جملے کا مطلب پہلے سے بالکل الٹ ہوجاتا ہے۔البتہ یہ ترکیب اس حد تک دقیق ہے کہ صرف آسمانی کتب (خصوصاً تورات) میں ہی نظر آتی ہے۔تورات کے بعد یہ ترکیب اعلیٰ ترین مذہبی علما اور ادیبوں نے استعمال کی۔لیکن حضرت عیسیٰ کے دور تک اس کا استعمال محدود ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ جوزف کتاب مورمون میں کم از کم بیس منفرد اور قدیم شاہراؤں کا ذکر کرتا ہے،جس کے بارے میں جدید تحقیق نے واضح کیا کہ وہ شاہراہیں دراصل اولین صدی عیسویں میں زیر استعمال رہی تھیں۔علاوہ ازیں صحرائے عرب کے ایسے علاقوں کا بھی ذکر کرتا ہے جن کے بارے میں اس وقت سکالرز کو بھی معلومات حاصل نہ تھیں۔(Rees,John,2002)

یہاں ہم یہ بھی ذکر کرتے چلیں کہ دی بک آف مورمون کے بیانات اور امریکہ کی قدیم قبائلی تاریخوں میں حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے۔جب جوزف نے اپنی کتاب لکھوائی تو نہ تو وہ مقامی تواریخ ترجمہ ہوئی تھیں اور نہ ہی کسی اور ذریعے سے وہ ان سے واقف ہوسکتا تھا۔مثال کے طور پر دونوں ذرائع قدیم قبائلیوں کی ترقی یافتہ زراعت،صنعت وحرفت،علم حساب،فلکیاتی کیلنڈر،عظیم الشان شہروں اور ثقافتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

وہ اپنی کتاب کا آغاز حضرت آدم ع کی خلقت سے کرتا ہے۔اور اس کے بعد تین قبائل کا ذکر کرتا ہے جنہوں نے بابل کا عظیم الشان مینار گرنے کے بعد ہجرت اختیار کی۔لیکن اس کا مرکزی خیال دو قدیم قبیلے نیفی اور لیمی کے گرد گھومتا ہے۔نیفی مشرک اور لیمی پرہیزگار قبیلہ تھا۔لیمی قبیلہ کے پیغمبر جابجا قیامت صغریٰ سے ڈراتے اور حکومت خداداد کی خوشخبری سناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔مثلاً ذیمونا نامی پیغمبر سیموئیل کی پیشن گوئی،میں کہتے ہیں کہ،

> جب آسمان دو روز تک روشن رہے گا اور رات نہ آئے گی تو وہ خدا کی جانب سے بہت بڑی نشانی ہوگی۔اس وقت پہاڑ وادیوں میں اور وادیاں پہاڑیوں میں بدل جائیں گی۔قبریں کھل جائیں گی۔خدا کے برگزیدہ بندے اس دنیا میں واپس آجائیں گے۔خدا نے تمہیں علم دیا۔لیکن اس کے بعد آزادی عطا کی۔تاکہ اپنی عقل استعمال کرو اور سیدھا راستہ اختیار کرو۔

بک آف نیفی میں وہ کہتا ہے کہ یسوع مسیح نے اعجاز پیغمبری کے ذریعے اپنی پیدائش سے پہلے نیفی کو بپتسمہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ اور اسے کہا کہ جو ریکارڈ تمہیں عطا کیا گیا ہے وہ سامنے لے کر آؤ۔ اس ریکارڈ میں مملکت خداداد کی پیشن گوئیاں اور نشانیاں درج تھیں۔ نیفی کے بعد وہ ریکارڈ اس کے بیٹے، اور اس کے بعد ایماس کی دسترس میں دیا گیا۔ اس کے علاوہ وہ نیفی کے زمانے میں ایک خوفناک آواز کا ذکر کرتا ہے جو تمام شہروں میں سنی گئی تھی۔ اس کے بعد ایک خوفناک طوفان بادوباراں، آسمانی بجلی اور زلزلے کے ساتھ آیا، اور تین دن تک جاری رہا۔ آسمان تاریک ہو گیا اور کئی ایک بستیاں زیر آب آ گئیں۔ جو پانی سے بچیں وہ آسمانی بجلی کی وجہ سے جل کر راکھ ہو گئیں۔ دی بک آف حلمان میں وہ لکھتا ہے کہ:

> زمین خدا کے حکم سے گھومتی ہے۔ اور پہاڑ اس کی آواز کے رعب سے کانپتے ہیں، اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ اور یوں وادیاں تشکیل پاتی ہیں۔ اور جب وہ زمین کو حکم دیتا ہے کہ واپس گھوم جا، تو وہ الٹا گھوم جاتی ہے۔ اور دن کئی گھنٹے تک طویل ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ گہرے پانیوں کو حکم دے کہ خشک ہو جائیں تو وہ خشک ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح کتاب ایتھر میں وہ جاریڈ کے بھائیوں کا حیرت انگیز قصہ بیان کرتا ہے۔ جنہوں نے خدا کے حکم سے شالم کی پہاڑیوں کے دامن میں واقع وادی نمرود میں چار سال تک قیام کیا۔ اس عرصے میں انہیں ایک خدائی آواز رہنمائی کرتی تھی۔ چار سال گزرنے کے بعد انہیں سمندری سفر کا حکم دیا گیا۔ انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ پرندوں کی طرح ہلکی پھلکی آٹھ ناؤ بنائیں۔ ہر ناو کی بلندی ایک درخت جتنی ہو۔ دیواروں کے جوڑ اتنی مضبوطی سے آپس میں مربوط ہوں کہ ان کے اندر پانی کا ایک قطرہ یا روشنی کی کرن بھی داخل نہ ہو سکے۔ دروازے جب بند ہو جائیں تو ان کے جوڑوں میں بھی یہی خاصیت پائی جاتی ہو۔ ناؤ کی اونچائی ایک درخت جتنی ہو اور دیواروں کا بالائی حصہ پہاڑ کی چوٹی کی طرح کا ہو۔ ایک سوراخ چوٹی پر اور دوسرا دیوار کے نچلے حصے پر ہو تا کہ ہوا کی آمدورفت جاری رہے۔ البتہ ضرورت پڑنے پر دونوں حصوں کو سیل بند کیا جا سکتا ہو۔ انہیں ہدایت کی گئی کہ کشتیوں کی کھڑکیاں نہ بنائیں ورنہ وہ پانی کے زور سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی۔ انہیں بتایا گیا کہ سفر کے دوران وہ کشتی کے اندر آگ نہیں جلا سکتے۔ وہ جاریڈ کے بھائی کی پیغمبری کا ذمانہ تھا۔ اس نے پہاڑ کی چوٹی پر جا کر

شدید آہ وزاری اور مناجات کی کہ کشتیوں کا اندرونی حصہ انتہائی اندھیرے ہے۔ان کی عورتیں اور بچے اس اندھیرے میں سفر نہیں کر سکتے۔اس کی آہ وزاری اتنی بڑھی کہ خدا نے بادلوں کی اوٹ سے ان کے ساتھ گفتگو کی اور اس کے بعد اپنا ہاتھ دکھایا۔وہ گوشت پوست کا بنا ہاتھ تھا۔جاریڈ کے بھائی نے اس ہاتھ کی انگلیاں اور ان میں خون کی رگیں تک دیکھیں۔جاریڈ کا بھائی خوفزدہ ہو کر خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گیا اور فریاد کی کہ اے خدا تو نے مجھے گوشت پوست کا ہاتھ کس طرح دکھا دیا جبکہ تو خدا ہے؟ تیری ذات مادی اجسام سے ماورا ہے!

تو اسے جواب ملا کہ میں انسانوں کو صرف اپنی آواز سناتا ہوں۔لیکن تمہاری آہ وزاری اتنی دلگداز تھی کہ میں نے تمہیں اپنا ہاتھ دکھایا۔اس کے بعد خدا کے ہاتھ نے اسے پہاڑ کی چوٹی سے سفید پتھروں کو آگ میں پگھلا کر ان سے روشنی خارج کرنے کی تعلیم دی۔آگ میں تپ کر جب وہ پتھر شیشے کی مانند شفاف ہو گئے تو خدا کے ہاتھ نے ان پتھروں کو الگ الگ چھوا اور ان سے چار آلات بنانے سکھائے اور ہدایت کی کہ وہ پتھر کشتیوں کے چار کونوں میں آویزاں کر دیں تو ان کی کشتیاں روشن رہیں گی۔جب وہ کشتیاں پانی کے عظیم الشان حجم کے نیچے چلی جا رہی تھیں، تو نہ تو سمندری طوفان اور نہ ہی پانی کا حجم انہیں کچھ نقصان پہنچا سکتا تھا۔کیونکہ وہ حضرت نوح کی کشتی کی طرح سیل بند تھیں۔اس کے باوجود جب وہ بے چین ہو کر اپنے رب کو پکارتے تو وہ انہیں پانی کی سطح پر لے آتا تھا۔(Ether6:7)

امریکی قبائلیوں کی لوک کہانیوں میں حضرت نوح کی کشتی اور جوزف کی بیان کردہ کشتیوں میں حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے۔میکسیکو کی مقامی تاریخ ایکسٹل کے مطابق دنیا ایک عظیم الشان سیلاب کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئی تھی۔ہر سو طوفان باد و باراں اور آسمانی بجلی تھی۔اس وقت بلند ترین پہاڑ بھی زیر آب آ گئے تھے۔تمام دنیا میں کچھ نہ بچا سوائے چند پرہیزگار افراد کے، اور انسانی نسل انہی چند افراد سے چلی جو ایک سیل بند کشتی میں سوار ہو گئے تھے۔(Hunter&Fergusson,1950)

اسی طرح ایک مقام پر جوزف ایک ایسے آلے کا ذکر کرتا ہے جس کی مدد سے لیہی کا قبیلہ سمت معلوم کرتا تھا۔لیہی کا بیان ہے کہ آقا نے ایک رات میرے والد سے گفتگو کی اور اگلی صبح انہیں اپنے خیمے کے سامنے پیتل کا ایک گولہ ملا۔جس پر دو تکلے (سوئیاں) لگی ہوئی تھیں۔ہم نے جس جانب سفر کرنا ہوتا تھا سوئیاں اسی جانب مڑ جاتی تھیں۔لیہی نے اپنی وفات کے وقت وہ مقدس آلہ اپنے لوگوں کے حوالے کر دیا کیوں کہ وہ آلہ خدا کی نشانیوں میں سے ایک تھا۔اس کی مدد سے اس قبیلے نے بحیرہ احمر اور بحر

الکاہل جیسے عظیم الشان سمندر پار کئے تھے۔(Nephi16,9-10)

بالکل اسی طرح امریکہ کی قدیم قبائلی داستانوں کے مطابق ان کے آباواجداد کمپاس استعمال کیا کرتے تھے۔آقا نے انہیں کمپاس بنانا اوراس کے ذریعے سمتیں معلوم کرنا سکھایا تھا۔

کتاب مورمون میں جوزف ماضی کی داستانوں کے علاوہ مستقبل کی پیشن گوئیاں بھی بیان کرتا ہے۔نیفی 2 میں وہ لکھتا ہے(15-14) کہ گزشتہ پیغمبروں کی گواہیوں کے مطابق مسیحا دوبارہ سے ظہور کریں گے۔وہ عظیم الشان طاقت اور جلال کے مالک ہوں گے۔جوانہیں مانتے ہوں گے ان کا بال بھی بیکانہ ہوگا۔اور جواسے نہ مانتے ہوں گے وہ سب کے سب قحط، وبا،طوفان باد باراں، زلزلوں، اور آگ سے تباہ ہوجائیں گے۔اس وقت زمین ایک گولے کی طرح گھومتی پھرے گی اور شدید آگ پھیلنے کے ایسے واقعات پیش آئیں گے کہ اشیاء کی جڑوں تک کا خاتمہ ہوجائے گا۔بالکل اسی طرح سے امریکہ اور گوٹے مالا کے قدیم قبائل کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ زمین بہت جلد سیلاب اور آگ کے ذریعے تباہ ہوجائے گی۔اوراس کے بعد انسانوں کے فیصلے کا دن آئے گا۔

جوزف کا کہنا تھا کہ خدا ماضی میں اپنے اسراروں سے پردہ اٹھاتا رہا ہے،آج بھی اٹھا رہا ہے اور آئندہ بھی اٹھاتا رہے گا۔بالکل درست۔ہماری موجودہ تصنیف کا ایک مقصد ہے بھی اجاگر کرنا ہے کہ خدا نہ صرف ایک خاص مدت تک بعض امور کو خفیہ رکھتا ہے بلکہ صحیح وقت آنے پر ان سے پردہ بھی اٹھالیتا ہے۔اور پرہیزگاروں کے لئے ان واقعات میں خدا کی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔لیکن اس سے اہم ایک اور امر بھی ہے اور ہے قانون رب ذوالجلال۔ہر عمل کا ردعمل۔اور علت کے ساتھ معلول۔ہر کوئی اپنے اعمال کا صلہ بعین وہی کچھ پاتا ہے جو اس نے کیا ہو۔

تو اب ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ہمارا وژنری جوزف سمتھ زندگی میں اور بعد از مرگ بھی ایک متنازعہ شخصیت رہا۔اپنی غیر معمولی طاقت استدراج کی وجہ سے اس نے کم عمری میں ہی عوام اور خواص میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کرلی تھی۔حتیٰ کہ اس کا مورمون فلسفہ اس حد تک مشہور ہوا کہ اس کے پیروکاروں نے گھر بار، املاک اور بزنس چھوڑ کر ایک سے زیادہ مرتبہ ہجرت اختیار کی،تشدد کا نشانہ بنے، قتل کئے گئے،شہر بدر ہوئے، بھوک، افلاس اور بیماری کا سامنا کیا،لیکن جوزف کا ساتھ نہ چھوڑا۔

دوسری جانب اس کے مخالفین کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔آغاز سے ہی کٹر کیتھولک اور دوسرے عیسائی فرقے اس کے خلاف تھے۔ان کا خیال تھا کہ وہ جھوٹا اور دروغ گو ہے ان کی دشمنی یہاں تک بڑھی کہ

عین جوانی میں ہی اسے قتل کر دیا گیا۔

البتہ جوزف سمتھ کی تصانیف کا بغور مطالعہ واضح کرتا ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کے استدراج کی طاقت رکھتا تھا۔ دی بک آف مورمون کے بارے میں ہم نے پہلے ہی اپنا مقدمہ پیش کر دیا ہے۔ اگر قارعین میں سے کوئی دلچسپی رکھتا ہو تو آن لائن اس کی کتب کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ ڈی اینڈسی میں دی گئی آخری زمانوں اور نجات دہندہ کی آمد کی پیشنگوئیاں اسلامی اخبارات سے میل کھاتی ہیں۔ تو پھر مسئلہ کہاں پر ہے؟

پہلی بات تو یہ کہ وہ خود اور اس کے پیروکار اسے پیغمبر مانتے ہیں۔ رب ذوالجلال کی بھیجی ہوئی شریعت سے انکار عظیم ترین کجی ہے جو انسانی معاشرے میں ہر قسم کے بگاڑ کا باعث بنتی ہے۔ جیسا کہ ہم بحث کریں گے کہ حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ سلام اللہ علیہ تک ہر پیغمبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کی خبر لایا۔ لیکن نفس عمارہ کے غلاموں نے آسمانی کتب میں تحریف کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد ان کی نبوت سے انکار کر دیا۔ حضور اکرم کی نبوت سے انکار کرنے والے ختم نبوت سے بھی نابلد رہے۔ اب ان کے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جہاں کہیں کوئی جھوٹا اپنی نبوت کا اعلان کرے تو اس کا دعویٰ مان کر اس کے پیروکار بن جائیں۔ دراصل انہیں ادراک ہی نہیں کہ ختم نبوت کی مہر لگ جانے کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا واجب القتل ہے اور قدرتی قوانین کے تحت جوزف کے ساتھ بھی یہی ہوا۔

اس کتاب کے تحقیقی مراحل میں ہم نے جوذف سمتھ کے الہامات کے بارے میں کچھ علماء سے بھی گفتگو کی۔ انہوں نے اظہار خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں اور دنیا کے ہر خطے میں چند انسانوں کو استدراج یا الہامات کی طاقت عطا فرماتا ہے۔ ان الہامات میں کچھ نشانیاں پنہا یوتی ہیں۔ اب اس وژنری کا فرض ہے کہ ان نشانیوں کو سمجھے اور مناسب طریقے سے دوسرے لوگوں تک پہنچائے۔ اہم تو یہ ہے کہ اس شخص کا سینہ ان الہامی طاقتوں کو برداشت کر پاتا ہے یا نہیں۔ اگر اس کا سینہ فراخ اور نفس عاجز ہے تو وہ ہدایت کو من وعن دوسروں تک پہنچائے گا۔ البتہ نفس کی عاجزی کے لئے خوف خدا کا ہونا لازمی ہے۔ لیکن اکثر اوقات انسان نفس عمارہ کا شکار ہو کر اپنے رب کو بھلا بیٹھتا ہے اور اس کی دی ہوئی طاقت کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ یہی کچھ جوذف کے ساتھ بھی ہوا۔ وہ قلیل عرصے میں اتنا مشہور ہو گیا کہ اس کی پہنچ نہ صرف صدر امریکہ بلکہ فرانس اور برطانیہ کے حکمرانوں تک بھی ہو گئی اور وہ امریکہ کی صدارت

کے خواب دیکھنے لگا۔ شہرت، طاقت اور بے جا اختیارات نے اسے گویا کی دیوتا ہی تو بنا ڈالا تھا۔

اس کی دیگر غلطیوں میں حضرت عیسیٰؑ کی واپسی کی تاریخ مقرر کرنا، اور شہر صیہون کا قیام تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ عہد عتیق اور جدید میں بیان کردہ سات دن سات ہزار سال کا اشارہ دیتے ہیں۔ کرہ ارض اپنی خلقت کے چھ ہزار سال پورے کر چکا ہے۔ بیسویں صدی آخری صدی ہے۔ جس کے بعد قیامت صغریٰ برپا ہوگی اور مملکت خداداد قائم ہوگی۔ چونکہ ہم آخری زمانوں کے باشندے ہیں اس لئے ہمارا فرض ہے کہ مقدس شہر صیہون کے قیام کی راہیں ہموار کریں۔ اس کے ساتھ وہی ہوا جو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ظہور کے لئے عجلت چاہنے والے (ہلاک ہو جائیں گے) (غیبۃ النعمانی)۔ اور پھر اس کا باغیانہ رویہ اس حد تک پہنچا کہ اس نے خدائے واحد کی وحدانیت سے ہی انکار کر دیا۔ اب اس کی مہلت ختم ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ ایک سے زیادہ خداؤں کی تشہیر کرتا رب کائنات نے اس کی رسی کھینچ لی۔

## جدید سائنس اور حکومت خداداد

اگر ہم بارہویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے سائنسدانوں کی روح میں جھانکیں تو ہمیں ایک شدید مذہبی خواہش نظر آتی ہے۔ وہ سب ملینیمنری تھے یعنی کہ حضرت عیسیٰ ع کی واپسی سے پہلے مملکت خداداد کی تیاری میں لگے ہوئے تھے۔ (نوبل اور نوف۔ مذہبی ٹیکنالوجی، ص 37)۔

عیسائی مفکرین اور علماء کے مطابق حضرت عیسیٰ ع اپنی واپسی کے بعد ساری دنیا پر ہزار سالہ حکومت قائم کریں گے۔ اس وجہ سے انہوں نے مملکت خداداد کو دی ملینیم کا نام دیا۔ اور پہلے سے اس کی تیاری کرنے والوں کو ملینیمنری کہتے ہیں۔ جو ملینیمنری ساری دنیا میں گوسپل کا پیغام پہنچانا چاہتے تھے، قیامت صغریٰ کی تباہکاریوں سے (بعض) نسلوں کو بچانا چاہتے تھے اور حضرت عیسیٰ کی واپسی سے پہلے دی ملینیم کی تیاریوں میں مصروف تھے، ان میں یورپی اور امریکی سائنسدانوں کا نام صف اول میں آتا ہے۔ وہ سب اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک، جوشیلے اور مستقل مزاج تھے۔ مورخین ان میں سے کچھ سائنسدانوں کو پولی میتھ کہتے ہیں۔ یہ ایک انگریزی لفظ ہے جو کہ ہر فن مولا قسم کے اشخاص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ پولی میتھ کی اصطلاح ترکی لفظ ہزار فن سے لی گئی ہے۔ جو کہ سیاح چلبی نے ترکی سائنسدان ہر فن احمد چلبی کے لئے استعمال کی تھی۔ ہر فن احمد نے سولھویں صدی

میں جدید دنیا کی پہلا ہوائی جہاز اڑایا تھا۔لیکن خلیفہ وقت کی حمایت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اپنے تجربات جاری نہ رکھ سکا۔

مغربی اقوام کے لئے وہ تورات اور بائبل کے علاوہ قدیم یونانی، ہندی (خصوصاً سندھی بدھسٹ کی ترجمہ شدہ کتب) اور مسلمان سائنسدانوں کی تحقیقات کے مطالعے کا زمانہ تھا۔اسی پس منظر میں مغربی سائنسدانوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی تجدید نو کا ذمہ اٹھایا لہٰذا انہوں نے مذہبی صحیفوں کے گہرے مطالعے سے بامعنی نتائج اخذ کئے اور ان کی روشنی میں اپنے سفر کا آغاز محتاط تجربات سے کیا۔ تورات اور بائبل کے تراجم کی وجہ سے ان پر انکشاف ہوا تھا کہ وہ کتب مذہبی تعلیمات کے علاوہ فزکس، کیمسٹری، حساب اور بائیالوجی کے بھی قیمتی خزینے ہیں۔گویا کہ انہوں نے آسمان سے نازل ہونے والے روحانی علوم پر غور وغوص کیا، افکار تشکیل دیئے اور کو مادہ کے ساتھ متصل کیا اور ترقی کی ایسی راہیں استوار کیں جن کی وجہ سے انسان آج کی اٹامک ایج تک پہنچ گیا۔(Noble,1997)

مغربی سائنس دانوں میں اولین نام مشہور انگریز فلاسفر اور سائنسدان روجر بیکن (1220 عیسوی) کا آتا ہے۔پیوریٹن فرقے سے تعلق رکھنے والے روجر بیکن کو ماڈرن سائنس کا موجد قرار دیا جاتا ہے۔وہ یونانی، لاطینی اور دیگر قدیم زبانوں کا ماہر تھا۔وہ یونیورسٹی آف آکسفورڈ اور یونیورسٹی آف پیرس میں پروفیسر رہا۔اس کا خیال تھا کہ ٹیکنالوجی کے ذریعے قدرت کے پوشیدہ راز وا کئے جاسکتے ہیں۔کتاب دانیال کی پیشن گوئی کے مطابق آخری دور میں لوگ ہر جانب سفر کرنے اور علم حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔اس کا کہنا تھا کہ نقل وحمل کی وہ تیز رفتاری سائنسی زندگی کی جانب اشارہ کرتی ہے۔لہٰذا ہمیں سرعت کے ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی راہیں ہموار کرنی ہوں گی۔اس سلسلے میں اس نے پوپ کلیمنٹ چہارم سے رابطہ کیا اور اپنے ٹھوس دلائل کی وجہ سے اسے اپنا حمایتی بنالیا۔پوپ نے اس کی ریسرچ کے لئے اسے خطیر رقم عطا کی لیکن ساتھ ہی ہدایت کی کہ وہ اپنا کام پوشیدہ طور پر انجام دے۔

اب مالی لحاظ سے وہ خود کفیل ہو چکا تھا۔اس نے ہسپانیہ اور دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کی تصانیف اکٹھی کیں اور ان کا ترجمہ کیا۔یوں اس کے ہاتھ مسلمانوں کی ترجمہ کی ہوئی یونانی اور ہندی (خصوصاً سندھی بدھسٹ) کتب بھی آگئیں۔اس نے حسن ابن الہیثم کی آپٹکس اور ابن سینا کے علم طب پر خصوصی توجہ دی۔دسویں صدی ہجری کے بعد لاطینی اور دوسرے مغربی ماہرین اور کاروباری افراد نے کثرت سے مسلمانوں کے علاقے خصوصاً ہسپانیہ اور سیسلی کے دورے شروع کر دیئے تھے۔

وہ عربی کتب اکٹھی کرتے اور عربی بولنے والے افراد کی مدد سے ان کا ترجمہ کرتے تھے۔ انہی میں سے ایک نادر کتاب سرالاسرار یا رازوں کا راز بھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جب مقدونیہ کے سکندر نے سلطنت ایران کو فتح کیا تو ارسطو نے وہ دستاویز اسے بھجوائی تھی۔ نویں صدی ہجری میں خلیفہ المامون کے زمانے میں ابویحییٰ ابن البطریق نے اسے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب میں الکیمی، علم فلکیات، علم طب، اور پودوں اور قیمتی پتھروں کی مافوق الفطرت خصوصیات درج ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کتاب قدرتی تپش اور موسمیات کی معلومات سے بھری پڑی تھی۔ بیکن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بیس سال تک وہ نادر کتب خریدتا رہا۔ انہی کتب میں سرالاسرار کی لاطینی کاپی بھی تھی۔ اس کتاب نے بیکن کے پرتجسس دماغ پر گہرا اثر ڈالا۔ اس نے اپنی تصانیف میں سب سے زیادہ اسی کتاب کے حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ اس کے تجربات الہیثم اور سرالاسرار کے مرہون منت تھے۔

روجر بیکن نے دو انسائیکلو پیڈیا اور کئی ایک چھوٹی کتب مرتب کیں۔ اوپس میجس (بڑا کام) اور اوپس مائنر (چھوٹا کام) اس کی اہم تصنیفات ہیں۔ اس نے اوپس میجس میں حساب، جغرافیہ، علم فلکیات، الکیمی، طب اور علم بصریات کے مضامین پر بحث کی تھی۔ علم بصریات دراصل روشنی کے قدرتی اصول سمجھنے کا اہم ذریعہ بھی تھا۔ علم حساب اور فلکیات کے مطالعے کی وجہ سے اس نے کیلنڈر کی اصلاحی تجاویز بھی پیش کیں۔ اس وقت تو اس کے نظریات رد کر دیئے گئے لیکن 1582 میں پوپ گریگری سیزدھم نے بالکل اس کی طرز پر کیلنڈر ترتیب دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ مغربی دنیا کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں یہ مضامین شامل ہونے چاہئیں۔ گو کہ بیکن انگریز تھا لیکن اس وقت گرجا کی زبان لاطینی تھی۔ اسی وجہ سے اس کی تصنیفات اسی زبان میں ہیں لیکن اس نے قدیم کتب اور صحائف کی زبان پر بھی عبور حاصل کیا تھا۔ وہ انگریزی کے علاوہ عربی، آرامی، عبرانی اور لاطینی زبان کا ماہر تھا۔ زبان دانی کی اسی صلاحیت کی وجہ سے اس نے تنخ اور بائبل کے قدیم نسخے پڑھے تھے اور پوپ کو ترجمے کی بعض فاش غلطیوں سے آگاہ بھی کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ان تراجم میں جا بجا یا تو ترجمہ غلط ہے یا پھر اس کی تفسیر غلط کی گئی ہے۔

البتہ اس نے سب سے زیادہ کام جغرافیہ پر کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ نقل و حمل کے ذرائع کو جتنی ترقی دی جائے گی، مشنریوں کا کام اتنا ہی آسان ہوتا چلا جائے گا اور عیسائیت دنیا کے مختلف علاقوں تک پہنچ جائے گی۔ اس کے علاوہ اس کا کہنا تھا کہ جینیسز 19:2 کے مطابق حضرت آدم کے پاس قاموسی

(انسائیکلو پیڈک) علم تھا۔ لہٰذا مشنریوں کو جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی ٹریننگ دینی چاہیے، تاکہ وہ اپنے موقف کا جدید طریقوں سے دفاع کر سکیں اور دجال کے مقابلے کے لئے تیار رہوں۔ اس کے علاوہ اس نے تجویز پیش کی کہ ایک اکیڈمی آف سائنس قائم کی جائے۔ جس میں مختلف شعبوں کے سائنسدان تکنیکی ماہرین کے ساتھ مل کر کام کریں تاکہ سائنسی میدان میں تیزی کے ساتھ ترقی کی جا سکے۔ چرچ کے چند ذمہ دار افراد کو ان کا سپروائزر بنا دیا جائے تاکہ سائنسی ایجادات عیسائی عقائد سے تجاوز نہ کریں۔

پوپ کلیمنٹ کی وفات کے بعد بیکن کی مالی معاونت بند ہو گئی۔ گرجا کی اکثریت سائنسی تجربات کے خلاف تھی۔ ان کا خیال تھا کہ انسانی عقل خدا کی خلقت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اور ایسی جسارت خدا کی حاکمیت کو للکارنے کے مصداق ہے۔ اس جانب سے مایوس ہو کر اس نے شاہ برطانیہ تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ صلیبی جنگوں کا زمانہ تھا۔ تاج برطانیہ بری طرح سے اندرونی خلفشار اور بیرونی معاملات سے الجھا ہوا تھا۔ جب تیر و تلوار چل رہے ہوں تو علم و حکمت اور سائنسی ترقی پس پشت چلے جاتے ہیں۔ جب اس کی شنوائی کہیں نہ ہوئی تو اس نے فرانسیئم گرجا گھر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور اس کے ساتھ ہی اپنی تیسری کتاب پر کام کرنا شروع کر دیا۔

روجر بیکن آغاز سے ہی مزاج کا تیز تھا۔ وہ تیزی سے بھڑک جاتا اور آسانی کے ساتھ دوسروں پر تنقید کرتا تھا۔ پے در پے ناکامیوں سے گھبرا کر اس کے چڑچڑے پن میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اپنی تیسری کتاب میں اس نے کسی کو بھی نہ بخشا اور شاہی خاندان، گرجا کے اہم افراد اور عام لوگوں پر کھل کر تنقید کی۔ گو کہ اس نے اپنا مسودہ ہر ایک سے پوشیدہ رکھا لیکن بدقسمتی سے وہ کسی مخالف کے ہاتھ لگ گیا۔ اس نے مسودہ گرجا کی انتظامیہ تک پہنچا دیا۔ گرجا کے اندر ہی بیکن کے خلاف مقدمہ چلایا گیا اور اسے گرجے کے اندر نظر بند کر دیا گیا۔ گو کہ اسے اتوار کی عبادت میں بیٹھنے کی اجازت دے دی گئی تھی لیکن اس کے بولنے اور اپنے نظریات کا پرچار کرنے پر پابندی تھی۔ یوں اس نے چودہ سال پیرس کانونٹ کی ایک کوٹھڑی میں گزار لئے۔ آخر کار جب گرجا کی انتظامیہ بدلی تو اسے رہا کر دیا گیا۔ وہ لندن واپس آ گیا لیکن اس وقت اس کی عمر اسی (80) سال ہو چکی تھی۔ اس کے پاس نہ تو طاقت تھی، اور نہ ہی مالی معاونت۔ لہٰذا اس نے اپنی زندگی کے آخری سال کڑھتے ہوئے گزار دیئے۔

اس کی موت کے بعد اس کی قابل قدر تصنیفات کو چھپا دیا گیا۔ اور اسے بریزن ہیڈ کا موجد اور

جادوگر کہا گیا جو سیسہ سے سونا بنانے کی تراکیب جانتا تھا۔ بریزن ہیڈ کی یہ کہانی ہے کہ بیکن نے مسلمانوں کی کتب کی مدد سے سات سال کی محنت شاقہ کے بعد کانسی کی ایک کھوپڑی تیار کی تھی۔ جب اس کھوپڑی سے سوال کیا جاتا اور اس کے نچلے جبڑے کو چھوا جاتا تو وہ سوال کا جواب دیتی تھی۔ سولھویں صدی میں سائنسدانوں نے اس کی خدمات کا اعتراف کیا اور اسے یورپ میں تجرباتی سائنس کا موجد قرار دیا لیکن تیرھویں صدی میں یورپ ڈارک ایج سے گزر رہا تھا۔ گو کہ مسلمانوں کی سائنسی پیش رفت ان کے سامنے تھی۔ اور روجر بیکن جیسے سائنسدان نے اسے سمجھنے اور مغربی سائنسدانوں کو سمجھانے میں سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ لیکن یورپی مذہبی اور علمی رہنما یونانی فلسفیوں کے دقیانوسی عقائد کے علاوہ کسی اور کی پیروی کرنے کو تیار نہ تھے۔ سولھویں صدی میں روجر بیکن پر بہت کچھ لکھا گیا۔ ولیم ویول کہتا ہے کہ وہ اپنے وقت سے بہت آگے تھا۔ اسے کئی صدیوں بعد پیدا ہونا چاہئے تھا۔ تاکہ اس کے نظریات وافکار کی قدر ہو سکے۔ اس نے اپنی کتب میں جہازوں، آبدوزوں اور گاڑیوں کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ انیسویں صدی کے سائنسدانوں کا خیال تھا کہ اس نے آمدورفت کے ان ذرائع کی پیشنگوئی کی تھی۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کی تصنیفات میں ان کے ڈیزائن کے اصول پڑھے تھے۔ اور خیال پیش کیا تھا کہ مغربی اقوام بھی انہی اصولوں پر کام کرتے ہوئے آمدورفت کے ترقی یافتہ ذرائع ایجاد کر سکتی ہیں۔

کرسٹوفر کولمبس بھی اپنی بعض یادداشتوں میں بیکن کے نقشہ جات کا ذکر کرتا ہے۔ بعد ازاں آئزک نیوٹن اور رابرٹ بوائل جیسے نامور سائنسدانوں نے بھی اس کے نظریات سے فائدہ اٹھایا۔ (Ferris,1988)

پندھویں صدی میں ملینیمنری تماسو کمپانیلا کا خیال تھا کہ ہمیں قیامت صغریٰ سے بچنے کے لئے ایسے جہاز بنانے چاہئیں جو چاند اور مشتری تک کا سفر کر سکیں۔ ایک خط میں وہ اپنے دوست گلیلیو کو لکھتا ہے کہ:

بائبل کے الفاظ میں نے ایک نئی زمین اور آسمان دیکھا کے نئے معنی دریافت کرو۔
آدم کو جس جنت سے نکالا گیا تھا، شاید وہ جنت چاند پر تھی۔

سولھویں صدی میں بائبل کا انگریزی ترجمہ ہوا اور سترھویں صدی تک وہ کتاب کئی ایک علوم وفنون اور سائنسی تحقیقات کا سرچشمہ بن گئی۔ علمی حلقوں کے لئے حضرت آدم کا جنت سے اترنا اور کامیابی کے

ساتھ اس دنیا میں آباد ہونا بہت بڑا محرک ثابت ہوا۔ ان کا کہنا تھا کہ حضرت آدم قدیم کاریگر تھے، اور اس دور کی ٹیکنالوجی کے ماہر۔ حضرت آدم نے اپنی نسلوں کو علم نافع سکھایا اور حضرت موسیٰ کے دور تک انسان کئی ایک علوم کے ماہر بن چکے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مزاہب عالم نے روز اول سے انسانوں کی ہر قسم کی روحانی اور مادی ترقی کا انتظام کیا۔ ہر مذہبی کتاب مختلف قسم کے علوم کا خزینہ ہے۔ انبیاء اکرام کو وحی کے ذریعے تعلیمات دی گئیں۔ اور یہ تعلیمات قلم بند کرنے اور دوسرے انسانوں کو منتقل کرنے کی ہدایات دی گئیں۔ اس کے علاوہ انسان کو بتایا گیا کہ ہر شے اس کے لئے مسخر کر دی گئی ہے اور اسے قدرتی مظاہر پر غور و فکر کرنے کی بھی کھلی دعوت دی گئی۔

بائبل کے انگریزی ترجمے کے بعد مغربی سائنسدانوں میں قدیم صحائف اور آسمانی کتب کی نئی تشریحات کا دور شروع ہوا۔ اس وقت کے رواج کے مطابق تقریباً تمام سائنسدان مذہبی ہوا کرتے تھے اور ان کا نقطہ نگاہ ہر شے سے زیادہ آخری زمانوں میں بپا ہونے والی قیامت صغریٰ سے بچنا، اینٹی کرائسٹ یا دجال کا مقابلہ اور مملکت خداداد کی قبل از وقت تیاری تھا۔ وہ حساب دان تھے، لہٰذا تورات یا بائبل سے حساب لگاتے۔ وہ ماہر فلکیات بھی تھے، لہٰذا افلاکی اجسام کا مطالعہ کرتے اور نت نئے نظریئے قائم کرتے تھے۔ وہ کیمیا دان تھے اور اسی وجہ سے ہر قسم کے زمینی عناصر، خصوصاً دھاتوں کا تجزیہ کرتے، ان کی خصوصیات معلوم کرتے اور انہیں اپنے فوائد کے لئے استعمال کرتے تھے۔ وقت اور زمانہ ان کا تھا۔ حکومت، طاقت اور دولت ان کے گھر کی باندی تھی۔

البتہ یہ بھی اہم ہے کہ انہوں نے اپنی زندگیوں کو اپنے مقاصد کے لئے وقف کر دیا تھا اور وہ اپنے اہداف کے ساتھ مخلص تھے۔ سولھویں اور سترھویں صدی میں یہودیت اور خصوصاً عیسائیت نے سائنس کی مذہبی اور دنیاوی افادیت کو تسلیم کر لیا تھا اور فریقین ہاتھ ملا کر شانہ بشانہ زندگی کی راہوں پر گامزن تھے۔

اگر ایسا ہی تھا، جیسا ہم نے بیان کیا تو بھلا سیکولر سائنس کا جھنڈا کیوں بلند کیا جاتا ہے؟ جب پہلی مرتبہ ہمیں معلوم ہوا کہ تیرھویں صدی سے لے کر اب تک کی سائنس کی بنیاد مذہبی ہے تو ہمیں حیرت کا جھٹکا لگا۔ کیونکہ سیکولرازم کو ماڈرن ازم کا پیشرو بتایا جاتا ہے۔ اور دنیا کو سائنس کا سیکولر چہرہ دکھایا جاتا ہے لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔ گویا کہ چست لباس میں ملبوس الہڑ دوشیزہ کے پیچھے تہہ در تہہ پردوں میں ایک شرمیلی دلہن کو چھپا دیا گیا ہو۔ بحر حال اس وقت حکمرانی ان کی تھی۔ انہوں نے اپنے مقاصد کی خاطر جب

چاہا مذہبی سائنس پر سیکولرازم کا بھاری پردہ ڈال دیا۔ جس طرح پوپ نے بیکن کو متنبہ کیا تھا کہ اپنی تحقیق کو پوشیدہ رکھے، بالکل اسی طرح سے ماڈرن سائنس کا ایک رخ عیاں اور دوسرا پنہاں ہے جو آج بھی اسرار کے دبیز پردوں میں چھپا ہوا ہے۔

یہاں پر ہم تورات اور بائبل کی سائنسی معلومات کا اندازہ لگانے کے لئے چند اقتباسات پیش کریں گے۔ وقت کی کمی کے باعث ہم نے ان کی شرع اور تفاسیر پر بحث نہیں کی۔ لیکن ہمیں انکار نہیں کہ وہ تفاسیر مغربی سائنسدانوں کے لئے سودمند ثابت ہوئی ہوں گی۔

حضرت ادریس کی کتاب حنوک اول تورات کی قدیم ترین کتابوں میں ہے۔ اس کے مطابق علم و حکمت ذات باری تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ جو علم انہیں دیا گیا ان سے پہلے کسی کو نہ دیا گیا تھا اور اس نے انسانی سینے کو علم حکمت سمجھنے کے لئے وا کر دیا ہے۔ پیغمبر ادریس کے مطابق خداوند کریم کے فرشتے بارہا انہیں اٹھا کر افلاک تک لے گئے اور انہیں نہ صرف افلا کی بلکہ زمینی علم سے بھی فیض یاب کیا۔ تنخ اور عہد قدیم میں انہیں حنوک کاتب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم نہ صرف تختیوں پر محفوظ کیا بلکہ اپنی نسلوں کو سکھایا۔ اور انہیں ہدایت کی کہ اسے آئندہ نسلوں تک بھی پہنچائیں۔ پیغمبر ادریس کے مطابق انہیں ہوا چلنے کے اصول اور راستے دکھائے گئے، اور ان کے زمین و آسمان کے درمان مستقر ہونے کے طریقے، اور ہوا کی وہ اقسام جو بادلوں کو اپنے سینے پر لئے اڑتی ہیں، اور وہ جو افلاک کو لئے پھرتی ہیں وغیرہ۔ یا یہ کہ،

۔۔۔ اور غور کرو کہ افلا کی اجسام نہ تو اپنا راستہ بدلتے ہیں نہ ہی اوقات۔ موسموں پر غور کرو کہ وہ کیسے بدلتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ سالہا سال تک جاری رہتا ہے۔ (حنوک کتاب اول)۔

۔۔۔ اور مجھے دکھایا گیا کہ انسانوں پر میزان کس طرح قائم کیا گیا۔ اس کے علاوہ میرے سینے پر آندھی، طوفان، آسمانی بجلی، بادلوں اور شبنم کے اسرار کھولے گئے۔ سورج اور چاند کے جوف (چیمبرز) اور ان کی گردش کے راستے دکھائے گئے، اور ستاروں کے اسماء یاد کرائے گئے۔ (حنوک کتاب 2)۔

۔۔۔ اور طلوع و غروب آفتاب کی چھ چھ (بارہ) گزرگاہیں، اور اسی طرح طلوع و غروب چاند کی چھ چھ گزرگاہیں، ان کی روشنی زمین تک پہنچنے کے اصول اور ستاروں کی گزرگاہیں دکھائی گئیں۔ اور ان کی حرکات کے اصول سکھائے گئے۔'

اور شمسی و قمری سال کے دن گننے کے اصول و ظوابط۔ گرمی، سردی اور دیگر موسموں میں دن رات

کے بڑھنے اور گھٹنے کے اصول اور بارش، طوفان اور شبنم گرنے کے طریقے سمجھائے گئے۔

حضرت ادریس نے بزرگ سالی میں اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ: اور اے میرے بیٹے میتھوسلا! میں نے ہر بات تمہیں تعلیم کر دی ہے، اور لکھ دی ہے۔ اب تم ان کتابوں کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر لو۔

اس کے علاوہ تورات کی کتاب حکمت سلیمان سائنسی تحقیقات کی کنجی ہے۔ اس کتاب کے مطابق حضرت سلیمان نے حکومت، فرمانروائی اور حتیٰ کہ جسمانی صحت پر بھی علم و حکمت کو فوقیت دی۔ انہوں نے فرمایا کہ خدا نے انہیں کائنات کی ساخت اور اس کے عناصر کے عوامل، سالوں کے چکر، ستاروں کے مقامات، زندہ اجسام کی ترکیبات اور عوامل، پودوں کی اقسام اور جڑوں کے فوائد اور بدروحوں کی شدید طاقتوں کا علم عطا کیا۔ اس نے مجھے عیاں اور خفیہ تمام علوم پر ماہر بنایا۔ (Sol7:21-17)

اسی کتاب کے ساتویں باب کے مطابق علم و حکمت کو پانچ صحیفوں میں سر بند کر دیا گیا ہے۔ علم و حکمت خدا کی جانب سے ہے اور قدرتی سائنس کی تمام شاخیں اس سے منسلک ہیں۔ 22 تا 6:25 کے مطابق علم و حکمت کے تمام اسرار ایک دن عیاں ہو جائیں گے۔

دی ایکسوڈس (بنی اسائیل کی مصر سے ہجرت) کے مطابق حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں نے علم نافع کے ذریعے بحیرہ احمر کے گہرے پانی پار کئے۔ اس میں اتنی طاقت ہے کہ وہ گونگے کو زبان عطا کرتا ہے اور نوزائیدہ بچے کو بولنے کے قابل بناتا ہے۔ (10:15-21)۔ اور جو اس کے نشانات ڈھونڈتے ہیں خدا انہیں مادی نقوش دکھاتا ہے۔

دی جینیسز 1 (پیدائش کی کتاب) میں لکھا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی شباہت میں بنایا۔ تاکہ وہ زمین پر رہے، کھائے پیئے، آباد ہو اور اسے مسخر کرے۔ سمندر کی مچھلیوں، ہوا کے پرندوں اور ہر متحرک شے پر اسے حکومت دی گئی ہے۔ (Weitzmen,2011)

سترھویں صدی کے مذہبی رہنماؤں، فلسفہ دانوں اور سائنسدانوں کا خیال تھا کہ کائنات ابھی نامکمل ہے۔ بائبل کے الفاظ نئی تخلیق کی شرح میں وہ بیان کرتے تھے کہ ملینیئم کے دوران اللہ تعالیٰ اس کائنات کو دوبارہ سے تشکیل دے گا۔ اس وقت کا مشہور اٹالین ماہر فلکیات جوہانس کیپلر بھی چاند پر انسان کے آباد ہونے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ اس نے بنیادی طور پر پادری کی تعلیم حاصل کی تھی۔ بعد ازاں اس نے گرجے کی بجائے سائنسی تعلیم کو چنا۔ اور آخر کار وہ فزکس کا پروفیسر بنا، لیکن وہ تمام عمر

مذہبی خیالات کا حامل رہا۔ اسے سترھویں صدی کے سائنسی انقلاب کے بانیوں میں سے ایک تصور کیا جاتا ہے۔ وہ ماہر فلکیات، ماہر نجوم، حساب دان اور فزکس کا ماہر تھا۔ اس کی شہرت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ بادشاہ روڈالف دوم نے اپنے دربار میں اسے ماہر حساب اور ماہر نجوم کے طور پر ملازم رکھ لیا۔ وہاں اس کا کام بادشاہ کے خاندان، اس کے دوستوں اور دیگر خارجی وفود کے زائچے تیار کرنا، مشکل حالات میں بہتری کے راستے دکھانا اور مستقبل کے حالات کے بارے میں آگاہ کرنا تھا۔ بعدازاں اس نے فلکی سیاروں کی حرکات کے تین اصول وضع کئے۔ اس نے واضح کیا کہ سیارے گول کی بجائے بیضوی مدار میں حرکت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے مریخ کا حجم معلوم کرنے کی بھی کوشش کی۔ یاد رہے کہ آئزک نیوٹن نے کائناتی کشش ثقل کے اصول وضع کرتے ہوئے کیپلر کی تحقیق سے بھی فائدہ حاصل کیا تھا۔ (Isaac,1670)

کیپلر کو یقین تھا کہ سائنسدان مستقبل قریب میں خلائی جہاز بنانے کے قابل ہو جائیں گے تاکہ کچھ لوگ چاند پر جا کر آباد ہو جائیں۔ اس کے دور حیات میں کئی ایک غیر معمولی افلا کی واقعات پیش آئے جن کی بنا پر ہر ایک نے اندازہ لگایا کہ کرہ ارض کا آخری وقت آن پہنچا۔ وہ مذہبی خیالات رکھنے والا انسان تھا اور بائبل کی آخری وقت کی نشانیوں پر یقین رکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ انسان سائنسی ترقی کے لحاظ سے اس مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں وہ قیامت صغریٰ سے بچنے کے لئے چاند پر سکونت اختیار کر سکتا ہے۔ جب اس نے زمین کے مدار کا حساب لگایا تو گلیلیو کو لکھا کہ آؤ ایتھر میں سفر کرنے والے جہاز بنائیں۔ میں چاند تک پہنچنے والا جہاز بناؤں گا اور تم مشتری کا جہاز بناؤ۔ (Thompson,1902)

کیپلر شاہی دربار سے تعلق رکھنے والا نامی گرامی شخص تھا۔ اپنے وقت اور زمانے کے لحاظ سے وہ اعلیٰ ترین ذہنی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اس کی فلکی تحقیقات بھی غیر معمولی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ خواص اور عوام کو دلکش تصورات دے رہا تھا۔ لہٰذا قدرتی طور پر اس کے خیالات زبان زد عام ہو گئے۔ اسی کے خیالات سے متاثر ہو کر رائل سوسائٹی آف لندن کے موجد جون ولکنز نے لکھا کہ آدم کی جنت کسی افلا کی جسم میں واقع تھی، عین ممکن ہے کہ وہ چاند ہی ہو۔

اٹھارویں صدی میں برطانیہ کے سرویئر تھامس رائٹ نے جب اپنی مشہور کتاب The Original Theory or New Hypothesis of the Universe یعنی کہ حقیقی نظریات یا کائنات سے متعلق نئے مفروضے لکھی تو اس کا مقصد خدا کی بنائی ہوئی کائنات کی خصوصیات واضح کرنا

تھا۔اس نے انہی عزائم کو پورا کرنے کے لئے علم نجوم پر بھی عبور حاصل کیا۔ بعدازاں علم فلکیات کے ماہر کانٹ نے اس کتاب سے تین اہم اسباق حاصل کئے اور نئی کہکشائیں دریافت کیں۔ان اسباق میں ایک یہ تھا کہ کہکشاوں کے جو ستارے ساکن نظر آتے ہیں وہ دراصل ایک خاص سمت میں حرکت کر رہے ہیں۔ان نظریات پر مزید تجربات ہوتے رہے اور کائنات کے کئی ایک اسرار انسان پر کھلتے چلے گئے۔ آخر کار آئن سٹائن نے نظریہ پیش کیا کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے اور کہکشائیں ایک دوسرے سے دور ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ یہاں تک کہ انہی تصورات کو سامنے رکھتے ہوئے نظریہ اضافت اور کوانٹم تھیوری پیش کی گئی جس نے انسان کو آج کے اٹامک دور تک پہنچایا۔

اٹھارھویں صدی سے تعلق رکھنے والے جوزف پریسلے نے بجلی پر اولین تصورات پیش کئے۔اس نے پہلی مرتبہ کاربونیٹڈ پانی بنایا تھا جو انیسویں صدی میں پیپسی اور کوکا کولا کی ایجاد کا باعث بنا۔ البتہ اس کی سب سے اہم دریافت آکسیجن تھی۔اس وقت پریسلے نے اس گیس کو نام نہیں دیا صرف اس کی خصوصیات بیان کیں۔ بعدازاں لیوائے نے اسے آکسیجن کا نام دیا۔وہ اپنے ایک خط میں لکھتا ہے کہ ایسے وقت میں جب انسانیت ہزاروں سالوں سے ہوا کے ایک عنصر ہونے پر اعتقاد رکھتی ہے تو اسے گیسوں کا مجموعہ ثابت کرنا بہت مشکل ہے لیکن یہی حقیقت ہے۔

بنیادی طور پر انتونی لیوائے ایک مذہبی پیشوا تھا۔وہ برطانیہ میں کئی ایک چھوٹے گرجوں میں پادری رہا۔لیکن وہ ٹرینیٹی (خدا، ماں اور بیٹا) کا قائل نہیں تھا۔وہ خدا کی وحدانیت کا قائل تھا۔اس کا کہنا تھا کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے نہیں بلکہ انسان تھے لیکن وہ مکمل رہبر کا درجہ رکھتے تھے۔عیسائیت کی اولین صدیوں میں چرچ صرف خدائے واحد کا ماننے والا تھا۔ٹرینیٹی کا تصور کئی صدیوں کے بعد گرجا گھروں میں داخل ہوا۔اس نے انہی عقائد کی بنا پر یونیٹیرین گرجا گھر کی بنیاد رکھی۔ البتہ اس کے ترقی پسند خیالات دیگر گرجا گھروں کے لئے ناقابل برداشت تھے۔اسی وجہ سے ایک سے زیادہ مرتبہ اس کے گرجا گھر اور ذاتی گھر کو آگ لگائی گئی۔ وہ بمشکل اپنی اور اپنے خاندان کی جان بچا کر اپنے آبائی شہر سے بھاگ نکلا۔

آخر کار اس نے برطانیہ سے ہجرت کی اور امریکہ آباد ہو گیا کیونکہ اس وقت امریکی معاشرہ ترقی پسندانہ خیالات کے لئے بہترین تجربہ گاہ کا کام دیتا تھا۔اس کے بعد وہ تمام عمر مذہبی سائنس اور صنعت وحرفت کی تبلیغ کرتا رہا۔اس نے بہت سی گیسیں حتیٰ کہ آکسیجن پر بھی کام کیا۔اس نے

اوائل جوانی میں ہی عبرانی، سریانی اور کلدانی زبانوں پر عبور حاصل کر لیا تھا تا کہ آسمانی کتب اور صحائف کے اصل معنی اخذ کر سکے۔ اس نے عہد قدیم کی کتاب دانیال اور عہد جدید کی دی ریویلیشنز پر شرح لکھی۔ وہ کتاب دانیال سے اقتباس پیش کرتا ہے کہ ملینیئم علم، فضیلت اور مسرت کا زمانہ ہوگا۔ اس وقت مملکت خداداد قائم ہوگی۔ ولیوں کو عروج ملے گا اور حضرت عیسیٰ ہزار سال تک حکومت کریں گے۔ (Herbermann,1913)

اپنی کتاب دی ملینیئم اور فرانسیسی انقلاب میں وہ لکھتا ہے کہ خدا نے کائنات کی پیدائش اور اس کی زندگی کے ٹھوس قوانین بنائے اور اب وہ کائنات کو خاتمے کی جانب لے کر جا رہا ہے۔ لیکن یہ سب حتمی بھلائی کے لئے ہے۔ میں جتنا اس معاملے پر غور کرتا ہوں اتنا ہی اطمینان حاصل کرتا ہوں۔ چونکہ اس کائنات کی ترتیب اس قدر بہترین ہے، تو یقیناً اس کا خاتمہ بھی بہترین ہوگا۔ (Priestley,1973)

مائیکل فیراڈے اور جیمس کلرک میکس ویل بجلی کے موجد اور برقی مقناطیسی قوتوں کے ماہر تھے۔ وہ دونوں کٹر عیسائی تھے اور انہوں نے بائبل کے اصولوں کے مطابق زندگی گزاری۔

انیسویں اور بیسویں صدی کے سائنسدان زیادہ تر پادری تھے۔ جارج لیمیٹیئر بیلجیئم کا رہنے والا پادری اور حساب دان تھا۔ اس نے سب سے پہلے کائنات کی تشکیل کا نظریہ پیش کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ آخر کائنات وجود میں کیسے آئی؟ جو کہکشائیں آج ملین آف لائٹ ایئر دور ہیں وہ کبھی ایک دوسرے کے بہت قریب رہی ہوں گی۔ اور اس نئی نویلی کائنات کی کثافت ناقابل یقین حد تک زیادہ ہوگی۔ اس کا کہنا تھا کہ کائنات کی عظیم الشان کثافت کی وجہ سے اس کے ایٹم پھٹ گئے۔ وہ ایک عظیم الشان ہنگامہ رہا ہوگا، زیرو پوائنٹ، جب نہ کوئی دن تھا نہ ہی رات۔ بعد ازاں فریڈ ہوائل نے اس مظہر قدرت کو بگ بینگ کا نام دیا۔ اس نے علم کائنات کا رابطہ نیوکلیئر سائنس سے جوڑا یعنی کہ عظیم کائنات کا مہیں نیوکلیئس کے ساتھ رابطہ۔

1933 میں لیمیٹیئر نے کیلیفورنیا میں ایک لیکچر کے دوران کہا کہ آغاز آفرینش میں انتہائی دلفریب آتش بازی کا مظاہرہ ہوا اور اس کے بعد ایک دھماکہ جس کے نتیجے میں خلا دھوئیں سے بھر گیا۔ افسوس کہ ہمارے وجود کی تشکیل اتنے زمانوں کے بعد ہوئی کہ ہم کائنات کی برتھ ڈے کا وہ منظر نہ دیکھ سکے۔ اس لیکچر میں آئن سٹائن بھی موجود تھا۔ وہ جوش جذبات سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اس سے پہلے اس نے کائنات کی پیدائش کی اتنی خوبصورت تفسیر کبھی نہ سنی تھی۔ (جنوری 12، دی نیویارک ٹائمز اور لاس

اینجلس ٹائمز)۔لیمیٹیر کے خیالات نے علم فلکیات میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔اس کے انقلابی نظریات کی بنیاد پر کئی ایک سائنسدانوں نے علم فلکیات کی مختلف شاخوں پر تحقیق شروع کر دی۔

انہی سائنسدانوں میں ایک اہم نام روسی جورج گیمو کا بھی آتا ہے۔اس نے نظریہ پیش کیا کہ بگ بینگ کے بعد کائنات آگ کے گولے کی مانند گرم تھی۔اس کی کثافت اتنی زیادہ تھی کہ مختلف قسم کے ایٹم آپس میں مل کر مالیکیولز بناتے تھے۔ان نظریات کے نتیجے میں نئی تحقیقات کا انقلاب برپا ہو گیا، کئی اقسام کی لہریں اور شعائیں دریافت کی گئیں جن پر جدید زندگی کا انحصار ہے۔ستاروں کے علم کی وجہ سے نیوکلیئر فشن اور فیوژن کے نظریات سامنے آئے اور یوں ایٹم بم اور تھرمو نیوکلیئر ہتھیار، جیسے کہ ایٹم بم وغیرہ بنائے گئے۔

انیسویں صدی کے انگریز سائنسدان چارلز بیبج کو خودکار صنعت وحرفت اور کسی حد تک کمپیوٹر کا موجد تصور کیا جاتا ہے۔وہ کئی علوم کا ماہر تھا۔اس نے بہت سی مکینیکل ایجادات کیں اور کچھ قبل از وقت تصورات بھی پیش کئے جن پر بعد کی صدیوں میں کام کیا گیا۔اس نے فلسفہ، مذہب اور سائنس سے متعلق کئی ایک انجمنوں کی بھی بنیاد رکھی۔جن میں رائل فلکیاتی سوسائٹی آف لندن اہم ہے۔وہ اس سوسائٹی کا اہم ممبر بھی رہا۔اس نے سب سے پہلے کارکنوں کی تقسیم کار کا تصور پیش کیا۔جسے بعد میں کارل مارکس نے اپنایا۔یہیں سے سپیشلائزیشن کے دور کا آغاز ہوا۔آج کی صنعت وحرفت نے سپیشلائزیشن کے اصول کے تحت تیزی سے ترقی کی منازل طے کیں۔بیبج نے ایک متمول لیکن مذہبی گھرانے میں پرورش پائی۔وہ شدت سے خدا کی کارسازیوں کا قائل تھا۔اس نے جس قدر کتب سائنس اور صنعت و حرفت پر لکھیں اتنی ہی مذہب پر بھی تحریر کیں۔وہ اپنی تصنیف (Kirby,2009) میں تحریر کرتا ہے کہ ہم خدائی علوم کو تین طریقوں سے سمجھ سکتے ہیں۔معرفت سے، الہام سے یا پھر قدرتی عناصر اور عوامل کا مشاہدہ کرنے اور ان پر تجربات کرنے سے۔اس کا کہنا تھا کہ مذہب اور سائنس کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔جتنا زیادہ ہم ان عوامل پر تحقیق کرتے جاتے ہیں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ چند سادہ اصول ہر عمل کو چلا رہے ہیں۔(Babbage,1864)

وہ خدائی معجزات پر بھی گہرا اعتقاد رکھتا تھا۔اس کا کہنا تھا کی معجزات ہمیں حیران کر دیتے ہیں کیوں کہ وہ ہمارے لئے نئے ہوتے ہیں، اور ہم ان کا محرک نہیں جانتے۔ہمارے مشاہدات اور تجربات انتہائی محدود ہیں۔لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ قدرتی قوانین کے خلاف ہیں۔

رب تعالیٰ کے بنائے ہوئے بے شمار قوانین ایسے ہیں جن کا علم ہم نہیں رکھتے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ ہمارے پاس کائنات کا ہر علم موجود ہے تو ہم انتہائی ہٹ دھرم ہوں گے۔ اس کا یہ کہنا بھی تھا کہ مکینک آرٹس خدا کی قدرت کے بہترین اور طاقتور مظاہر میں سے ایک ہے۔ ہم جیسے جیسے سائنس میں ترقی کرتے جا رہے ہیں، خدائی طاقت کو سمجھتے جا رہے ہیں۔ ایک روز ہم اس کی منشاء تک پہنچ جائیں گے۔ (Genett&Prestley,1973)

افسوس کہ اس کی موت کے بعد اسی معاشرے نے جس کی بہتری کے لئے اس نے تمام عمر کام کیا، اس کے مردہ بدن کو بھی نہ بخشا۔ بعد از موت اس کا پوسٹ مارٹم کیا گیا اور اس کا دماغ جسم سے الگ کر کے محفوظ کر لیا گیا۔ اس کے بعد مختلف تجربات کے ذریعے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی کہ اس کا دماغ غیر معمولی حد تک فعال کس طرح تھا۔ اس کی پوسٹ مارٹم رپورٹس چھپوائی گئیں تا کہ سائنسی دنیا تک اس کے نتائج پہنچائے جا سکیں۔ افسوس کہ ان تجربات کے نتیجے میں سائنسدانوں کے ہاتھ تو کچھ نہ آیا لیکن مرحوم کا دماغ سپرد خاک بھی نہ کیا گیا۔ بلکہ اسے نمائش کے لئے مختص کر دیا گیا۔ اس پر ستم یہ کہ دو میوزیمز کی چپقلش پر اس کے دماغ کو کاٹ کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ آج اس کا آدھا دماغ ہنٹیرین میوزیم لندن اور باقی ماندہ حصہ سائنس میوزیم لندن میں نمائش پر لگا ہوا ہے۔

فری میسنز جنہوں نے یورپ، لندن اور امریکہ میں صنعت کاری، ہائیڈرولکس، سول اور مکینیکل انجینئرنگ کا آغاز کیا، ان کی جماعت مزہبی بنیادوں پر کھڑی ہے۔ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کو خدائی ورثہ قرار دیتے ہیں۔ عرصہ دراز تک ان کے تعلیمی اداروں میں باقاعدگی کے ساتھ مذہبی رسومات ادا کی جاتی تھیں۔ انہوں نے جدید ترین تعلیم کا آغاز کیا۔ جس کے نتیجے میں پولی ٹیکنیک، نہری نظام، ریل گاڑیوں کا سسٹم، سٹیم بوٹ، آٹو موبائل، حتیٰ کہ ایر کرافٹ میں بھی ترقی کا ایک نیا نظام شروع ہوا۔

انیسویں صدی میں مشہور جرمن جان ایڈولفس ایٹلر نے ملینیئم کو جنت ارضی کا نام دیا تھا۔ چند ہی سالوں کے بعد ہارورڈ یونیورسٹی کے جیکب برگلو نے ٹیکنالوجی کو اس جنت گم گشتہ کی کنجی قرار دیا۔

ٹیلی گراف کا موجد سیموئل مورس امریکن بائبل سوسائٹی کا موجد تھا۔ اس کے نزدیک ٹیلی گراف کی سب سے بڑی افادیت یہ تھی کہ وہ سرعت کے ساتھ بائبل کے پیغام کو دنیا کے مختلف حصوں تک پہنچا دے گی۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ اب ہم اپنی محنت کی فصل کاٹنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اب ہمارے مذہبی خیالات بھاپ اور برقی مقناطیسی قوت رکھنے والی تاروں کے ذریعے دنیا کے کونے کونے

میں پھیل جائیں گے۔(Genett&Priestley,1973)

رابرٹ تھرسٹن (1902) کا کہنا تھا کہ سائنس اور مزہب کی سچائی ایک ہے۔انجینئرنگ خدائی طریقوں کا مظہر ہے۔الہام اور پیشن گوئیوں کا پھل ہم نے ماڈرن سائنس کی صورت میں پایا ہے۔ تھرسٹن کا باپ سٹیم انجن کے موجدوں میں سے ایک تھا۔اور وہ خود بھی سٹیم پاور کا ماہر تھا۔

اس کے باوجود انیسویں صدی میں رائل سوسائٹی آف لنڈن نے مخصوص مقاصد کے تحت سائنس اور مذہب کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔گو کہ اس صدی میں سائنسی اصطلاحات کے لئے سیکولر لغت عام ہوگئی۔لیکن مذہبی جذبہ پس آئینہ رہ کر سائنسی ترقی کے لئے کام کرتا رہا۔پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے دوران نیوکلیر سائنسدانوں نے اپنے آپ کو انسانیت کا نجات دہندہ قرار دیا۔ جس طرح سات صدیاں پہلے روجر بیکن نے مذہب کو بنیاد بنا کر پوپ کو نئی ایجادات کے لئے آمادہ کیا تھا بالکل اسی طرح سے تب بھی ماہرین نے امریکہ کے حکمرانوں کو مشورہ دیا کہ دجال سے بچنے کے لئے جرمنی کی تجربہ گاہوں سے سیسہ چرالیا جائے۔(Noble,1997)

رابرٹ بوائل اور آئزک نیوٹن کے تجربات کے پیچھے بھی یہی خواہش پنہاں نظر آتی ہے۔وہ دونوں الکیمی اور فلسفہ کے ماہر تھے۔ان دونوں نے عبرانی، لاطینی اور قدیم یونانی زبانوں پر بھی عبور حاصل کیا تاکہ وہ کتب الہیہ کی اصطلاحات کے اصل معنی اخذ کر سکیں۔نیوٹن کا کہنا تھا کہ سائنسی حقائق اور کائناتی قوانین کی سمجھ بوجھ اپنے خالق سے قریب ترین ہونے کا بہترین ذریعہ ہے لیکن بحر حال یہ ایک لامحدود کام ہے۔وہ تمام عمر خدا اور قدرتی مظاہر کے باہمی رابطے کا متلاشی رہا۔

اس کا خیال تھا سورج، سیاروں اور دم دار ستاروں کے خوبصورت نظام کو چلانے والا کوئی تو ہے۔ ایک عظیم الشان حکمت والی ہستی جو ہر کو چلا رہی ہے۔وہ کائنات کی روح نہیں بلکہ اس کا مالک ہے۔وہ عظیم الشان خدا لازوال، ابدی، مکمل اور بے عیب ہے۔اس نے یہ بھی لکھا کہ خدا کی مخالفت دہریہ پن ہے۔دہریہ پن ایک ناگوار رجحان ہے جو بے حیائی اور بے حسی پیدا کرتا ہے۔(Thayer,1953)

بوائل اپنی کتاب یوز فلنس (افادیت) میں لکھتا ہے کہ قدرت، سائنس، خدا اور انسان ایک اٹوٹ رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اور یہ سائنسدانوں کی انتھک محنت کا نتیجہ ہوگا کہ ہم ملینیئم میں آدم سے زیادہ علم رکھتے ہوں گے۔اس کا خیال تھا کہ خدا انسان کو سائنسی ترقی کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔ آسمانی کتب میں جگہ جگہ اس امر کے اشارے موجود ہیں۔البتہ اس نے انسانیت کو آگاہ کیا تھا کہ کشش

ثقل کو مت چھیڑنا۔ کائنات ایک مشین کی طرح ہے۔ جس کا مرکزی پرزہ کشش ثقل ہے۔ اسے چھیڑنے سے کائنات کا توازن خراب ہو جائے گا۔

اس نے اپنے ہم عصر سائنسدانوں کو منطقی سوچ کی تربیت دی۔ اس کا خیال تھا کہ تورات اور بائبل میں ہزاروں اسرار چھپے ہوئے ہیں، جن پر غور و فکر کرنا انسان کا کام ہے۔ وہ علم اعداد کا بھی قائل تھا۔ اس کے نزدیک تمام کائنات ہندسوں سے بنی ہوئی تھی۔ درحقیقت یہودی زمانہ قدیم سے تورات کے چھپے ہوئے حسابی ڈھانچے کے قائل تھے۔ انہوں نے اعداد کا تفصیلی علم رائج کیا اور اس کے ذریعے تورات کی کئی ایک تشریحات پیش کیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ تورات کا ہر لفظ انتہائی منصوبہ بندی سے پیش کیا گیا ہے جو انسانی دماغی صلاحیتوں اور سوچ سے بالاتر ہے لیکن ان کا کہنا یہ بھی تھا کہ بائبل کے خفیہ حروف کے پیچھے تاریخی واقعات چھپے ہوئے ہیں۔ علم اعداد کے ذریعے ان واقعات کی نشاندہی ممکن ہے۔ بعد ازاں عیسائیوں اور مسلمانوں میں بھی علم اعداد رائج ہو گئے۔

سترھویں صدی کے اواخر میں نیوٹن نے مخفی حروف کے بارے میں کئی پمفلٹ لکھے اور عیسائی برادری میں تقسیم کئے۔ اس کے بعد اس نے لکھا کہ وہ بائبل سے اہم سائنسی پیغامات اخز کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ 2060 تک دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لائبریری آف ٹرینیٹی کالج، کیمبرج کے نادر نسخوں کے حصے میں نیوٹن کی ذاتی بائبل رکھی ہوئی ہے۔ اس کے کئی صفحات پر نیوٹن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نوٹس ہیں۔ اس کے علاوہ پانچ سو مقامات پر اس نے نشان لگائے۔ وہ اس کی خصوصی توجہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ (Jolland,2019)

نیوٹن اپنے وقت کا اہم ترین ملینیمنری تھا۔ اس نے زندگی کا بڑا حصہ مستقبل کی پیشنگوئیوں کا مطالعہ کرتے ہوئے گزارا اور دانیال کی پیشنگوئیوں پر چار ضخیم جلدیں مرتب کیں۔ انہی جلدوں میں ایک میں وہ تحریر کرتا ہے کہ اسے یقین ہے کہ وہ نقطے سے نقطہ ملاتا جائے گا اور ایک روز حقیقت کو پالے گا۔ وہ مادی عمل میں خدائی کمال کا متلاشی تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ آسمانی صحف، تاریخ شواہد اور سائنسی حقائق حتمی مشابہت رکھتے ہیں۔ اپنی کتاب دنیا کا خاتمہ، روز قیامت اور مستقبل کی دنیا میں اس نے ملینیئم کا تفصیلی خاکہ پیش کیا ہے۔ اس نے بائبل کے مخفی حروف کو سمجھنے اور ان کی تشریح کے اصول مرتب کئے۔ (Manuel,1974)

اس نے داود کی پیشنگوئیاں اور سینٹ جون کی الوہی کتاب کا مشاہدہ نامی کتاب لکھی۔ اس کتاب

میں وہ لکھتا ہے کہ راست گووں کی ہزار سالہ مملکت کے بارے میں بائبل کی پیشن گوئیاں مقررہ وقت تک پنہاں رہیں لیکن اب خدا کائنات کے راز وا کر رہا ہے۔اس کتاب میں نیوٹن نے قیامت صغریٰ اور دجال کے بارے میں ایسے مشاہدات پیش کئے جو اس سے پہلے کسی نے نوٹ نہیں کئے تھے اور تفصیلی اعداد و شمار اور تصویری خاکے پیش کئے۔اس کے باوجود اس کا کہنا تھا کہ اس کی کاوشیں ایسی ہیں جیسے ساحل سمندر پر کھیلتا ہوا بچہ کچھ کنکریاں اپنے ہاتھ میں اٹھالے۔اس کا خیال تھا کہ دنیا کی تباہی یا قیامت صغریٰ کے برپا ہونے تک عام لوگ بائبل کی پیشن گوئیوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے اور گنہگار شاید اس وقت بھی ان پیشنگوئیوں کی حقیقت کا ادراک نہ کر پائیں۔بحر حال ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم بائبل کا پیغام تمام دنیا میں پھیلا دیں۔نیوٹن کو یقین تھا کہ خدا زمین کو آخری فیصلے اور اس کے بعد ہزار سالہ مملکت خداداد کے لئے تیار کر رہا ہے۔وہ کتاب نیوٹن کی زندگی میں شائع نہیں ہوسکی اور اس کی وفات کے سات سال کے بعد لندن سے شائع ہوئی لیکن کچھ عرصے کے بعد غائب ہوگئی۔اسے 1922 میں دوسری مرتبہ اور 1973 تیسری مرتبہ شائع کیا گیا۔اس کی وفات کے بعد بعض مذہبی اور سیاسی مقاصد کے تحت اس کی سائنسی دریافتوں کو مذہبی انکشافات سے جدا کر دیا گیا۔اس کے سائنسی نظریات پر آج بھی کام ہو رہا ہے،لیکن اس کی مذہبی کتب عام لوگوں کی دسترس سے کوسوں دور ہیں۔مثال کے طور پر انسائکلو پیڈیا بریٹانیکا کے گیارہویں ایڈیشن میں اس کی شخصیت اور سائنسی خدمات پر طویل مضامین تحریر کئے گئے لیکن اس کی مذہبی خدمات پر صرف ایک پیرہ لکھا گیا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تعلیمی حلقوں میں اس کی صرف سائنسی خدمات ہی عام ہوسکیں۔(Charles:1983)

نیوٹن عیسائیت کے عقیدہ ٹرینیٹی کا قائل نہیں تھا۔1690 میں اس نے جون لوک کو بائبل میں دو قابل ذکر تحریفات نامی مراسلہ لکھا۔جون لوک سترھویں صدی کا مشہور ترین انگریز فلاسفر تھا۔اس نے لکھا کہ پیرس کی قدیم لائبریری میں اسے بائبل کا اصلی یونانی نسخہ اور بعد میں کئے جانے والے لاطینی تراجم ملے۔یونانی نسخے میں ٹرینیٹی کا کوئی تصور نہیں تھا۔جبکہ لاطینی ترجمے میں یوحنا 1 اور ٹموتھی 3 میں ٹرینیٹی کا تصور زبردستی ڈالا گیا۔جس کی وجہ سے تحریر کا قدرتی رابطہ ٹوٹ گیا۔اب بھی اگر ہم Tres unum sunt کے الفاظ نکال دیں تو عہد جدید کے جملے آپس میں مربوط ہوجاتے ہیں اور وہ سب رومن چرچ کی شرارت تھی۔اب ہم ایک دقیق اور حساس نقطہ بیان کریں گے۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آسمانی کتب میں تحریف کس قدر احتیاط اور منصوبہ بندی کے ساتھ کی گئی۔دراصل یونانی زبان میں

صرف ایک مہین لائن کے اضافے سے آیت کے معنی بدل دیئے گئے، جس سے ٹرینیٹی کا عقیدہ سامنے آیا۔ آج ہزاروں عیسائی اس عقیدے کے پیروکار ہیں۔ نیوٹن اور بائبل کے ماہر میٹزر کا بھی خیال ہے کہ یہ تبدیلی نویں صدی عیسوی میں کی گئی تھی۔ البتہ نیوٹن کی ان دریافتوں کو دبا دیا گیا اور اسے مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی معلومات کو پوشیدہ رکھے۔ اس زمانے میں ٹرینیٹی کے خلاف لکھنا قابل تعزیر جرم تھا۔ اسی سلسلے میں نیوٹن کے ایک دوست وسٹن کی کیمبرج کی پروفیسر شپ ضبط کرلی گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ نیوٹن نے متنازع مضامین اپنی زندگی میں شائع نہ کئے۔ (Metzer,1975)

بعدازاں بوائل اور نیوٹن کے شاگردوں نے مزہبی سائنس پر کام کیا۔ لیکن وہ اپنے اساتذہ کی طرح مشہور نہ ہوسکے۔ (Pais.1991)

نوبل پرائز یافتہ البرٹ آئن سٹائن جرمن نژاد امریکی سائنسدان تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں نازیوں کے تشدد سے بچنے کے لئے اس نے امریکہ کی سکونت اختیار کرلی۔ نظریہ اضافت، کوانٹم فزکس اور مشہور فارمولہ $E=mc^2$ کی وجہ سے موجودہ دور کا اعلیٰ ترین دماغ تصور کیا جاتا ہے۔

وہ انتہائی گھمبیر شخصیت کا مالک تھا۔ تمام عمر کسی نے بھی اسے کھل کر ہنستے ہوئے نہ دیکھا۔ وہ ہمہ وقت کسی نہ کسی سوچ میں غلطاں رہتا۔ اس کے بچپن کے دوست بتاتے ہیں کہ اس کے دماغ میں خیالات بہت تیزی سے آتے تھے۔ وہ انتھک محنت کا عادی تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ پانچ سال کا تھا تو بیمار پڑ گیا۔ اس کے والد جب شام کو گھر آئے تو اس کی دلجوئی کے لئے ایک کمپاس خرید لائے۔ انہوں نے آئن سٹائن کو سمجھایا کہ کس طرح کمپاس کی سوئیاں کشش ثقل کی بدولت حرکت کرتی ہیں اور ہم ان کی مدد سے سمت کا اندازہ لگاتے ہیں۔ آئن سٹائن کا بیان ہے کہ اس معلومات نے اس کے پر تجسس ذہن کی کھڑکیاں کھول دیں۔ اس کے لئے حیرت کا مقام تھا کہ غیر مرئی طاقتیں کس طرح مادی اشیاء پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ پانچ سالہ بچے کے ذہن کے لئے یقیناً یہ بہت بڑے سوال تھے۔ ایک مرتبہ کسی تقریب کے موقع پر اس نے کہا کہ جب وہ چھوٹا تھا تو اس کی خواہش ہوتی تھی کہ کسی کونے میں تنہا بیٹھ کر خاموشی سے اپنے کام لگا رہے۔ وہ تمام عمر اسی تنہائی کا شکار رہا۔ ایک انٹرویو کے دوران اس نے کہا کہ سب لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی مجھے نہیں جانتا اور یقیناً وہ سچ تھا۔ آئن سٹائن اپنی صدی کا سب سے اعلیٰ جینیئس تھا۔ اس کی دماغی سطح تک پہنچنا دوسروں کے لئے ممکن نہ تھا۔ وہ طالب علمی کے زمانے سے ہی فزکس، فلکیات، حساب اور کیمسٹری کا دلدادہ تھا۔ اس کا کمال یہ تھا کہ وہ چاہے چھوٹا کام کرتا یا بڑا،

مکمل طور پر اس میں جذب ہو جاتا تھا اور چھوٹے سے چھوٹے نقطے کو انتہائی کامیابی کے ساتھ سمجھانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ (Pais.1991)

آئن سٹائن نے مزہبی ماحول میں پرورش پائی۔ وہ سکول کے زمانے میں خدا کی وحدانیت کا قائل تھا اور اس کے ترانے لکھتا۔ اس کا کہنا تھا کہ بچپن میں آسمانی جنت کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ لیکن ہائی سکول کے زمانے میں ہی اسے احساس ہو گیا تھا کہ خلا بھی جنت سے کم نہیں۔ اور اس خوبصورت دنیا کا مظاہرہ انسان کو روزمرہ کے جھنجٹ سے آزاد کرتا ہے۔ اپنی سوانح حیات میں وہ لکھتا ہے کہ یہ میری قوت ارتکاز تھی جس کی وجہ سے میں نے کائنات کی بناوٹ پر غور کرنا شروع کیا۔ جب میں کسی شے پر غور کرتا تو نقطے سے نقطہ ملاتا چلا جاتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے تحقیقی سفر کا ہدف خدا کا ارادہ تھا۔ آخر اس کا کائنات ترتیب دینے کا بنیادی مقصد کیا تھا؟ اک مرتبہ یہ نقطہ حل ہو جائے تو باقی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

جونز مینارڈ کینز نے ایک نیلامی میں آئن سٹائن کا کاغذوں سے بھرا ہوا کارٹن خریدا۔ اس میں الکیمیا، بائبل کی پیشن گوئیاں، عبرانی زبان کی تحریریں اور یروشلم کے عظیم عبادت خانے کے نقشے تھے۔ نیوٹن ان نقشوں کو جدید ورلڈ آرڈر کی علامتیں گردانتا تھا۔ اسی لئے اس نے رائل سوسائٹی کے ایک اجلاس میں کہا تھا کہ وہ اپنی طرز کا پہلا دانشور نہیں، بلکہ سمیری اور بابل کے علماء میں سے آخری تھا۔ (Feris&Timothy)

اس نے اپنے ہم عصر سائنسدانوں کو منطقی سوچ کی تربیت دی۔ اس کا خیال تھا کہ تورات اور بائبل میں ہزاروں اسرار چھپے ہوئے ہیں، جن پر غور و فکر کرنا انسان کا کام ہے۔ وہ علم اعداد کا بھی قائل تھا۔ اس کے نزدیک تمام کائنات ہندسوں سے بنی ہوئی تھی۔ درحقیقت یہودی زمانہ قدیم سے تورات کے چھپے ہوئے حسابی ڈھانچے کے قائل تھے۔ انہوں نے اعداد کا تفصیلی علم رائج کیا اور اس کے ذریعے تورات کی کئی ایک تشریحات پیش کیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ تورات کا ہر لفظ انتہائی منصوبہ بندی سے پیش کیا گیا ہے جو انسانی دماغی صلاحیتوں اور سوچ سے بالاتر ہے۔ بعد ازاں عیسائیوں اور مسلمانوں میں بھی علم اعداد رائج ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ ستر سال کی عمر میں اسے اسرائیل کی صدارت بھی پیش کی گئی۔ لیکن اس نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ وہ مادی تجربات کرنے والا سائنسدان ہے اور سیاست کی پیچیدگیوں سے واقف نہیں۔

اس کا کہنا تھا کہ اس نے تمام عمر سائنسی سوالوں کے جوابات ڈھونڈنے میں گزاری اور آخری لمحے تک یہی کام جاری رکھے گا۔ اور اس کا کہا درست ثابت ہوا۔ چھہتر (76) سال کی عمر میں اس کے دل کے قریب ایک شریان پھٹ گئی۔ اس وقت وہ اسرائیل کی مقامی ٹی وی پر نشر کی جانے والی ساتویں سالگرہ کے لئے تقریر لکھ رہا تھا۔ اسے پین میڈیسن پرنسٹن میڈیکل سنٹر پہنچایا گیا۔ چند سال پہلے بھی وہ اسی تکلیف میں مبتلا ہوا تھا اور آپریشن کے ذریعے اسے بچا لیا گیا تھا۔ اب بھی ڈاکٹروں نے آپریشن کی تجویز پیش کی۔ لیکن آئن سٹائن نے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ نقلی زندگی جینے کی بجائے سکون کے ساتھ مرنا پسند کرے گا۔ اس کی موت کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کے بدن کو جلا دیا گیا اور اس کی راکھ کو نامعلوم مقام پر ڈالا گیا۔ اس کا علمی اثاثہ (کتب، کاغذات، خطوط، دستاویزات اور نقشے وغیرہ) اسرائیل یونیورسٹی کو عطیہ کر دیئے گئے۔

لیکن اس سے پہلے ہی پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر تھامس ہاروے نے چپکے سے اس کا دماغ چرا لیا تھا، جس کی پاداش میں اس کا لائسنس منسوخ ہو گیا۔ لیکن اس کے لئے وہ سودا مہنگا نہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ آئن سٹائن کے دماغ کے معائنے سے اس کی غیر معمولی صلاحیتوں کے راز کھل جائیں گے۔ ڈاکٹر نے اس کے دماغ کی تصاویر کھینچیں، وزن کیا اور کچھ حصے شیشے کی بوتلوں میں محفوظ کر لئے۔ باقی ماندہ دماغ کو اس نے کئی حصوں میں تقسیم کیا اور خوردبینی سلائیڈز تیار کیں۔ کچھ پر اس نے خود کام کیا، اور باقی سلائیڈز دوسرے سائنسدانوں کو عطیہ کر دیں۔ بوتلوں میں محفوظ حصے اس نے تمام عمر اپنے ساتھ رکھے۔ اس کی وفات کے بعد اس کے خاندان نے وہ حصے پرنسٹن میڈیکل سنٹر کو عطیہ کر دیئے۔

ڈاکٹر ہاروے کی تصاویر پر آج بھی نیورو سائنسدان کام کر رہے ہیں۔ لیکن ان کے ہاتھ سطحی معلومات کے سوا کچھ نہ آیا۔ ڈیڑھ صدی کی مسلسل تحقیق کے بعد سائنسدانوں نے انسانی دماغ کے کچھ حصوں کا تعلق اس کی علمی اور عملی صلاحیتوں کے ساتھ قائم کیا ہے۔ لیکن ماہرین آج بھی انسانی سوچ، تخیل اور قوت ارتکاز اور ادراک کی حقیقت پر اتفاق رائے نہیں ہو سکا۔ سائنسدان اگر آئن سٹائن کا دماغ چرانے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی بجائے اس کی زندگی میں ہی اس کی ذہانت، قوت تخیل اور ادراک کی کیس سٹڈی کرتے تو شاید اس سے بہتر نتائج ان کے ہاتھ آ جاتے۔ حقیقت تو یہ ہے انسانی دماغ کی حیرت انگیز صلاحیتوں پر صاحب بصیرت انبیاء اور اولیاء بھی انگشت بدنداں رہے۔ تو عام انسان اس کی تہہ تک کس طرح پہنچ سکتے ہیں؟

یہاں پر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ بالفرض اگر سائنسدان تجربات کے ذریعے اہم نتائج پر پہنچ بھی جاتے تو کیا کر لیتے؟ نوزائیدہ بچوں پر تجربات کرتے؟ انہیں زائد پروٹین کے ذریعے غیر معمولی ذہین بنانے کی کوشش کرتے؟ اور پہلے سے موجود جسمانی پیچیدگیوں میں اضافہ کرتے؟

یا پھر ایسے روبوٹ تیار کرتے جو اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی بنا پر نئے آفاق دریافت کرتے؟ اور تیز رفتار ترقی کی تباہیوں میں اضافہ کرتے؟ یہی وجہ ہے کہ پاک پروردگار عالم نے چھوٹے سے انسانی دماغ کو ایسی پیچیدہ مشین کی طرح بنایا، جس کی انجینئرنگ آج تک انسان کے ہاتھ نہ آسکی۔

اور تم اس کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟

لیوسز لارڈ پیدائشی طور پر ہنگری کا یہودی باشندہ تھا۔ بعد ازاں یہودیوں پر اعلیٰ تعلیم کے دروازے بند ہونے کی وجہ سے وہ برلن منتقل ہو گیا اور وہاں سے فزکس میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر میں انسانیت کی نجات کے لئے کچھ کر سکوں تو نیوکلر فزکس کا نام لوں گا۔ کیونکہ صرف ایٹمی توانائی کے اخراج سے ہی انسان اس کرہ ارض سے باہر نکل سکتا ہے۔ اور دوسرے سیاروں تک پہنچ سکتا ہے۔ (Szilard,1978)

برلن میں ہی اس کی ملاقات پہلی مرتبہ آئن سٹائن سے ہوئی اور اس نے آئن سٹائن کے تجویز کردہ ریفریجریٹر پر کام کیا۔ 1933 میں ایڈولف ہٹلر کے جرمنی کے چانسلر بننے کے بعد اس نے اپنے دوستوں کو یورپ منتقل ہونے کا مشورہ دیا۔ اور خود اپنے خاندان کے ساتھ لندن روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے اس نے جس روز برلن کو خیر باد کہا، اسی رات یہودیوں کے برلن سے نکلنے پر پابندی لگ گئی۔ سز لارڈ اکثر اس واقع کو دہراتا اور کہتا تھا کہ ہر کام مقررہ وقت سے ایک روز پہلے کر لینا چاہیئے۔ اپنی اسی متحرک طبیعت کی وجہ سے نیوکلیئر چین ری ایکشن دریافت کرنے اور جرمنی میں ایٹم بم پر تجربات کی خبر ملنے کے بعد وہ امریکی صدر روز ولٹ تک پہنچا اور منہاٹن پروجیکٹ کے لئے خطیر رقم منظور کروائی۔ بعد ازاں وہی منہاٹن پروجیکٹ پہلے ایٹم بم کا پیش خیمہ بنا۔

1939 میں سز لارڈ کو معلوم ہوا کہ جرمنی ایٹم بم بنانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اس نے وقت ضائع کئے بغیر دو ہم وطن سائنسدانوں کے ساتھ مل کر صدر امریکہ فرینکلن ڈی روز ولٹ کو میں ایک خط تحریر کیا۔ اس خط میں واضح کیا گیا تھا کہ یورینیم بہت جلد طاقت کا نیا عنصر ثابت ہو گا۔ نیوکلیئر چین ری ایکشن کے ذریعے اس سے بے انتہا طاقت ور بم بنائے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں فوری عملدرآمد

کی ضرورت ہے۔ تاکہ طاقت کا یہ خزانہ جرمنی کے ہاتھ نہ لگ سکے۔ اس کے بعد وہ لمبا سفر طے کر کے لانگ آئی لینڈ میں آئن سٹائن سے ملا اور اسے اپنی مدلل بحث کے ذریعے قائل کیا کہ وہ اس خط پر اپنے دستخط کرے۔ خط روز ولٹ تک پہنچایا گیا جس نے فوراً ایک کمیٹی تشکیل دی۔ کمیٹی کی سفارشات کو دیکھتے ہوئے صدر امریکہ نے منہاٹن پروجیکٹ کی منظوری دے دی۔ اس کے بعد جدید تاریخ کا سب سے بڑا انجینئرنگ پروجیکٹ شروع ہوا، جس کی زیر نگرانی ٹرینیٹی کے نام سے اولین تجرباتی ایٹمی دھماکا کیا گیا اور بعد ازاں ہیروشیما پر بم گرایا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ لیوسز لارڈ کا منشاء ایٹمی طاقت پر قبضہ تھا، نہ کہ معصوم جانوں کی تباہی۔ اولین دھماکے کے بعد وہ اس پروجیکٹ سے الگ ہو گیا اور تمام عمر ایٹمی ہتھیار کے خلاف رہا۔ حتیٰ کہ اس نے اپنا شعبہ ہی بدل لیا۔ اس نے اعلیٰ درجے کی سائنس فکشن بھی لکھی۔ جس میں نیوکلیئر ہتھیاروں سے تباہ ہونے والی اقوام کے حالات لکھے۔ اس کا کہنا تھا کہ نیوکلیئر ہتھیار اس کرہ ارض کو نمکین زمین میں بدل دیں گے۔ یہ ایک ہولناک اصطلاح ہے۔ قدیم داستانوں کے مطابق بعض کینہ پرور بادشاہ دشمن اقوام کے ہر فرد کو قتل کرتے اور اس کے بعد ان کی زمین نمک سے بھر دیا کرتے تھے۔ ایسی زمین ہمیشہ کے لئے بے آباد اور بانجھ ہو جاتی تھی۔ ایسی سرزمین پر کوئی ذی روح آباد نہیں ہو سکتا تھا۔ وہاں پر نہ ہی کوئی پھل پھول یا بوٹا اگتا اور نہ ہی انسان یا جانور سانس لے سکتے تھے۔

البتہ ایٹم بم بنانے میں اہم کردار جے رابرٹ اوپن ہائیمر کا تھا۔ وہ امریکی شہری تھا لیکن جرمنی سے ہجرت کر کے آنے والے یہودی خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے ہارورڈ یونیورسٹی سے گریجویشن اور جرمنی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ کچھ عرصہ اس نے یونیورسٹی آف کیمبرج، لندن میں بھی گزارا۔ جہاں اسے لارڈ ارنسٹ رتھر فورڈ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ اس کا واسطہ نیل بوہر کے ساتھ بھی پڑتا تھا۔ 1920 میں اس نے کوانٹم تھیوری اور نظریہ اضافت کے اشتراک سے نیوٹران دریافت کیا۔ اور یہیں سے آخر کار ایٹم بم فارمولا تیار ہوا۔ منہاٹن پروجیکٹ کے کمانڈر بریگیڈیئر جنرل لیسلی گروونے اوپن ہائمر کو لاس الماس لیبارٹری، نیو میکسیکو کا ڈائریکٹر مقرر کیا تھا۔ منہاٹن پروجیکٹ کا ماحول کشیدہ اور غیر دوستانہ تھا۔ سائنسدان فوج کی سرپرستی میں کام کرتے تھے۔ اور فوج تقریباً ہر اہم معاملہ سائنسدانوں سے پوشیدہ رکھتی تھی۔ اس کے باوجود گروونے اوپن ہائمر کے ساتھ ہمیشہ خوشگوار تعلقات رکھے۔ اوپن ہائمر نے فزکس کے اعلیٰ ماہرین کی ایک پوری ٹیم قائم کی اور تندہی سے کام کرتے

ہوئے 16 جولائی 1945 تک اسے حقیقت بنا دیا۔ وہ ایٹمی دھماکہ صبح ساڑھے پانچ بجے کیا گیا تھا، اور اسے ٹرینیٹی کا نام دیا گیا تھا۔ سوفٹ بلند جس ٹاور سے دھماکہ کیا گیا تھا وہ آن" فانا" بخارات میں تبدیل ہو گیا اور آس پاس کے میدانوں میں اسفالٹ نے ریت کے ساتھ مل کر ٹرینی ٹائٹ نامی نیلا شیشہ بنا دیا۔ اس دھماکے کی آواز اور روشنی ناقابل برداشت تھی۔ اوپن ہائیمر بھی دھماکے کے وقت موجود تھا۔ اس کے علاوہ کئی سائنسدان، فوجی نمائندے اور اخبارات کے رپورٹرز موجود تھے۔ موجود ایک نیوکلیر سائنسدان نے بے ساختہ کہا کہ دنیا کے آخری مائکرو ملی سیکنڈ میں آخری انسان جو کچھ دیکھے گا، آج ہم نے وہ دیکھ لیا ہے۔

وہیں پر موجود نیویارک ٹائمز کے ایک رپورٹر نے کہا کہ وہ اٹھتا ہوا سورج کا گولہ کائنات کی تخلیق کا سا سماں پیش کرتا تھا۔ (Szilard,1978)

اسی موقع پر جنرل فیرل نے کہا کہ خدا نے جن طاقتوں کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا آج ہم نے انہیں وا کر دیا۔

پیری ملر نے لکھا کہ صدیوں کے حساب کتاب کے بعد آخر کار 6 اگست 1945 کو آٹھ بج کر پندرہ منٹ پر وہ لمحہ آن پہنچا جب الہامی صحیفوں کی پیشنگوئیاں ایک تاریخ کا رخ دھار گئیں۔ وہ دھماکا بالکل قیامت جیسا تھا۔ روشنی، دھماکے کی خوفناک گونج اور ایسے شعلے جن سے کوئی فرار ممکن نہ تھا۔

امریکہ کے یونائیٹڈ سٹیٹ سروے کے مطابق پہلے روشنی کی ایک شدید لہر اٹھی۔ اس کے فوراً" بعد خوفناک آواز سنی گئی۔ اس کے علاوہ میتھوڈسٹ لیڈر رارنسٹ فریماونٹ نے کہا کہ اب ہمیں انسانیت کے خاتمے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ بلکہ ہماری نسل کا خاتمہ ہوگا۔ کیونکہ بائبل کے مطابق یہیں سے مملکت خداداد کا آغاز ہوگا۔ وہیں پر موجود ایک نیوکلیر سائنسدان نے بے ساختہ کہا کہ دنیا کے آخری مائکرو ملی سیکنڈ میں آخری انسان جو کچھ دیکھے گا، آج ہم نے وہ دیکھ لیا ہے،۔

ان گواہوں کے بے ساختہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ٹرینیٹی کو مذہبی گرو تسلیم کیا جاتا تھا اور نیوکلیئر سائنس اینٹی کرائسٹ کا منہ توڑ جواب تھا۔

وہ دھماکہ دو سو میل تک دیکھا اور سنا گیا۔ امریکہ کے ائرفورس نیوکلیئر ویپن سنٹر کی سرکاری ویب سائٹ (https:www.afnwc.af.mil) کے مطابق ڈیڑھ سو میل شمال میں موجود ایک شخص نے

کہا کہ وہ ایسے تھا جیسے آسمان پر سورج نکل آیا ہو۔اس کے علاوہ امریکی نیوی کا ایک جہاز 10000 فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔اس کی کاک پٹ ایسے روشن ہوگئی جیسے دن ہو۔ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سورج جنوب سے نمودار ہو گیا ہو۔اس نے گھبرا کر کنٹرول ٹاور سے رابطہ کیا تو اسے کہا گیا کہ جنوب سے دور رہو۔اس کے بعد ایٹمی دھماکے کی خبر کو ہیروشیما پر بم گرانے تک پوشیدہ رکھا گیا۔ایئر فورس نے رپورٹ جاری کی کہ اس علاقے میں غلطی سے دھماکہ خیز مواد پھٹ گیا تھا۔

ٹرینیٹی کے کامیاب تجربے سے پہلے کوئی بھی اس کی تباہ کاری کی اصل شدت سے واقف نہیں تھا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس کے ہولناک نتائج واضح ہو جانے کے بعد اس کے استعمال پر پابندی لگائی جاتی۔لیکن وائے ہو انسانی تکبر اور گھمنڈ پر کہ وہ مہلک ہتھیار امریکہ کے لئے سپر پاور کا پیش خیمہ اور سربلندی کا نشان بن گیا۔

سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر اس وقت ایٹم بم کیوں گرائے گئے جب کہ جرمنی جنگ ہار چکا تھا اور ہٹلر نے برلن کے ایک بنکر میں جا کر خودکشی کر لی تھی۔جاپان جنگ بندی کے لئے تیار تھا۔امریکی صدر روزولٹ کی اچانک موت واقع ہونے کے بعد ہیری ایس ٹرومین صدارت کی کرسی سنبھال چکا تھا۔روزویلٹ کی معتدل پالیسیوں کے برعکس ٹرومین تیز ترین فیصلے کرنے کا عادی تھا۔اپنی اسی صلاحیت کی بدولت پیچیدہ ترین حالات کے باوجود وہ امریکہ کو اقوام عالم میں صف اول پر لے آیا۔

گو کہ روس نے امریکہ کے ساتھ جاپان کے خلاف جنگ میں مدد کا وعدہ کر رکھا تھا لیکن مہلک ہتھیاروں کی دستیابی کے بعد اسے روس کی معاونت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔وہ ایسی دیوہیکل طاقت کا مالک بن چکا تھا جس کے بل بوتے پر اسے سپر پاور بننا تھا۔امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے مل کر پوٹس ڈیم نامی اعلانیہ تیار کیا، اور جاپان کو فوری جنگ بندی الٹی میٹم دے دیا۔بصورت دیگر اسے مکمل تباہی کی دھمکی دی گئی۔امریکہ جاپانی شہنشاہ کی ڈکٹیٹر حکومت ختم کرنے کے درپے تھا۔اس سے پہلے جاپانیوں کو یقین دلایا گیا تھا کہ جنگ کے خاتمے کے بعد انہیں جمہوری حکومت قائم کرنے کا موقع دیا جائے گا۔لیکن پوٹس ڈیم اعلانیہ میں اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ لکھا گیا تھا۔جس سے خدشہ پیدا ہوا کہ جنگ بندی کے بعد امریکہ جاپان کی سرزمین پر قابض ہو جائے گا۔لہٰذا جاپان نے پوٹس ڈیم اعلانیہ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے ساتھ ہی جاپان کی قسمت کا فیصلہ بھی ہو گیا۔جنگ کے سیکرٹری اور آرمی جنرل

نے صدر امریکہ اور برطانیہ کی منظوری سے ایئر فورس 59 کمپوزٹ گروپ کو جاپانی شہروں ہیروشیما، ناگاساکی اور کوکورا کی فہرست دی۔ وہ شہر سول آبادی کے علاوہ جاپان کے اہم فوجی مراکز بھی تھے۔ ایر فورس کو ہدایت کی گئی تھی کہ اس حکم کو آخری فیصلہ تسلیم کریں اور 3 اگست 1945 کے بعد جس شہر کی فضا سب سے پہلے صاف ہو وہاں بم گرادیں۔ اس حکم کے تحت پائلٹ کمانڈر کرنل پال تبت نے ہیروشیما پر لٹل بوائے بم، اور اس کے تین دن بعد ناگاساکی پر پائلٹ کمانڈر میجر چارلس سوینی نے ناگاساکی پر فیٹ مین نامی بم گرایا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران ہیروشیما جاپان کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ اس کی زیادہ تر عمارات لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔ لیکن زلزلے سے بچاؤ کے لئے کچھ عمارتیں مضبوط پتھر اور سیمنٹ سے بھی تعمیر کی گئی تھیں۔ ان کے نیچے تہہ خانے تھے اور بنیادیں انتہائی مظبوط تھیں۔ نیوکلیئر حملے میں لکڑی کی عمارتیں جل کر راکھ ہوگئیں، لیکن کنکریٹ کی عمارتوں کا نقصان کم ہوا۔ اس مہلک حملے سے بچنے والے زیادہ تر افراد ایسی ہی عمارتوں یا ان کے تہہ خانوں میں موجود تھے۔

دوسرا حملہ ناگاساکی پر کیا گیا۔ وہ جنوبی جاپان کی بڑی بندرگاہوں میں سے ایک تھا۔ اس حملے کا اصل ہدف شہر کوکورا تھا۔ لیکن فیصلے میں تاخیر، پیٹرول کی کمی اور خراب موسم کی وجہ سے آخری لمحات میں پائلٹ میجر کلاڈ ارتھلی نے ناگاساکی پر بم گرانے کا فیصلہ کیا۔ ناگاساکی ایک روایتی شہر تھا جس کی تمام عمارتیں لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔ شدید آگ کی وجہ سے ان میں سے بیشتر عمارتیں راکھ کا ڈھیر بن گئیں۔ ایک اندازے کے مطابق ہیروشیما میں 129000 اور ناگاساکی میں 226000 افراد فوراً جل کر ہلاک ہوگئے اور چھ مہینے کے اندر سینکڑوں اموات تابکاری کے مہلک نتائج کی وجہ سے ہوئیں۔ دراصل تابکاری دھماکہ کھمبی کی شکل کا بادل پیدا کرتا ہے جسے مشروم کلاؤڈ کہا جاتا ہے۔ دھماکے کے فوراً بعد یہ بادل 600000-70000 فٹ تک بلند ہوجاتا ہے اور دوبارہ اتنی ہی تیزی سے زمین کی جانب پلٹتا ہے۔ وہ بادل ملبہ، دھوئیں اور پانی کے کثیف بخارات پر مشتمل ہوتا ہے۔ عام حالات میں فضا میں موجود نائٹروجن اور آکسیجن آپس میں مل کر مرکب نہیں بناتے۔ لیکن مشروم کلاوڈ کی شدید حدت کی وجہ سے یہ دونوں عنصر NOx نامی مرکب بنا لیتے ہیں۔ یہ عنصر آگ میں کبھی سرخ اور کبھی لال پیلے اور سبز رنگوں کا باعث بنتا ہے۔ یہ عنصر خوفناک دھماکے سے پھٹتا ہے اور آس پاس کی اشیاء کو جلا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ پانی تابکاری کے اثرات جذب کرتا ہے اور شاک ویوز پیدا کرتا ہے۔ شاک ویوز آواز سے زیادہ تیز

رفتار ہوتی ہیں اور اپنے راستے میں آنے والے پہاڑ، ہوا اور پانی کو بخارات میں بدل دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ نیوکلیئر دھماکا فضا میں آئیونی تابکاری (گیما، الٹرا سا ونڈ اور انفرا ریڈ شعائیں)، مائیکرو ویوز اور ریڈیو ویوز خارج کرتا ہے۔ یہ شعائیں جانداروں اور ماحول کے لئے انتہائی مضر ثابت ہوتی ہیں۔ اگر ہم صرف آئیونی شعاوں کو ہی لیں تو وہ انسانوں میں خون کی جان لیوا کمی اور قسم قسم کے کینسر کا باعث بنتی ہیں۔

یہاں پر ایک اور کہانی بھی اہم ہے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر حملے کے دوران صرف دو جہازوں کے پائلٹ جانتے تھے کہ وہ ایٹم بم گرانے جا رہے ہیں۔ دوسرا عملہ اس امر سے بے خبر تھا۔ انہیں صرف یہ بتایا گیا تھا کہ حملے کے وقت انہیں آنکھیں چکا چوند کر دینے والی روشنی نظر آئے گی لہٰذا وہ سیاہ چشموں کا استعمال کریں۔ البتہ حملے کے فوراً بعد تمام عملہ اس کی تباہ کاری سے واقف ہو گیا۔ بعد ازاں جب ہیروشیما پر بم گرانے والے ایئر کرافٹ کمانڈر پال ڈبلیو تبت سے انٹرویو لیا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے اپنی نوکری کے فرائض پورے کئے تھے۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کہا گیا تھا۔ اسی وجہ سے میں ہر روز اپنے بستر پر سکون کی نیند سوتا ہوں۔

البتہ میجر کلاڈ ارتھلی وہ واحد شخص تھا جو اس مشن کی تباہ کاری برداشت نہ کر سکا اور شدید ذہنی خلفشار کا شکار ہو گیا۔ وہ اس واقعے کے بعد عرصے تک ڈراؤنے خواب دیکھتا تھا۔ آخر اس نے خود اذیتی کا ایک انوکھا طریقہ اختیار کیا۔ وہ سڑکوں پر نکل جاتا، دکانوں میں ڈاکا ڈالتا اور آسانی کے ساتھ پولیس کے ہاتھ آ جاتا۔ اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ پولیس اس پر تشدد کرے اور وہ لوگوں میں مجرم مشہور ہو جائے۔ یوں اس کی خود اذیتی کا عزم پورا ہو گا اور اس کے جلتے ہوئے ذہن کو سکون میسر ہو جائے گا۔ آخر کار ایک نفسیات دان اس کے اصل مرض تک پہنچ گئی۔ اس نے ارتھلی کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی کہانی عوام تک پہنچائے۔ یوں ارتھلی کی پہنچ کچھ صحافیوں تک ہوئی اور آخر کار وہ اینٹی نیوکلیئر سفیر کے طور پر مشہور ہو گیا۔ (نیویارک ٹائمز۔ 6 اگست 2020)

ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم گرانے کے فوراً بعد امریکی صدر ٹرومین نے بیان دیا کہ وہ حملہ زمینی جنگ روکنے اور ہزاروں جانیں بچانے کے لئے کیا گیا تھا۔ لیکن حقیقتاً اس حملے کے مقاصد سیاسی تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد واضح طور پر دو عالمگیر طاقتوں نے ابھرنا تھا یعنی کہ امریکہ اور روس۔ نیوکلیئر ہتھیاروں کے استعمال اور دوسری جنگ عظیم کے فوری خاتمے کی وجہ سے امریکہ نے نہ صرف روس

بلکہ برطانیہ اور فرانس پر بھی اپنی برتری ثابت کر دی۔ یاد رہے کہ ٹرومین وہی صدر تھا جس نے نیٹو فورسز قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور سب سے پہلے اسرائیل کو تسلیم کیا۔

اس باب میں ہم نے جدید سائنس کے بنیادی مقاصد پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ اس سلسلے میں ٹرینیٹی کے اولین تجربے کے گواہوں کے تاثرات اہم اشارے دیتے ہیں۔ ان کے بے ساختہ الفاظ ان تجربات کے اصل مقاصد کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ یعنی کہ اینٹی کرائسٹ کا منہ توڑ جواب تاکہ مملکت خداداد کے معاملات پر دسترس حاصل کی جا سکے۔ ہم نے واضح کیا کہ ڈیلٹن سے لے کر نیوٹن اور سیز لارڈ تک کی سائنس مذہبی بنیادوں پر کھڑی ہے۔ وہ تورات و بائبل سے چلے اور کوانٹم فزکس تک جا پہنچے۔ آج بھی بے شمار جہان حیرت اپنی باہیں وا کئے کھڑے ہیں اور وہ انہیں سر کرنے کی سر توڑ کوششوں میں مصروف ہیں۔ لیکن اہم تو یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے، جیسا ہم نے بیان کیا تو ہم سیکولر سائنس کا جھنڈا کیوں بلند کرتے ہیں؟ جب ہمیں پہلی مرتبہ علم ہوا کہ تیرھویں صدی سے لے کر اب تک کی سائنس کی بنیاد مذہب پر ہے تو ہمیں حیرت کا جھٹکا لگا۔ کیونکہ ہمیں جدید سائنس کا صرف سیکولر چہرہ ہی دکھایا گیا تھا۔ گویا کہ جیسے چست لباس میں ملبوس ایک الہڑ دوشیزہ کے پیچھے تہہ در تہہ پردوں میں چھپی ایک شرمیلی دلہن کھڑی ہو۔ بحر حال اس وقت حکمرانی ان کی تھی۔ انہوں نے اپنے مقاصد کی خاطر جب چاہا سائنس کو مذہب کا غلام بنا کر رکھا۔ اور جب دیکھا کہ سائنسی دماغ فرسودہ روایات پر سوال اٹھا رہے ہیں تو اس پر سیکولرازم کا بھاری پردہ ڈال دیا۔ اس پردے کے کئی رخ ہیں۔ اور ہر رخ کے پیچھے راز چھپے کھڑے ہیں۔ جس طرح پوپ نے بیکن کو متنبہ کیا تھا کہ اپنی تحقیق کو پوشیدہ رکھے، بالکل اسی طرح سے آج بھی ماڈرن سائنس کا ایک رخ عیاں اور دوسرا پنہاں ہے۔ ہم اس بحث کو آخری باب کے لئے لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں تاکہ اس تصنیف کے اہم نقاط کو یکجا کر کے بامعنی نتائج اخذ کر سکیں۔

☆☆

# 4۔ قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد

## قبل از اسلام تہذیبوں کا اثنا عشری روایات سے تقابلی جائزہ

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی بداعمالیوں سے پریشان ہو کر پیغمبر ادریس کو آواز دی تو انہوں نے ایک پہاڑی پر نوح سے ملاقات کی اور کہا کہ انسانوں نے تمام فرشتوں اور شیاطین کے راز افشا کر دیئے ہیں اور جادو ٹونا کی شیطانی طاقتیں حاصل کر لی ہیں۔ اور یہ کہ زمین سے چاندی کس طرح حاصل کی جاتی ہے۔ اور پگھلی ہوئی دھاتیں مثلاً ٹن اور سیسہ جو زیر زمین چشمے کی طرح پھوٹتی ہیں۔ انہوں نے بت بنانے کے لئے وہ دھاتیں نکالیں جن کی حفاظت پر ایک فرشتہ مامور ہے۔ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دن گنے جا چکے ہیں۔ انہوں نے خدائی راز افشا کئے۔ اس وجہ سے انہیں پچھتانے اور معافی و مانگنے کا وقت بھی نہیں ملے گا۔ جادو ٹونے کی وجہ سے زمین تباہ ہو جائے گی۔ ان پر لعنت اور ملامت بھیجی گئی ہے۔ اس کے بعد حضرت ادریس نے پیغمبر نوح کو وہ فرشتے دکھائے جنہیں زمین پر پانی اتارنے پر مامور کیا گیا تھا۔ (کتاب حنوک)

قیامت صغریٰ مملکت خداداد کی پیشرو ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے باب اول کا آغاز قیامت صغریٰ سے کیا اور اب آخری باب کی اولین سطور بھی اسی کے نام کرتے ہیں۔ قدیم کتب اور صحف کے مطابق قیامت صغریٰ ایک واقعہ نہیں بلکہ ایک بار ہا عمل ہے۔ جو ماضی میں کئی مرتبہ واقع ہو چکا ہے اور مستقبل میں بھی ہوگا۔ البتہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ آخری زمانوں کی آفات شدید ہوں گی۔ قدیم صحف اور آئمہ اکرام کے اقوال سے ہمیں اشارے ملتے ہیں کہ حضرت نوح اور قائم آل محمد کے ظہور سے قبل کے واقعات آپس میں مماثلت رکھتے ہوں گے۔ مثلاً گوسپل آف لوکا میں لکھا ہے کہ جیسا نوح کے زمانے میں ہوا ویسا ہی ابن آدم کے زمانے میں بھی ہوگا۔

تورات، بائبل، قرآن پاک اور سائنسی تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ حضرت نوح کے زمانے میں آنے والے طوفان بادوباراں اور زلزلوں کی دو وجوہات رہی ہوں گی۔ اول معاشرتی، معاشی اور اخلاقی گناہ اور دوم سائنسی ترقی کے ماحولیات اور اخلاقیات پر اثرات۔ جب انسان سائنس کو مذہبی حدود اور اخلاقیات سے بالاتر سمجھ لیتا ہے تو اس جیسے مفید علم کو بھی نقصان دہ بنا دیتا ہے۔ علمی، فکری اور سائنسی ترقی

کے ساتھ خوف خدا کا ہونا بے حد ضروری ہے۔اس کی غیر موجودگی میں تہذیبوں کا عروج گمراہی میں بدل جاتا ہے۔ بے صبرا انسان جو معمولی کامیابی سے ہی تکبر کا شکار ہو جاتا ہے، وہ بھلا آفاق فتح کرنے پر نفس عمارہ کے دھوکوں کا شکار کیوں کر نہ ہوگا؟ اور حدود پار کرنے کی وجہ سے ہی قدرتی اور معاشرتی اعتدال متاثر ہوتا ہے۔ ذہنی اور اخلاقی بیماریاں جنم لیتی ہیں، گناہ پنپتے ہیں، اور زلزلے، طوفان بادوباراں، سیلاب۔ سونامی اور پانیوں میں آگ لگنے جیسے واقعات پیش آتے ہیں۔ اسی لئے امریکہ کی قدیم قبائلی کہانیوں کے مطابق جب انسان اپنی روحانی ضروریات کو بھول کر مادی آسائشوں کی دوڑ میں لگ جاتا ہے تو اپنے اردگرد کے ماحول کو آلودہ کر دیتا ہے۔ اسے ادراک نہیں کہ زمین زندہ ہے، سانس لیتی ہے اور وہ ہماری ماں ہے۔ جب ہم ماحول کو آلودہ کرتے ہیں تو زلزلے اور سیلاب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ماضی میں بھی ایسے واقعات پیش آتے رہے۔ اسی لئے ابوسینا اپنی کتاب الشفا میں لکھتے ہیں کہ انسانی علم اسی وقت نافع ہے جب وہ خدائی حکمت کے تابع ہو۔ اور مستقبل میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ قدرتی قوانین مستقل اور بے رحم ہیں۔ اگر ہم ان کی خلاف ورزی کریں گے تو یقیناً سزا ہمارا مقدر ہوگی۔

دنیا کے ہر حصے میں طوفان نوح کے قصے موجود ہیں۔ گو کہ ان کہانیوں میں بتدریج دیومالائی اور ثقافتی عناصر شامل ہوتے رہے لیکن یہ داستانیں کئی حوالوں سے آسمانی کتب اور صحائف سے مماثلت رکھتی ہیں۔ ان میں سے قدیم ترین بابل کے بادشاہ گلگامش کی توصیفی نظم ہے۔ اس نظم کی کچھ تختیاں دریائے فرات کے کنارے آباد قدیم شہر نینوا سے برآمد ہوئیں۔ بادشاہ آشور بانیپال کی لائبریری سے برآمد شدہ تختی نمبر 11 پر بادشاہ، گلگامش کی نظم (2100 ق م) کے کچھ حصے رقم ہیں۔ اس نظم کا شاعر اس کے تعارف میں لکھتا ہے کہ بادشاہ گلگامش کے سفر کا ہر مرحلہ اسے نیا علم عطا کرتا تھا۔ اس کہانی کا مقصد ہی علم کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔

علاوہ ازیں اس نظم میں دنیا کی پیدائش اور اس کے بعد عظیم سیلاب اور دنیا کی تباہی کا ذکر ملتا ہے۔ اس کا آغاز دیوتاؤں کے بادشاہ ایا سے ہوتا ہے، جس نے انسان کو مٹی سے بنایا تھا۔ اس کے بعد گلگامش کا ذکر آتا ہے جو اول اول ظالم اور توسیع پسند بادشاہ تھا۔ وہ اپنے ہمسائے حکمرانوں پر چڑھائی کرتا اور ہمہ وقت اپنی مملکت کو بڑھانے کا خواہش مند رہتا تھا۔ دیوتاؤں نے اسے سبق سکھانے کے لئے ایک مخصوص مخلوق پیدا کی جسکا نام انکید وتھا۔ انکید و ہر لحاظ سے گلگامش کی ٹکر کا نوجوان تھا۔ اول اول دونوں کے درمیان لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن کچھ عرصہ بعد وہ گہرے دوست بن گئے۔ جب انکید و کی موت واقع ہوئی

تو گلگامش بے حد رنجیدہ ہوا اور اس نے عزم کیا کہ موت کو شکست دے کر رہے گا۔ اس زمانے میں ایک بزرگ اتناپشتین (یعنی کہ خدا کا پسندیدہ) کا بہت چرچا تھا کیوں کہ وہ آب حیات پی کر امر ہو چکے تھے۔ بادشاہ گلگامش نے انہیں ڈھونڈنے کا ارادہ کیا اور آخر کار دشوار گزار سفر کے بعد ان تک پہنچ گیا۔ لیکن اس وقت اسے سخت مایوسی ہوئی جب اتناپشتین نے آب حیات کا پتا دینے سے معذرت کر لی۔ البتہ انہوں نے کہا کہ تم اتنے طویل سفر کے بعد مجھ تک پہنچے ہو تو میں تمہیں خالی ہاتھ واپس نہیں بھیجوں گا بلکہ ایک اہم راز تمہارے حوالے کروں گا جس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے بادشاہ کو ماضی بعید میں واقع ہونے والے خوفناک طوفان بادوباراں اور سیلاب کی کہانی سنائی اور بتایا کہ وہ خود بھی اس سیلاب سے بچ جانے والوں میں سے تھے۔ کہانی کچھ اس طرح ہے کہ:

اس وقت بابل کا سرپرست دیوتا اینلل انسانوں کے بے ہنگم شور سے سخت نالاں تھا۔ لہٰذا اس نے کبھی توبہ نہ کرنے والے گناہگاروں کو ختم کرنے اور زمین کو پاک کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اسی زمانے میں بابل میں ایک عظیم دانا بزرگ زوئی سدرہ رہتے تھے۔ بابل کے دوسرے دیوتا ایلل نے انہیں شدید طوفان سے نپٹنے والی کشتی بنانی سکھائی اور اس کشتی کا نام زندگی قائم رکھنے والی رکھا۔ وہ کشتی لکڑی کے تختوں سے بنائی گئی تھی۔ اس کے جوڑ اس قدر مضبوط تھے کہ اس میں سورج کی روشنی داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی لمبائی، چوڑائی اور بلندی برابر تھی۔ یعنی کہ وہ مربع یا باکس کی شکل میں تھی۔ اس کے اندر سات منزلیں تھیں اور ہر منزل کو نو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ زوئی سودرا کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے خاندان، جانوروں کے بچے اور پودوں کے بیج ساتھ لے کر چلیں۔ اب اینلل نے تمام دنیا پر طوفان بادوباراں اور سیلاب بھیجا۔ وہ مصر تھا کہ تمام انسانیت کو ختم کرے گا۔ لیکن دیوتا ایلل نے سفارش کی کہ پرہیزگاروں کو زندہ رہنے اور پھلنے پھولنے کا ایک اور موقع دیا جائے۔ آئندہ سے ہم انسان کو ایسا موقع ہی فراہم نہیں کریں گے کہ وہ اتنی بلندی تک پہنچے کہ دیوتاؤں کی نیند خراب کر دے۔

جب طوفان بادوباراں آن پہنچا تو وہ اتنا شدید تھا کہ تمام وادیاں زیر آب آ گئیں اور پانی پہاڑیوں کی چوٹیوں تک جا پہنچا۔ سات دن اور آٹھ راتوں تک وہ طوفان جاری رہا۔ آخر کار زوئی سودرا کی کشتی، کاتی نسر کی پہاڑی پر جا کر رکی۔ اس پہاڑی کو نجات کی پہاڑی کا کہا جاتا ہے۔ بعد میں آنے والی اکادیین تہذیب میں اسی کہانی کے ہیرو کا نام اراسس بتایا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے انتہائی عقلمند یا عظیم الشان دانشور۔ (Scoinic,2005)

انیسویں صدی میں عیسائی مشنریوں کو معلوم ہوا کہ امریکہ کے طول وعرض پر آباد مقامی قبائل کے درمیان عظیم سیلاب کی کہانیاں عام ہیں جس میں دنیا کی ساری آبادی ختم ہوگئی تھی۔ اور صرف چند پرہیز گار زندہ بچے تھے۔ چونکہ وہ قصے بائبل میں موجود طوفان نوح سے مماثلت رکھتے تھے، اسی لئے مشنریوں کی توجہ کا باعث بنے۔ انہوں نے مقامی قصے اکٹھے کئے اور شائع کروائے اور یوں یہ کہانیاں عوام تک پہنچ گئیں۔

امریکہ کے قدیم مایا قبائل کی داستانوں کے مطابق اس وقت لوگ بدعنوان، شریر اور حاسد ہو گئے تھے۔ وہ ناشکرے اپنے خالق کو بھول گئے تھے۔ جنگ وجدل اس قدر عام تھی کہ زمین انسانی خون سے بھر گئی تھی۔ عظیم روح نے ان لوگوں کی ہدایت کے لئے ایک پیمبر بھیجا جن کا نام اوکلا تاباشی یعنی کہ لوگوں کے لئے گریہ کرنے والا تھا۔ وہ گاؤں گاؤں پھرتا تبلیغ کرتا اور سیلاب سے ڈراتا تھا۔ لیکن کوئی بھی اس کی بات پر یقین نہ کرتا۔ آخر کار حساب کا دن آن پہنچا۔ آسمان پر اتنے گہرے بادل چھا گئے کہ کئی روز تک دن کو سورج اور رات کو چاند ستارے نظر نہ آتے تھے۔ آخر مکمل اندھیرا چھا گیا اور کئی روز تک برقرار رہا۔ اس وقت دن اور رات کی تمیز ختم ہوگئی تھی۔ لوگ اندھیرے میں سوتے، جاگتے اور اپنا کام شمع کی روشنی میں کرتے تھے۔ ان کی خوراک سڑ گئی اور وہ خوف اور بھوک کا شکار ہو گئے۔ آخر ایک روز انہیں شمال کی جانب سے تیز روشنی نظر آئی۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید سورج اپنا راستہ بھول گیا ہے۔ وہ تیزی سے شمال کی جانب دوڑے لیکن وہ تو آسمان تک بلند پانی کی لہریں تھیں۔ زمین وآسمان سے خوفناک شور کی آوازیں اٹھتی تھیں جو اپنے راستے میں آتی ہر شے کو تاخت وتاراج کرتی چلی جارہی تھیں۔ اس وقت آسمان سے ایسی خوفناک گرج سنائی دی کہ زمین وآسمان لرز گئے۔ اس کے بعد انہوں نے آفاق سے ایک بلند فریاد سنی۔ جو کہتی تھی کہ، پانی واپس آ گئے۔ اس طوفان میں سب کچھ تباہ ہو گیا، صرف خدا کے پیغمبر زندہ بچ گئے۔ (Cushman,H.B)

مقامی قبائل کے ایک اور قصے کے مطابق بستی کے لوگ، حتیٰ کہ پیغمبر کے قریبی رشتہ دار بھی ان کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ تم نے اتنی بڑی کشتی بنالی ہے۔ اس کے لئے سمندر کہاں سے لاؤ گے؟ پیغمبر انہیں کشتی پر سوار ہونے کی دعوت دیتے اور کہتے تھے کہ اپنے آپ کو تباہی سے بچالو۔ لیکن بستی کے لوگ مذاقاً" جواب دیتے کہ بالفرض اگر سیلاب آ بھی گیا تو ہم پہاڑوں پر چڑھ جائیں گے۔ اور آخر کار جب سیلاب آن پہنچا تو انہوں نے اپنے بچوں کو ساتھ لیا۔ جو چل نہیں سکتے تھے انہیں کاندھوں پر بٹھایا اور بھاگ نکلے۔ لیکن تب تک تمام وادیاں پانی سے بھر چکی تھیں اور پہاڑوں تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہ بچا تھا۔ سردی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ ان کے بچے ہلاک ہو گئے اور اس کے بعد وہ خود بھی جاں بحق

ہو گئے۔ جو سردی سے بچ گئے انہیں سیلاب کا تیز بہاؤ اپنے ساتھ لے گیا۔

اسی طرح 1830 میں بعض ماہرین نے شمالی امریکہ میں رہنے والے مندان قبائل کی بلوغیت کی رسومات کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ رسم اس وقت منعقد کی جاتی تھی جب پانئی کے کنارے اگے بید مجنون کے پتے پوری طرح تیار ہو جاتے تھے۔ جب ماہرین بے اس کی وجہ پوچھی تو قبیلے کے بزرگوں نے جواب دیا کہ جب خوفناک سیلاب آیا تو ایک پرندہ کشتی پر اسی پودے کا تیار پتا لے کر آیا تھا۔ تہوار کے آغاز پر ایک اعلان کرنے والا پکار کر کہتا، اس عظیم طوفان کے نام جس میں سب انسانیت ختم ہو گئی تھی اور صرف ہم ہی بچے تھے۔ اس کے بعد لوہے کے چند ہتھیار دعاؤں کے ساتھ پانی میں ڈالے جاتے تھے۔ دراصل وہ پانی کے دیوتا کو خوش کرنے کے لئے ہتھیاروں کا عطیہ پیش کرتے تھے تا کہ وہ دوبارہ ان پر قہر نہ برسائے۔ وہ قبائلی اپنے خیموں کے باہر اور قریبی پہاڑیوں پر طوفان نوح کے مناظر بھی بناتے تھے۔ یہ بھی اہم ہے کہ ان قبائیلیوں کے تین یا چار نام ہوا کرتے تھے۔ اکثر اوقات ان ناموں میں سے نوح ہوتا تھا۔

امریکہ کی قبائلی روایات کے مطابق ماضی کا خوفناک سیلاب بھی انسانی گناہوں کی وجہ سے آیا تھا اور آخری ایام کی قیامت بھی آسمان سے نہیں اترے گی۔ بلکہ انسانی جنگوں اور ماحول کی حفاظت سے کرنے سے نازل ہوگی۔ آسمان سے ایک ایسی ہوا نازل ہوگی جو انسانوں کے لئے ایٹم بم سے بھی زیادہ سنگین ثابت ہوگی۔ (Arundell.1885)

لارڈ ارنڈل کے مطابق یونان کے مزہبی مراکز ایتھنز اور شام میں بھی ایسے ہی تہوار منائے جاتے تھے۔ (یاد رہے کہ اسلامی فتوحات سے پہلے شام یونانی تہذیب کا اہم مرکز تھا)۔ ان تہواروں کو ہائیڈرفوریا (پانی اٹھانا) کہا جاتا تھا۔ اس تہوار کے لئے معبد خانوں کی بیرونی دیواروں میں مخصوص شگاف رکھے جاتے تھے۔ تہوار کے دن لوگ ان شگافوں میں پانی ڈالتے جو زیر زمین آبی گزرگاہوں سے ہوتا ہوا تالابوں میں جمع ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد لوگ ان تالابوں میں غذا اور پھول پانی کے دیوتا کو نظر کرتے تھے۔ ملک شام کے تہواروں میں ایک بڑی کشتی کا ماڈل تیار کیا جاتا تھا۔ اس کے اوپر بادبان جیسا ایک کپڑا ڈالا جاتا تھا۔ اس کے بعد ایک گروہ ہاتھوں میں ننھی کشتیاں لئے چلتا ہوا آتا تھا۔ ان کے پیچھے عورتوں کے گروہ ہاتھوں میں پانی کے برتن لے کر چلتی تھیں۔ یونانی ملکوں میں آج بھی ہائیڈروفوریا پینٹنگز موجود ہیں۔

جزیرہ ہوائی کی سیلاب کی کہانیوں میں کشتی بنانے والے اور انسانیت کو بچانے والے بزرگ کو نوویا نوونو کہا گیا ہے۔ ہوائی زبان میں اس لفظ کا مطلب ہے، رونے والا، کراہنے والا یا فریاد کرنے والا۔

انہی بزرگوار کو نوو پول کا نام بھی دیا گیا ہے۔یعنی کہ،عبادت گزار نوو۔ان داستانوں کے مطابق نوو طوفان روکنے اور انسانوں کو بچانے کے لئے مسلسل گریہ کرتے تھے۔انہوں نے طوفان سے نپٹنے کے لئے ایک عظیم الشان کشتی بنائی۔جس کے اوپر ایک گھر بنا ہوا تھا۔داستانوں میں اس کشتی کو شاہی کشتی کہا گیا ہے۔(Cushman,1880)

اسی طرح چینی داستانوں میں عظیم سیلاب کے ہیرو کو نوو اکہا گیا ہے۔یہاں ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ بائبل اور قرآن پاک کا لفظ نوح نام نہیں بلکہ لقب تھا یعنی کہ نوحہ کرنے والا۔جو کہ ان حضرت کے گریہ و زاری کی وجہ سے مشہور ہو گیا تھا۔(Wessinger,2011)

تخ کی کتاب حنوک (صحیفہ ادریس) میں لکھا ہے کہ جب زمین نے ہچکولے کھانے شروع کئے تو پیغمبر نوح نے اپنے پردادا ادریس کو آواز دی۔وہ آسمانوں سے تشریف لائے اور کہا:

اے میرے بیٹے!انسان کی تباہی کا وقت آن پہنچا۔ان کی بے اعتدالیوں نے ان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا ہے۔اب زمین اور اس کے باسیوں کے لئے کوئی راہ فرار نہیں بچی۔انہوں نے قدرت کے رازوں پر سے پردہ اٹھایا۔اسی لئے وہ سب تباہ ہو جائیں گے۔لیکن تم نہیں اے میرے بیٹے!خدا جانتا ہے کہ تم ان کے جرم میں شریک نہیں ہو۔اس نے تمہارا نام مقدس ہستیوں میں لکھا ہوا ہے۔اسی لئے تمہارا نام رہتی دنیا تک باقی رہے گا اور رب ذوالجلال تمہیاری نسل کو بے حد بڑھائے گا اور ان میں سے بادشاہ پیدا کرے گا۔(کتاب حنوک 66-65)۔

اس کے علاوہ یہ کہ،

اس کے بعد حنوک پہاڑ پر چڑھے اور زمین کی جانب دیکھا تو اس نے فریاد کی وائے ہو تجھ پر! میری جانب دیکھو۔میں انسان کی ماں ہوں لیکن اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟میرا خدا کب مجھے اس گندگی سے پاک کرے گا؟جب حنوک نے زمین کی فریاد سنی تو خدا کے حضور گریہ و فریاد کی کہ اے میرے پروردگار!یہ زمین کب قرار پائے گی؟

انہیں جواب ملا کہ آخری ایام میں۔جب آنے والا آئے گا۔اس وقت زمین اس حد تک گناہوں سے لبریز ہو چکی ہو گی کہ اسے سوائے شدید زلزلوں،خوفناک آگ،سیلاب اور موسلا دھار بارشوں کے پاک نہیں کیا جا سکتا ہو گا۔(Moses7:48)

جینیسس 9-6 کے مطابق اس وقت زمین بدعنوان لوگوں اور خون خرابے سے بھر چکی تھی۔

حضرت نوح کو حکم ہوا کہ وہ لکڑی کی ایک آرک بنائیں اور اس کی اندرونی دیواروں پر تارکول کی تہہ چڑھا دیں۔ آج سے سات دن کے بعد زمین و آسمان کے پانی کے ذخیرے کھول دیئے جائیں گے۔ چالیس دن اور چالیس رات طوفان بادوباراں جاری رہے گا۔ خوفناک سیلاب ہر شے کو تباہ کر دے گا سوائے تمہاری کشتی کے۔ آخر کار حضرت نوح کی کشتی ارارت کی پہاڑی پر جا کر رکی۔ جب حضرت نوح کو زمین خشک ہونے کا یقین ہو گیا تو انہوں نے کشتی کا احاطہ اس کے اوپر سے ہٹا دیا۔

قرآن پاک میں حضرت نوح کو بہت عزت و اکرام کے ساتھ پکارا گیا اور انہیں اولعزم پیغمبر کہا گیا ہے۔ قرآن پاک کے اٹھائیس سپاروں میں حضرت نوح کا ذکر ہے اور ایک مکمل سورہ ان کے نام سے نازل ہوئی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

اور ہمیں نوح نے پکارا، پس ہم کیا خوب جواب دینے والے ہیں۔ اور ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔ اور ہم نے اس کی اولاد کو باقی رہنے والی کر دیا۔ اور ہم نے ان کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی۔ کہ ساتے جہانوں میں نوح پر سلام ہو (الصافات 79-75)۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا (81)۔

اب اگر ہم قدیم قصوں پر غور کریں تو ہمیں اخلاقی گناہوں سے زیادہ ماحولیاتی جرائم نظر آئیں گے۔ یہاں ہم نے ماحولیاتی آلودگی کی بجائے ماحولیاتی جرائم کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ کیوں کہ ان کا دائرہ کار کرہ ارض اور قدرتی توازن میں بگاڑ تک پہنچتا ہے۔ قدیم کہانیوں میں ہمیں شور کی آلودگی، دھوئیں یا دیگر نقصان دہ گیسوں کی آلودگی اور زیر زمین دھاتوں کے ضرورت سے زیادہ استعمال کے اشارے ملتے ہیں۔ دیوتا انلل کا یہ کہنا کہ انسانوں کے شور نے اس کی نیند خراب کر دی، اشارہ دیتا ہے کہ مشینوں اور غالباً جہازوں کا شور زمینی حدود سے نکل کر بلند فضاؤں تک پہنچ گیا تھا۔ اس کے علاوہ زمین پر اندھیرا چھا جانا شدید فضائی آلودگی کا پتا دیتا ہے۔ یہاں پر ہم اٹھارہویں صدی میں امریکہ کے علاقے نیو انگلینڈ کا ذکر کریں گے، جہاں روز جمعہ 19 مئی 1780 میں ایک دن کے لئے مکمل اندھیرا چھا گیا تھا۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید قیامت آ گئی ہے کیونکہ سورج کا سیاہ ہو جانا حضرت عیسیٰ کی واپسی کے ساتھ متصل ہے۔ ہر طرف خوف پھیل گیا اور لوگ جوق در جوق گرجا گھروں کی جانب دوڑ پڑے۔ وہ تمام دن موم بتیاں اور شمعیں جلتی رہیں۔ بعض ذرائع کے مطابق 20 مئی کو سورج اور چاند دونوں میں سرخی مائل روشنی دیکھی گئی۔ جتنا اس ڈارک ڈے کے بارے میں لکھا گیا، شاید ہی کسی اور معاملے پر اتنا کچھ لکھا گیا ہو۔ حتیٰ کہ امریکی صدر

جارج واشنگٹن نے بھی اپنی ڈائری میں اس کا تذکرہ کیا۔ سینیٹر نے اسی وقت اجلاس بلایا اور اپنے خطاب میں کہا کہ اگر فیصلے کا دن آ بھی گیا ہے تو میں اپنا کام جاری رکھوں گا لیکن حیرت کا مقام ہے کہ آج تک ماہرین اس ڈارک ڈے کی اصل وجہ نہیں جان سکے۔ حالانکہ نیو انگلینڈ میں کونیکٹی کٹ اور میسا چیوسٹ جیسی امیر سٹیٹس اور ہارورڈ جیسی مشہور ترین یونیورسٹیاں واقع ہیں۔ حال ہی میں میسا چیوشٹ یونیورسٹی کے ماہرین کو کینیڈا کے جنگلات میں درختوں کے اندرونی دائروں سے پرانی آگ کے شواہد ملے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ شاید شدید دھوئیں اور دھند کی وجہ سے اس روز سموگ بن گیا ہو جس نے سورج کو مکمل طور پر چھپا دیا۔ اہم تو یہ ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو کسی بھی عینی شاہد یا اخبار نے دھوئیں کی خبر نہ دی، نہ ہی جنگل میں آگ لگنے کی۔ البتہ کافی عرصے کے بعد چند مصنفین نے اپنی تحریروں کو موثر بنانے کے لئے آگ کی بدبو اور دھوئیں کا ذکر کیا۔ اس کے علاوہ نیو انگلینڈ میں مئی کا مہینہ گرم ہوتا ہے۔ جس میں دھند کی وجوہات خارج از بحث ہیں۔ عین ممکن ہے کہ ڈارک ڈے کی اصل وجوہات کو سیاسی نقطہ نگاہ سے چھپا دیا گیا ہو۔ یاد رہے کہ اس وقت امریکہ کی مختلف کالونیاں برطانیہ اور سپین کے زیر تسلط تھیں۔ انہی سالوں میں امریکہ نے برطانیہ کے خلاف جنگ آزادی لڑی جس کا آغاز نیو انگلینڈ سے ہوا تھا۔ اس وقت فرانس اور سپین امریکہ کے اتحادی تھے۔ وہ جنگ طویل عرصے تک جاری رہی اور گولی بارود اور انسانی خون نیو انگلینڈ کی فضاؤں میں پھیلتا رہا۔ ایک موقع پر برطانوی فوجیوں نے بھاگتے ہوئے امریکی ہتھیاروں اور بارود کے ذخائر کو آگ لگا دی۔ اس کے علاوہ نیو انگلینڈ کے علاقے میں چاندی، تانبے، لوہے اور سیاہ گریفائٹ کی کانیں پائی جاتی تھیں۔ مغربی آبادکاروں نے سترھویں صدی کے آغاز سے ہی ان کانوں کو خوش قسمتی کا خزانہ تصور کر لیا تھا۔ یہاں سے لوہا اور گریفائٹ برآمد کر کے برطانیہ بھیجا جاتا تھا۔ جنگ آزادی کے دوران ان کانوں کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی۔ ان سے دھاتیں نکالنے کے نئے طریقے اختیار کئے گئے۔ کوئلے سے جلنے والی بھٹیاں تیار ہوئیں جو خام لوہے کو قابل استعمال بناتی تھیں۔ کوئلہ جنگلوں کی لکڑی سے حاصل کیا جاتا تھا۔ وہ کانیں نیو انگلینڈ کے امیر ترین تاجروں اور سیاست دانوں کے ہاتھ میں تھیں۔ ان مخیر حضرات کے پاس افریقی غلاموں کی بہتات تھی جو کانوں کے نشیب و فراز سے دھاتیں نکال کر لاتے تھے۔ کانوں سے نکلا ہوا گریفائٹ اور لوہا زیادہ تر توپیں اور بندوقیں تیار کرنے اور سیسہ کارتوس بنانے کے کام آتا تھا۔

اب اگر ہم قدیم کہانیوں میں چھپے اشاروں اور جدید شواہد کو مدنظر رکھیں تو جنگ و جدل کی کڑیاں طوفان نوح کے ساتھ ملتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جنگیں نہ صرف بے دریغ انسانی خون بہانے کا باعث بنتی ہیں

بلکہ گولہ بارود کی وجہ سے ماحول بھی تباہ ہو جاتا ہے۔ خام مال کی دستیابی، ہتھیاروں کی تیاری اور ان کی نقل وحمل کے لئے نت نئے کارخانے بنائے جاتے ہیں۔ جنگ واحد واقعہ نہیں بلکہ ایک زنجیر ہے، جو کڑی در کڑی آپس میں ملتی چلی جاتی ہے۔ پرانی اقدار تباہ ہو جاتی ہیں اور روایتی ثقافتیں اپنی موت آپ مر جاتی ہیں۔ نئی صنعت وحرفت اور تجارت کی راہیں نکالتی ہیں اور نئے معاشرتی اور معاشی تقاضے جنم لیتے ہیں۔

حضرت نوح کے زمانے میں ہونے والی ترقی کے شواہد نہ صرف لوک کہانیوں، داستانوں اور آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے ملتے ہیں۔ بلکہ تورات، بائبل اور قرآن پاک بھی اس جانب اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت نوح کی کشتی میں استعمال ہونے والے وسائل کا تصور کیجئے کہ اس کی بناوٹ میں کتنی لکڑی، کیل (اور کیلوں کے لئے لوہا)، اس کے جوڑوں کو سیل بند کرنے کے لئے قدرتی گوند اور اس کو بنانے کے لئے ہتھیاروں کی ضرورت رہی ہوگی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایک کشتی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان پروجیکٹ تھا جس کی تکمیل کے لئے لامتناہی وسائل اور انسانی کاوش کی ضرورت تھی۔ اور کاوش بھی ایسی جس میں کئی قسم کے کاریگروں کی ضرورت رہی ہو۔ اب اس کشتی کے خدوخال کا جائزہ لیتے ہیں۔ گلگامش کی داستان کے مطابق وہ سیل بند مربع شکل کی کشتی تھی۔ ماہرین ان بیانات کا موازنہ تورات اور بائبل کے ساتھ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یا تو کشتی کے خدوخال ہی غلط بیان کئے گئے ہیں یا پھر شاید بیضوی شکل کے تختوں پر ایک مربع مکان رکھ دیا گیا ہوگا۔ مربع شکل کی کشتی بھلا اس قدر طوفان بادوباراں اور سیلاب میں کیسے چلتی ہوگی۔ حضرت نوح کی کشتی کس شکل کی تھی؟

یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ بابل کے داستان گو اسے مربع کہتے ہیں۔ تورات اور بائبل میں اسے بیضوی یا مستطیل کہا گیا ہے۔ انگریزی زبان کا لفظ نوح کی آرک کا ماخذ عبرانی تاوا یا تیوہ ہے۔ حضرت موسیٰ کے تابوت سکینہ کے لئے بھی یہی لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ تابوت سکینہ یہودیوں کا مقدس ترین صندوق تھا جس میں تورات کی اصل دستاویزات اور پیغمبروں کی نشانیاں رکھی ہوتی تھیں۔ اب اگر ہم لفظ تیوہ کو لیں تو اس کا مطلب ہے بکسہ یا سربند یا تابوت۔ یہ تمام اشیاء مستطیل اور سربند ہوتی ہیں۔ دیگر ذرائع کے مطابق بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح کی کشتی سربند تھی۔

امریکہ کے قبائلیوں کے مطابق وہ سربند کشتی کسی سردار کے بہت بڑے مکان جیسی تھی۔ اسلامی روایات بھی اسی امر کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت نوح نے کشتی میں جانوروں کے لئے نوے مکانات بنائے تھے (حیات القلوب ج 1)۔ لیکن حیرت انگیز امر اس کشتی کا اس

حد تک سر بند ہونا تھا کہ اس میں سورج کی روشنی تک داخل نہ ہوسکتی تھی۔اس امر کی جانب حضرت علیؑ نے بھی اشارہ کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر نوح کی کشتی پر ایک سر پوش تھا۔جس کی وجہ سے آفتاب اور ماہتاب نہیں دیکھے جاسکتے تھے۔ان حضرت کے پاس دو دانے تھے۔ایک سے دن میں اور دوسرے سے رات میں روشنی ہوتی تھی اور اسی سے نماز کے اوقات بھی معلوم ہوتے تھے(حیات القلوب ج 1۔176)۔ یہاں پر دو دانوں کی جانب اشارہ بھی اہم ہے۔اگر وہ عام چراغ ہوتے تو امیر المومنین اس کا نام لیتے۔ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسی شے رہی ہو جسے،سلونی سلونیٰ پکارنے والے علی ابن ابی طالب خود جانتے تھے لیکن اس کی خبر عام کرنے کا وقت نہیں آیا تھا۔یہاں پر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے۔وہ دانے،دو کیوں تھے؟

ایک دانہ بارہ گھنٹے روشنی دیتا اور دوسرا اگلے بارہ گھنٹے۔تو کیا ایک دانہ بارہ گھنٹے روشنی دینے کے بعد کسی طریقے سے چارج کیا جاتا تھا تا کہ دوبارہ روشنی پہنچانے کے قابل ہوجائے؟

ابھی ہمارے پاس ان سوالوں کے جواب موجود نہیں لیکن ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ جب دماغوں میں سوال اٹھنے شروع ہوجاتے ہیں تو ان کے جوابات کا وقت بھی قریب ہوتا ہے۔ہمیں امریکہ کے قبائیلیوں کی کہانیاں یاد آتی ہیں جن کے مطابق کشتی نوح زیر آب اور سطح آب دونوں پر چلتی تھی۔جوزف سمتھ گو کہ طوفان نوح کے بعد کا ذکر کرتا ہے لیکن بحر حال اس کا بیان بھی آبدوزوں کی جانب ہی اشارہ کرتا ہے جنہیں دو پتھروں کے ذریعے روشن رکھا جاتا تھا۔مطمع نظر یہ ہے کہ آبدوز بنانے اور سمندروں کی گہرائیوں میں چلانے کی صنعت ہمارے قائم کئے ہوئے اندازوں سے بہت پہلے ایجاد ہوچکی تھی۔

قبائلی داستانوں کے مطابق طوفان نوح میں گناہگاروں کے بچے سردی سے ہلاک ہوگئے تھے۔ لیکن اسلامی روایات اس کی تائید نہیں کرتیں۔امام علی رضا کے قول کے مطابق طوفان سے چالیس سال پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی عورتوں کے رحم عقیم کردیئے تھے۔اس وجہ سے طوفان نوح میں بچے ہلاک نہیں ہوئے۔آٹھویں صدی عیسوی میں شاید یہ معلومات عوام کے لئے حیرت کا باعث بنی ہوں لیکن ہمارے لئے نہیں۔آج کم از کم پچیس ترقی یافتہ اقوام کو پیدائش کی کم تر شرح کی وجہ سے لاولد قوموں کا لقب دیا گیا ہے۔ان میں سرفہرست سنگاپور ہے جو کم وسائل کے باوجود ترقی کی منازل تیزی سے طے کرتا ہوا صنعت و حرفت اور تجارت کی منڈی میں صف اول تک جا پہنچا۔البتہ اس تیز ترین معاشی دوڑ کا بلاواسطہ اثر خانگی زندگی اور معاشرتی روایات پر پڑتا ہے۔گلوبل برڈن آف ڈیزیز سٹڈی کے مطابق ترقی یافتہ ممالک میں بچوں کی پیدائش کی شرح 2012 میں کم ترین رہی۔یاد رہے کہ یہی وہ سال تھے جب قیامت (صغریٰ)

کے چرچے بہت عام ہوئے۔ خیال کیا جاتا تھا کہ 2012 میں کرہ ارض تباہ ہو جائے گا۔ بعض مغربی تھنک ٹینکس نے ایک خیال تو یہ پیش کیا کہ زمین ماحول کی آلودگی کی وجہ سے تباہ ہو جائے گی اور ماحول کو آلودہ کرنے کا سب سے بڑا مجرم تو انسان ہی ہے۔ لہٰذا بچوں کی پیدائش کے عمل کو روک دیا جائے۔ جو پہلے سے زندہ ہیں وہ ایک دن سکون کے ساتھ مر جائیں گے اور یوں زمین تباہ ہونے سے بچ جائے گی۔ دوسرا خیال یہ پیش کیا گیا کہ کرہ ارض کی زندگی ختم ہو چکی ہے۔ اس وجہ سے انسان کو کسی اور سیارے پر جا کر بسنے کا انتظام کرنا ہوگا۔ اس امر کے لئے بھی کم تر آبادی کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ خلائی جہازوں میں زیادہ مسافروں کے لئے جگہ نہ ہوگی۔ لہٰذا اتفاق رائے ایک بار پھر آبادی میں کمی اور پیدائش پر پابندی کے ضمن میں نکلا۔ الحمدللہ کہ اسلامی اصولوں کے مطابق قیامت صغریٰ کا وقت کوئی نہیں جانتا۔ ہم نہ تو اس کی حتمی گھڑی مقرر کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے لئے احمقانہ منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ کیوں کہ کرہ ارض تو حکم الٰہی تک قائم ہے۔ لیکن قیامت (صغریٰ) کا وقت مقرر کرنے والے بے اولاد ہی رہ گئے۔

اس کے علاوہ گلگامش کی نظم اور چند قبائلی داستانوں میں سیلاب کے بعد انسانی لاشوں کا ذکر ملتا ہے۔ یعنی کہ پانی اترنے کے بعد سطح آب پر لاشیں اس طرح تیرتی تھیں جیسے مردہ مکھیاں یا جب طوفان کا زور کم ہوا تو پانی کی لہروں پر لاشیں ایسے تیرتی نظر آتی تھیں جیسے کہ خود لہریں۔ لیکن اس واقعہ کے بارے میں نہ تو آسمانی کتابیں کچھ کہتی ہیں اور نہ ہی عام انسانی منطق اسے تسلیم کرتی ہے۔ اس وقت جب روایات کے مطابق زمین کو خشک ہونے میں عرصہ دراز لگا تو ان لاتعداد لاشوں کا کیا ہوا؟ جب زمین اس قابل ہی نہ تھی کہ اس پر قدم بھی رکھا جا سکے تو انسانی لاشوں کو دفن کس طرح کیا گیا؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا رب ذوالجلال نے اپنے پیمبر اور ان کے چند ساتھیوں پر تمام انسانیت کو دفن کرنے کی بھاری ذمہ داری ڈال دی؟ اور بالفرض اگر ان لامتناہی لاشوں کی تدفین کی گئی ہو تو انفرادی قبریں بنانا ممکن نہ تھا۔ اور اگر اجتماعی قبریں کھودی گئیں تو ان کی باقیات کہاں گئیں؟ علم آثار قدیمہ کی کھدائیوں میں بھی آج تک ایسی قبریں بازیاب نہیں ہوئیں۔ یہ نہ صرف ایک اہم سوال ہے، بلکہ ایک اہم اشارہ بھی۔ ان سوالوں کا منطقی جواب یہ ہے کہ وہ سب وہیں ہیں جہاں ان کے باقی آثار۔ ذرا سوچئے کہ وہ طاقتور ترین قومیں، ان کی عمارتیں، شہر، محلات، ذرائع آمد و رفت، ان کے کتبے اور دستاویزات، اور سب سے بڑھ کر ہواؤں میں اڑنے والے طیارے، ان کے آثار کہاں گئے؟ علم آثار قدیمہ کے شواہد بتاتے ہیں کہ زمین نوے فیصد سے زیادہ آثار محفوظ رکھتی ہے۔ اسی علم آثار قدیمہ کے بیانات کے مطابق طوفان نوح سے پہلے کی کوئی باقیات

ہمارے پاس نہیں۔ اگر ہیں تو صرف داستانیں۔ تو اب ہم کس نتیجے پر پہنچے؟

اس مقام حیرت پر ہمیں ماضی بعید میں جھانکنے کے لئے دوبارہ قرآنی آیات اور اسلامی روایات کا سہارا لینا پڑے گا۔ جب سورج سیاہ ہو گیا زمین جھولے کی مانند جھولتی تھی۔ زلزلہ ایسا کہ سمندروں میں طوفان آ گئے۔ بعض پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریت کا ڈھیر بن گئے اور زیر آب آ گئے۔ بعض نے اپنا مقام چھوڑ دیا (امام جعفر صادق۔ قصص الانبیاء) جب پانی اترا تو کیا ہوا۔ نئی انسانیت کے لئے نئی زمین اور نیا آسمان تیار تھا۔ پانی کی جگہ خشکی اور خشکی کی جگہ پانی آ گیا۔ بعض پہاڑی مقامات میدانوں میں تبدیل ہو گئے۔ بعض نئے پہاڑ تشکیل پائے۔ غالباً اب ہم اپنے نتائج کے قریب ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ قبل از طوفان کے آثار خدا نے ان مقامات پر محفوظ رکھے ہوئے ہوں، جہاں آج تک انسان نہیں پہنچ پایا۔ اکثر میں آتا ہے کہ آخری زمانے میں بھی وہی ہوگا جو نوح کے وقت ہوا تھا۔ اور جو کچھ آخری زمانے میں ہوگا، اس کی صاف جھلک ہمیں قرآن پاک میں نظر آتی ہے۔ البتہ آخری زمانے میں ساری انسانیت تباہ نہیں ہوگی۔ بلکہ ایک تہائی آبادی کو امان دی جائے گی۔ جب آسمان کھول دیا جائے گا اور اس کے سو دروازے ہوں گے اور پہاڑ اڑا دیئے جائیں گے سو وہ ریت ہوں گے (النباء 20-19)، جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔ تارے جھڑ جائیں گے۔ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے (التکویر 3-1)۔ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح (القارعہ 5-4)۔ جب زمین پھیل جائے گی (الانشقاق 2)، اور جب زمین بھونچال سے ہلا دی جائے گی۔ اور وہ اپنے بوجھ نکال پھینکے گی (الزلزال 2-1) خوفناک آگ لگنے کے واقعات پیش آئیں گے۔ زمین میں کھائیاں بنیں گی، طوفان باد و باراں شدید ہوگا اور اس کے بعد رب ذوالجلال نئی زمین اور نیا فلک پیدا کرے گا۔ جو کچھ زمین یعنی کہ ایک مرتبہ پھر پانی، پہاڑ اور میدان اپنی جگہ بدلیں گے، اور یقیناً ان کے نیچے دبے تمام آثار، خزانے اور دیگر وسائل انسان کی دسترس میں آ جائیں گے۔ نئی زمین اس قدر زرخیز ہوگی کہ نئے ذائقے اور قدر و قیمت کی سبزی اور پھل پیدا کرے گی۔ نیا پانی اتنا صحت مند ہوگا کہ زندگیوں کی طوالت کا باعث بنے گا۔ انشاءاللہ

رب تعالیٰ کا ہر نبی اپنی قوم/ اقوام سے زیادہ علم رکھتا تھا۔ اس لحاظ سے حضرت نوح نہ صرف عظیم صالح، بشیر اور نذیر تھے بلکہ سائنسدان بھی تھے۔ اگر ان کی قوم افعال کے سطحی فوائد کو اہم سمجھتی تھی تو حضرت کی آنکھوں کے سامنے ان کی افعال کا انجام تھا۔ قدیم داستانیں اس امر کی جانب اشارہ کرتی ہیں مثلاً انہیں زوئی سودرا یعنی غیر معمولی حد تک عقلمند یا غیر معمولی دانشمند کہا جاتا تھا۔ انہوں نے انسانوں کو

راہ راست پر لانے کے لئے اتنی تبلیغ کی اور خدا کے حضور اتنا گریہ کیا کہ ان کا لقب گریہ کرنے والا ہو گیا۔ قدیم داستانوں میں انہیں، نوو، نوو پولا راو کلا تاباشی کہا گیا ہے، یعنی کہ نوحہ کرنے والا یا لوگوں کے لئے گریہ کرنے والا۔ عبرانی میں نوح کہا گیا اور قرآن پاک میں بھی انہیں اسی نام سے یاد کیا گیا ہے۔

## قوم نوح اور جہاز رانی - ایک اہم سوال

طوفان کے بعد دنیا کے قدیم ترین جہازوں کا تصور بابل کی تہذیب کے ہلکا تھا کے قوانین سے ملتا ہے۔ ان قوانین کے مطابق اڑنے والی مشینیں انسانی جانیں بچانے کے لئے خدائی تحفہ تصور کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ آثار قدیمہ کی کھدائیوں کے دوران ایٹانا کی داستان (3000-2400 ق م) کی تختیاں برآمد ہوئی ہیں۔ بادشاہ ایٹانا کے بارے میں متفرق روایات ملتی ہیں۔ البتہ بعض روایات کے مطابق طوفان نوح کے بعد اس نے پہلی مملکت قائم کی تھی۔ ایٹانا کی داستان کے مطابق ایٹانا ایک عظیم الشان عقاب پر سوار ہوتا اور وہ اسے بلند سے بلند تر فضاؤں میں لے جاتا تھا۔ مصنف رینے نور برجن اپنی کتاب گمشدہ نسلوں کے راز میں لکھتا ہے کہ ایٹانا کی پرواز میں فضا سے سطح کا زمین کی جو تفصیلات بیان کی گئیں وہ اتنی مکمل ہیں کہ جب تک کوئی اتنی بلندی پر نہ پہنچے، ایسا بیان نہیں دے سکتا۔ موجودہ دور انسان بھی 1950 کی پروازوں اور 1960 کی ہوائی فوٹوگرافی کے بغیر ان سے ناواقف تھا۔ اس کے علاوہ کلدانی تہذیب کی سٹرالا دستاویزات میں جہاز بنانے کی تفصیلی ہدایات ملی ہیں۔ ان ہدایات میں جہاز کے انجن میں متحرک کرہ، گریفائٹ کی سلاخوں اور تانبے کے کنڈلوں کا ذکر ملتا ہے۔

اس کے علاوہ رومن شاعر اپنی نظم میٹامارفوسس میں ایک شاہی افسر کا ذکر کرتا ہے جو اپنے ایک خط میں لکھتا ہے کہ اگر ڈیڈلس بادشاہ ہمارے زمینی اور آبی راستے بند کر دے گا تو آسمان کا راستہ ہمارے لئے کھلا ہوا ہے اور ہم اسی طرح سفر کریں گے۔ اس کے بعد وہ ایسے علوم پر تحقیق کرتا ہے جو اس سے پہلے کسی نے نہ کی تھی اور قدرتی قوانین بدل کر رکھ دیتا ہے۔ یعنی کہ دو جہاز بناتا ہے۔ جس میں وہ اور اس کا بیٹا سفر کرتے ہیں۔ اس طرح وہ انسان کو اونچی اڑان کے طریقے سکھاتا ہے۔

1898 میں مصری تہذیب کے سکریٰ کے مقبرے سے انجیر کی لکڑی سے بنا عقاب کا ایک ماڈل ملا۔ حجم اور جسامت کے لحاظ سے اس ماڈل کو انتہائی ہشیاری سے 3:1 یا 2:1 کے نسبت تناسب سے بنایا گیا تھا۔ اس کے پر اور دم اوپر کی جانب اٹھی ہوئی تھی جو کہ ایک پرندے کے لئے غیر قدرتی تھی۔ مصر

کے کھدائی کرنے والے عملے نے اس پر، پرندہ لکھ دیا اور اسے عجائب گھر کے سٹور میں ڈال دیا۔ وہ ماڈل لمبے عرصے تک وہیں پڑا رہا۔ یہاں تک کہ 1969 میں مصری ماہر ڈاکٹر خلیل مسیحا کی توجہ کا مرکز بنا۔ انہوں نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ وہ ماڈل ترقی یافتہ جہازوں سے مماثلت رکھتا ہے۔ انہوں نے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ جس نے گہری تحقیق کے بعد نتیجہ اخذ کیا کہ یہ ماڈل ناسا کے جدید ترین، جھولتے پروں والے جہازوں سے لگا کھاتا ہے۔ ایسے جہازوں میں پر آگے پیچھے حرکت کرتے ہیں اور عام جہازوں کے مقابلے میں اونچی پرواز کرتے ہیں۔ ایسے پر سپر سانک جہازوں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ مصر کے دوسرے مقبروں سے جہازوں کے مزید چودہ ماڈل دستیاب ہوئے ہیں۔ (Messiha,1973)

کولمبیا، پیرو اور وینیز ویلا سے ایک ہزار سال پرانے جہازوں کے ننھے ماڈل ملے ہیں۔ ان میں سے کچھ سمتھ سونین انسٹیٹیوٹ واشنگٹن ڈی سی میں نمائش کے لئے رکھے گئے ہیں۔

ہندو وید کی سمر نگا سوتر میں دو سو کے قریب حوالہ جات ہوائی جہاذوں کی ساخت، اڑان اور ایندھن بھرنے کی تراکیب اور دوسری تفصیلات کے متعلق ہیں۔ ان جہازوں کے جوڑ سختی سے ویلڈ کئے جاتے تھے۔ انہیں اڑانے کے لئے مرکری یا پارہ کے انجن ہوتے تھے جن کے نیچے لوہے کے کنستر لگے ہوتے تھے۔ ان کنستروں میں آگ جلتی اور جہاذ اڑانے کے کام آتی تھی۔ جب ان انجنوں کو آن کیا جاتا تو شیر کے دھاڑنے کی سی آواز پیدا ہوتی تھی۔ وہ جہاز چھوٹے بڑے ہر سائز میں تیار کئے جاتے تھے۔ ان کی پرواز اتنی بلند ہوتی کہ زمین سے وہ موتی کے سائز کے نظر آتے تھے۔ ان کا ایک خاصہ یہ بھی تھا کہ وہ ضرورت کے وقت آبدوز بن جاتے تھے۔ یہاں ہمیں جوزف سمتھ کی دی بک آف مورمون یاد آتی ہے۔ جس کے مطابق خدا کے ہاتھ نے جارڈ کے بھائی کو آبدوز بنانے کا طریقہ سکھایا۔ اور اس کے بعد اس آبدوز کو سمندر کی گہرائیوں میں روشن رکھنے کی ترکیب بھی بتائی۔ اس کے علاوہ امریکہ کے قبائلیوں میں بھی عظیم الشان سیلاب کا ذکر ملتا ہے۔ جس میں حضرت نوح کی کشتی سطح آب پر چلتی تھی۔ لیکن ضرورت کے وقت آبدوز بن جاتی تھی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے سنسکرت کے پروفیسر مونیر ولیم نے رگ 1:48-47 میں بیان کی گئی اڑنے والی کار یا اڑنے والی گھوڑا گاڑی کا ذکر کیا ہے۔ انہیں ویمانز کہا جاتا تھا۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جن کے انجن پانی اور آگ سے چلتے تھے۔ اور وہ انتہائی تیزی کے ساتھ فضا میں پرواز کرتے تھے۔ ان میں سے بعض میں بارہ ستون، ایک پہیہ اور تین مشینیں ہوا کرتی تھیں۔ ویمانیکا شاستر شا کونہ ویمانز کا ذکر کرتی ہے جس کے پر اور دم تھی۔

یہاں پر امام جعفر صادق کا وہ قول بے محل نہ ہوگا جس میں انہوں نے فرمایا کہ کوئی شے جو وجود نہ رکھتی

ہوانسانی تخیل میں نہیں آسکتی۔تخیل کے لئے وجود کا ہونا شرط ہے۔(دی سپر برین آف اسلام)اس قول کی روشنی میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہزاروں سال پہلے وید میں ہوائی پروازوں کی اتنی تفصیل کہاں سے آئی؟ مغربی ماہرین کے مطابق اڑتے پرندوں کو دیکھ کر انسان کے دل میں پرواز کی خواہش پیدا ہوئی لیکن مندرجہ بالا تحقیقی مواد سے پتا چلتا ہے کہ انسان حضرت نوح کے سیلاب سے پہلے ہی انتہائی ترقی یافتہ پروازوں کے ماہر تھے۔بابل ونینوا،مصری اور ہندی داستانیں اور ماڈلز انہی قدیم جہازوں کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔یہاں پر ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ اگر زمانہ قدیم میں جہاز اور جنگی طیارے موجود تھے تو ان کی باقیات کہاں گئیں؟کسی بھی کھدائی سے ایسے جہازوں کے آثار نہیں ملے۔ماہرین اس سوال کا جواب بھی خود ہی دیتے ہیں کہ غالباً وہ طیارے حضرت نوح کے طوفان سے پہلے تھے،نہ کہ بعد میں۔اور جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے قبل از سیلاب کے باقی آثار پنہاں کر دیئے،اسی طرح یہ شواہد بھی پنہاں ہیں۔ اور جب بھی رب متعال کا حکم ہوگا تو وہ عیاں ہو جائیں گے۔بابل،مصر اور ہندی روایات میں صرف ان کی یادیں باقی رہ گئی تھیں۔جو وہ قصے کہانیوں،آرٹ اور ماڈلز کی صورت میں پیش کرتے تھے۔

قرآئن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جدید دور کے انسان نے قدیمی کتب اور صحف سے جہاز رانی کا طریقہ سیکھا۔کہا جاتا ہے کہ انیسویں صدی میں رائٹ برادرز سے پہلے ایک ہندوستانی شوکر باپو جی تلپاتے نے وید کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے بانس کی لکڑی سے ایک جہاز بنایا۔جس نے کچھ دور تک اڑان بھری لیکن اس کے بعد زمین پر گر کر تباہ ہو گیا۔اس جہاز میں کوئی انسان سوار نہ تھا اور اسے مرکری کی طاقت سے اڑایا گیا تھا۔لیکن یہ ایک متنازعہ کہانی ہے کیونکہ اس کے تاریخی حوالہ جات کمزور ہیں۔البتہ ہمیں یاد رکھنا پڑے گا کہ ماڈرن تاریخ کی سب سے پہلی اڑان سلطنت عثمانیہ کے ہزارفن احمد چلبی نے بھری تھی۔وہ قسطنطنیہ کا رہنے والا سترھویں صدی کا سائنسدان،موجد،کیمیادان،علم فلکیات اور فزکس کا ماہر تھا۔اسی وجہ سے سیاح ایولیہ چلبی نے اسے ہزارفن کا لقب دیا۔سیاح ایولیہ کے مطابق اس نے لکڑی سے عقاب جیسے پر بنائے اور سلطان مراد چہارم کی موجودگی میں استنبول میں واقع گلہ تا مینار سے اڑان بھری اور اوسکودار تک پہنچا۔سلطان نے اسے سونے کے سکوں سے بھری تھیلی عنایت کی۔لیکن وہ اس کے علم وفنون سے خوفزدہ تھا۔اس وجہ سے اس نے ہزارفن احمد کو ملک بدر کر کے الجیریا بھیج دیا۔اس کی وفات الجیریا میں ہوئی اور وہیں اس کی آخری آرام گاہ بھی ہے۔دور جدید کے مصنفین کا کہنا ہے کہ ہزارفن احمد نے اڑان تو بھری تھی لیکن سیاح ایولیہ نے مبالغہ سے کام لیا ہے۔اس زمانے کے جہاز تکنیکی لحاظ سے اتنے مضبوط نہیں تھے

کہ اتنی لمبی اڑان اڑ سکیں۔لیکن یاد رکھنا پڑے گا کہ مسلمان رائٹ برادرز سے دو یا اڑھائی سو سال پہلے مکینیکل اڑان کا کامیاب تجربہ کر چکے تھے۔اس وقت اگر ان تجربات کو مناسب سرپرستی مل جاتی تو آج جہاز رانی کی اول درجے کی صنعت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی۔(Rafiq,2022)

اب اگر ہم رائٹ برادرز پر ایک نظر ڈالیں تو ان کے پس منظر میں بھی مذہبی معلومات نظر آتی ہیں۔ ان کا باپ پادری تھا اور گھر میں درمیانے درجے کی مزہبی لائبریری رکھتا تھا۔کہا جاتا ہے کہ لڑکے گرمیوں کی چھٹیوں میں اپنا اکثر وقت اس لائبریری میں گزارتے تھے۔عین ممکن ہے کہ اسی مطالعے کے دوران انہیں جہاز رانی کا محرک ملا ہو۔

اس مقام پر ہم ایک علمی اور فکری مفروضہ قائم کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔اور وہ یہ کہ قبل از طوفان نوح انسانی علوم وہاں تک پہنچ چکے تھے جہاں سے جدید سائنس نے کچھ مستعار لیا، اور غالباً" بہت کچھ ایسا ہے جس تک وہ ابھی پہنچ ہی نہیں سکی۔البتہ آج انسان کو باور کروا دیا گیا ہے کہ صرف جدید دور ہی ترقی کا اعلیٰ ترین دور ہے، جبکہ قدیمی قومیں فرسودہ تھیں۔لیکن ان دعوؤں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔دور کیوں جایئے؟ ہم سبھی جانتے ہیں کہ جدید مغربی سائنس نے بہت کچھ تو مسلمانوں سے مستعار لیا۔دسویں صدی سے لے کر بارہویں صدی میں برطانیہ کے دانشوروں نے مسلمانوں کی کتب کے تراجم کئے۔یوں نہ صرف اسلامی بلکہ ہندی اور یونانی علوم بھی ان کی دسترس میں آ گئے۔پہلی مرتبہ ان پر انکشاف ہوا کہ آسمانی کتب ہر قسم کے علوم کی کنجی ہیں۔

سترھویں صدی میں جب بائبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ ہوا تو مغربی سائنس کو دوسرا بڑا محرک ملا۔لہٰذا تورات اور بائبل سے بے شمار نظریات اخذ کئے گئے جس کے نتیجے میں علم فلکیات، طبیعیات، کیمیا اور طب کے در وا ہوئے۔اس کے بعد خطیر رقوم اور وسیع تر ذرائع کی بدولت مغربی سائنس ترقی کے زینے پر چڑھتی چلی گئی۔

البتہ انیسویں صدی میں مخصوص مقاصد کے تحت سائنس کو سیکولرازم کے پردے میں ڈھانپ دیا گیا۔جس کے نتیجے میں رب کائنات کی مقرر کی ہوئی حدود بے معنی ہو کر رہ گئیں۔گو کہ سیکولرازم کی اپنی اخلاقیات ہیں لیکن وہ اتنی طاقتور نہیں کہ نفس کے منہ زور گھوڑے کو قابو کر سکیں۔اسی لئے مفاد پرستوں نے جب چاہا حقیقی اقدار کو قلیل معاوضے پر بیچ دیا۔انسانی جان بے قیمت ہو گئی اور ماحولیاتی حدود کو بے خوفی کے ساتھ پار کیا گیا۔معدودے چند افراد ساری دنیا کی قسمت کے ٹھیکے دار بن بیٹھے۔جس قوم کو

جس جانب چاہا اس کا رخ ادھر موڑ دیا۔ گویا کہ ظلم اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ جب ہماری داستان یہاں تک پہنچی تو دماغ نے ایک اور سوال داغ دیا اور وہ یہ کہ:

نیوکلیئر سائنس کی تباہ کاریوں اور ماحول کی بے پناہ آلودگی کے باوجود بھی کرہ ارض تباہی کے اس دہانے پر نہیں پہنچا جہاں طوفان نوح کے وقت پہنچ گیا تھا۔ انہوں نے ایسا کیا کیا کہ زمین کی گردش کو متاثر کر بیٹھے؟ زمین کی اندرونی تہیں، سمندر، پہاڑ اور آفاق پر سورج، سبھی نے اپنا مقام چھوڑ دیا۔ تو وہ کیا تھا جس کے بارے میں گلگامش کی نظم میں دیوتا ایلل کے منہ سے کہلوایا گیا کہ آئندہ ہم انسان کو اس حد تک پہنچنے ہی نہیں دیں گے کہ وہ دیوتاؤں کی نیند خراب کریں۔

جدید سائنس مدتوں اس کی تلاش میں رہی۔ اور آخر کار اینٹی میٹر کا راز منکشف ہو گیا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ ناقابل یقین حد تک توانائی کا یہ انوکھا خزانہ آج بھی انسانی تسلط میں نہیں آ سکا۔

آج ہم سائنسی تحقیق کے جس مقام پر کھڑے ہیں وہاں اینٹی میٹر یا ضد مادہ ہی وہ شے ہے جسے انسان ابھی تک اپنے تصرف میں نہیں لا سکا۔ ضد مادہ کی کہانی بھی عجیب ہے۔ 1980 میں برطانوی سائنس دان پال ڈائرک نے آئن سٹائن کے خصوصی نظریہ اضافت اور کوانٹم تھیوری کو ملا کر ایک فارمولا بنایا۔ اس فارمولے کے تحت ایٹم کے ہر ذرے کے ساتھ مخالف چارج کا ایک ضد ذرہ موجود ہوتا ہے۔ پال ڈیرک کو اس فارمولے پر نوبل پرائز سے نوازا گیا۔ پال ڈیرک وہی تھا جس نے دوسری جنگ عظیم کے دوران راکٹ پاور ہتھیار تیار کئے تھے۔ وہ کیلیفورنیا انسٹیٹیوٹ آف فزکس میں پروفیسر تھا۔ وہ بہت بلند مقامات سے کوسمک ریز کا مشاہدہ کیا کرتا تھا۔ اول اول اس نے اپنی تجربہ گاہ میں پوزیٹران کا مشاہدہ کیا تھا۔ اس کی دریافت نے سائنسی دنیا پر تجربات کے نئے در وا کر دیئے۔

کئی سو سال کی سائنسی ترقی کے بعد انسان نے سمجھا کہ اس نے بہت سی کائنات فتح کر لی لیکن حقیقت تو یہ ہے وہ نادان کائنات کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے کی حقیقت بھی نہ جان سکا تھا۔ جس کائنات سے ایک عام انسان واقف ہے دراصل اس کی ایک ہم عصر لیکن مخالف کائنات بھی موجود ہے۔ اگر مادہ اور ضد مادہ کو اکٹھا کر دیا جائے تو وہ ایک دوسرے کو فنا کر دیتے ہیں اور فنا کے اس عمل میں ناقابل یقین حد تک توانائی خارج ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک گرام مادہ کو اتنے ہی ضد مادہ کے ساتھ ملا دیا جائے تو 14-10 جول توانائی حاصل ہوتی ہے جو کہ ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایٹم بم کے برابر ہے لیکن ایک گرام مادہ اور ضد مادہ کی توانائی حاصل کرنے پر 62 ٹریلین امریکی ڈالر کی کثیر لاگت آتی ہے۔ جو کہ اس وقت امیر

ترین ممالک کے بس میں بھی نہیں ہے۔لیکن سائنسدان مسلسل کم لاگت تجربات کی تلاش میں ہیں۔کیونکہ ضد مادہ وہ جادوئی اور دیومالئی مواد ہے جس کی انسان کو ہمیشہ تلاش رہی۔اگر ضد مادہ کی کثیر توانائی قابل استعمال ہوجائے تو دور دراز کہکشاؤں تک پہنچنے والے خلائی جہاز تیار کئے جاسکتے ہیں۔اس وقت دنیا کی صرف ایک لیبارٹری دی یورپین آرگنائزیشن آف نیوکلیر ریسرچ ضد مادہ پر کام کررہی ہے۔یہ لیبارٹری فرانس اور سوئٹزرلینڈ کے بارڈر پر واقع جینیوا میں قائم کی گئی ہے۔بائیس یورپین ممالک اور اسرائیل (غیر یورپین) اس کے ممبر ہیں۔جبکہ جاپان اور امریکہ ان تجربات پر سپروائزر اور ناقد کی سی نظر رکھتے ہیں۔اس کے علاوہ کئی ایک ممالک اس کے دوسرے درجے کے ممبرز ہیں۔جن میں پاکستان اور انڈیا بھی شامل ہیں۔

آسمانی کتب نے تو آج سے ہزاروں سال پہلے اعلان کردیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا جوڑا ترتیب دیا ہے لیکن جدید انسان صرف آئن سٹائن کے توسط سے اس راز تک پہنچ پایا۔بائبل کی کتاب سیراخ 14(24-42) کے مطابق، ہر شے جوڑے میں ہے اور دوسرے کی ضد۔اللہ تعالیٰ نے کسی بھی شے کو نامکمل نہیں بنایا۔اس کے علاوہ سورہ الزاریات کے مطابق اور ہم نے ہر شے کو جوڑے میں پیدا کیا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو (آیت 49)۔اینٹی میٹر شاید بیسویں صدی کی اہم ترین دریافت ہے، جس نے ابھی تک انسان کو حیرت میں مبتلا کر رکھا ہے۔کون جانے کہ اس کے علاوہ کس قدر جہان حیرت ابھی تک انسان کی کاوشوں کے منتظر بیٹھے ہیں۔

## اہل تشیع، فلسفہ غیبت اور مملکت خداداد کا قیام

اثناءعشری تشیع کے ہاں آمام القائم عج کے بارے میں قرآن وحدیث اور آئمہ کرام سے اتنی روایات بیان ہوئی ہیں، کہ کسی اور موضوع پر نہیں کی گئیں۔آیت اللہ شہید محمد باقر الصدر رضوان اللہ اپنی کتاب، تصور مہدیٰ میں القائم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اہل سنت سے چار سو اور شیعہ اور سنی دونوں کی ملا کر چھ ہزار روایات بیان ہوئی ہیں۔امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور دیگر آئمہ کرام سے ظہور مھدی عج کے سلسلے میں طویل خطبے اور مکالمے یا گفتگو روایت کی جاتی ہیں۔ابن الجر ہیثمی، صواقعہ محرقہ میں تحریر کرتے ہیں کہ ان حدیثوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں ظہور مھدی عج کا ذکر ہے اور وہ سب تواتر سے ہیں۔آئمہ اطہار اور دیگر علماء نے قرآن پاک کی کئی ایک آیات کی تفاسیر قیامت صغریٰ، امام زمانہ کے ظہور، حضرت عیسیٰؑ کی واپسی اور رجعت کی ضمن میں کی ہیں۔

قرآن پاک کی آیات القصص 6-5 خصوصیت کے ساتھ ظہور اور رجعت کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔

اور ہم یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ جنہیں زمین پر بے بس کر دیا گیا ان پر احسان کریں اور انہیں پیشوا بنائیں اور ہم انہی کو (زمین کا) وارث بنائیں اور ہم زمین میں انہیں اقتدار دیں۔ اور ان کے ذریعے ہم فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ دکھا دیں جس کا انہیں ڈر تھا۔

اور یہ بھی کہ:

اگر تمہارا پانی گہرائیوں میں چلا جائے تو پھر کون ایسا ہے جو تمہیں دوبارہ چشمے کا پانی نکال کر دے۔

امام محمد باقر نے فرمایا کہ سورہ شعرا کی آیت 4 حضرت قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نازل ہوئی ہے۔

اگر ہم چاہیں تو ابھی آسمان سے ان کے لئے ایک نشانی اتار دیں۔ جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں۔

دلائل امامتہ میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ وہ برادری کس طرح تباہ ہو سکتی ہے جس کا اول میں، آخر عیسیٰؑ اور درمیانی مھدی ہو۔ (234)

حضرت علی علیہ السلام نے کئی مواقع پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد اپنا مشہور قول دہرایا کہ، سلونی قبل ان تفقدونی۔ مجھ سے پوچھ لو۔ قبل اس کے کہ تم مجھے کھو دو۔ اور اس کے بعد یا تو ظہور مھدی عج پر خطبات دیئے یا لوگوں کے دیگر سوالات کے جواب فراہم کئے۔

البتہ ہماری موجودہ تحریر کا ایک اہم مقصد آدم سے لے کر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد تک کی روایات اور واقعات میں تسلسل قائم کرنا ہے۔ تا کہ ایک مرتبہ پھر انسان کو یاد دلایا جائے کہ دین الٰہی ایک ہی ہے، اور وہ ہے اسلام۔ حضور اکرم صلعم اور ان کی آل، اور ان کی آل میں ایک عظیم الشان نجات دہندہ کا تصور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک چلتا رہا۔ ان الہامات اور پیشنگوئیوں میں وقت اور حالات کے اعتبار سے تمثیلات، محاورے اور استعارے استعمال ہوتے رہے۔ لیکن اگر ان کی گہرائی میں غوطہ زن ہوں تو ایک ہی گوہر ہاتھ آتا ہے۔ اور وہ ہے دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے قوانین کی پاسدار مملکت خداداد۔

تورات، بائبل اور اس کے علاوہ دیگر پیشنگوئیوں میں مستقبل میں آنے والے نجات دہندہ کے

لئے متفرق اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں جن میں سب سے زیادہ عام، ابن آدم ہے۔ مثلاً کتاب حنوک 2:23 (صحف ادریس) میں درج ہے کہ، جب سورج بھی نہ تھا۔ اور نہ ہی ستارے۔ تب سے ابن آدم کو تخلیق کیا گیا تھا۔ وہ ٹوٹے دلوں کا واحد سہارا ہوگا۔ اس وجہ سے اسے زمین کی تخلیق سے بھی پہلے خلق کیا گیا اور آسمانوں پر چھپا دیا گیا تھا۔

عیسائیوں نے اس اصطلاح کو عیسیٰ ابن مریم سلام اللہ علیہ پر محمول کیا۔ گو کہ حضرت عیسیٰ نے بائبل میں ابن آدم کا ذکر کیا لیکن انہوں نے اس ہستی کے لئے، وہ کا صیغہ استعمال کیا نہ کہ میں کا۔ بائبل کے ماہر علماء نے بھی حضرت عیسیٰ کے اس طرز تکلم پر توجہ دی اور تبصرہ کیا کہ حضرت عیسیٰ نے لفظ وہ استعاراً" استعمال کیا ہے۔ اگر وہ اپنی دوسری آمد پر کھل کر بات کرتے تو مخالفین کی شرارتیں اور بھی بڑھ جاتیں۔ چلیں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے استعاراً" ایسا کیا ہوگا۔ لیکن چار ہزار سال پرانی نیفرٹی کی پیشنگوئیوں کی ورق گردانی سے ہمیں ایک عجیب اشارہ ملا۔ تورات، بائبل اور دیگر پیشنگوئیوں میں مستقبل کے نجات دہندہ کو، ابن آدم کہا گیا ہے۔ یعنی کہ، انسان کا بیٹا، تا کہ رہتی دنیا تک لوگ جان جائیں کہ وہ ہمارے جیسا انسان ہوگا۔ نہ کہ، خدا کا بیٹا یا کوئی دیوا۔ لیکن نیفرٹی کی پیشنگوئیوں میں اسی نجات دہندہ کو ایک انسان کا بیٹا کہا گیا ہے۔ یہ ترکیب فرد واحد کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ یعنی کہ ایک انسان یا مرد کا بیٹا۔ یا یہ کہ ایک جوڑے کا بیٹا۔ نہ کہ کنواری ماں کا بیٹا۔ یہاں ہم نے دو اصطلاحات کا ذکر کیا۔ 1)، ابن آدم اور 2)، ایک انسان کا بیٹا۔ عیسائیوں کے ہی عقاید کے مطابق یہ دونوں اصطلاحات حضرت عیسیٰ سلام اللہ علیہ کی جانب اشارہ نہیں کرتیں۔ کیوں؟

وہ اس لئے کیونکہ ابن آدم ایک عام انسان ہے۔ نہ کہ، خدا کا بیٹا، یا، تین میں تیسرا۔ دوسری اصطلاح، ایک انسان کا بیٹا، ان کے والد کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ جبکہ عیسیٰ بن مریم ازن الٰہی سے ایک کنواری ماں کے بیٹے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی ایک تورات اور بائبل میں مستقبل کے نجات دہندہ کی زیادہ تر نشانیاں امام زمانہ سے ملتی ہیں۔ البتہ وہاں حضرت عیسیٰ کی واپسی کا تذکرہ بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ قدیم مصری تہذیب سے تعلق رکھنے والی کاہنہ کی پیشن گوئیوں میں لکھا ہے کہ:

> اور یہ کہ مسیحا ایک بادل پر سوار ہو کر دوسرے، لازوال کی جانب جائیں گے اور ان کے داہنے بازو بیٹھیں گے۔ اور وہ دونوں مل کر اچھے برے انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔

دوسری جانب ہمارا جدید وژنری جوذ ف سمتھ حضرت عیسیٰ سلام اللہ علیہ سے ایک پیشنگوئی بیان کرتا ہے کہ:

اور جس عظیم الشان ملینیم کا میں نے ذکر کیا ہے، وہ قائم ہو کر رہے گی۔
تمہارے دشمن تم پر حاوی نہ ہو سکیں گے۔ ابن آدم اور میں، ہم دونوں ظہور کریں گے۔ (ڈی اینڈسی)۔

## سینٹ جون (یوحنا) کے الہامات اور ظہور قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس کتاب کے باب 3 میں ہم نے سینٹ جون کے الہامات کا ذکر کیا۔ دی ریویلیشنز اپنے طاقتور موضوعات، متن اور بیان کی وجہ عرصے تک ایک متنازعہ تحریر رہی۔ مفسرین کا خیال ہے کہ سینٹ جون نے جب دی ریویلیشن لکھی اس وقت عیسائیوں کے خلاف رومن اور یہودی مخالفت عروج پر تھی۔ لہٰذا سینٹ جون نے اپنا پیغام تمثیلات کی صورت میں دیا۔ اس کے علاوہ یہ کہ دی ریویلیشنز کا متن عیسائی عقیدے سے میل نہیں کھاتا۔ مثلاً" کئی ایک سروں والا اژدہا مقدس بی بی کا پیچھا کرتا ہے وغیرہ۔ اس کے علاوہ اس میں ایک بادشاہ کا ذکر کیا گیا ہے جو، لوہے کی سلاخ سے دنیا پر حکمرانی کرے گا۔ حضرت عیسیٰ نے کبھی نہیں کہا کہ وہ ایک عظیم شہنشاہ کے طور پر واپس آئیں گے۔ وہ تو بس خدا کی بھیجی ہوئی شریعت کی تبلیغ کرنے والے پیغمبر تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے کبھی بھی جنگ کا پیغام نہیں دیا۔ ان کی تبلیغات محبت و آشتی پر مبنی تھیں۔ حتیٰ کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے رومن بادشاہ کو ٹیکس دینے کی بھی تاکید کی تاکہ نوزائیدہ دین کے پیروکار غیر ضروری تشدد کا نشانہ نہ بنیں۔ البتہ یہودی مسیحا ایک جنگجو کے طور پر سامنے آتا ہے اور یہودی حکومت قائم کرتا ہے۔ لہٰذا مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ شاید یہ کتاب غلطی سے حضرت عیسیٰ کے پسندیدہ حواری سینٹ جون سے منسوب کر دی گئی ہو۔ جبکہ درحقیقتاً" اسے کسی یوحنا نامی یہودی نے تحریر کیا ہو۔ لہٰذا اکثر عیسائی فرقوں نے اس کتاب کو مسترد کر دیا۔ آخر کار عیسائی کونسلوں کی سفارش پر اسے بائبل کی آخری سوڈو کتاب کے طور پر شامل کر لیا۔ لیکن عوام کو متنبہ کر دیا گیا کہ اس کے متن کو حقیقی نہیں بلکہ تمثیلی جانیں۔ تاکہ عوام الناس میں جنگ وجدل کا رجحان نہ پھیلے۔ (Clemen,1909)

تمثیلی تحریروں میں عموماً" کلیدی الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے جو نہ صرف مرکزی خیال بیان کرتے ہیں، بلکہ اس کے خفیہ اسرار کے لئے کنجی کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ اگر قاری اپنے علم وحکمت اور فہم و فراست کے ذریعے ان الفاظ کے معانی کو پالے تو وہ اصل خزینہ تک پہنچ جاتا ہے۔ سینٹ جون کے الہامات میں کئی ایک کلیدی الفاظ پائے جاتے ہیں۔ مثلاً" پیروں تک لمبے لبادے والی ہستی، گھڑسوار،

خون میں ڈوبی پوشاک، بادشاہوں کا بادشاہ، وہ جس کا نام کوئی نہیں جانتا (سوائے اس کے اور خدا کی ذات کے)، بارہ کے ہندسے کی تکرار، بی بی مطہرہ مقدسہ، بچہ جس کے پیچھے اژدہا لگ گیا، بچے کا آسمانوں پر اٹھا لیا جانا، اژدہا جب بچے کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تو جھنجھلا کر بی بی کے دوسرے بچوں کو پریشان کرتا ہے؛ افلاک سے زمین تک بہتا ہوا آب حیات کا چشمہ اور اس کے کنارے لگے اشجار وغیرہ۔ ان تمثیلات میں ہمیں صاف صاف پنجتن پاک اور قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس نظر آتا ہے۔

مندرجہ ذیل حصے میں ہم سینٹ جون کے الہامات کا احادیث اور اقوال آئمہ کے ساتھ تجزیہ پیش کریں گے۔ تاکہ واضح ہو سکے کہ ان کی بیان کردہ نشانیاں اور حتیٰ کہ بعض الفاظ بھی احادیث اور آئمہ کرام کے اقوال سے مماثلت رکھتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ احادیث مبارکہ اور اقوال آئمہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی انجیل میں دو خوشخبریاں، رسالت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت مھدی عج کی مملکت خداداد کی تھیں۔ اسی وجہ سے سینٹ جون محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی وساطت سے قیامت تک آنے والے مخصوص حالات سے واقف تھے۔ انہی میں سے چند واقعات وہ اپنے الہامات میں بیان کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ عیسائی مفسرین کے دوران عرصے تک بحث چلتی رہی کہ وہ، بی بی کون ہیں جن کا دیدار سینٹ جون نے کیا۔ کیوں کہ ان کی بیان کردہ نشانیاں بی بی مریم اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے واقعات سے میل نہیں کھاتیں۔ خیال کیا جاتا رہا کہ شاید سینٹ جون مصر اور یونان کی دیومالائی داستانوں سے متاثر ہوں، جن میں دیوی جونو بارہ کنگروں والا تاج پہنتی ہے۔ مضحکہ خیز تو یہ ہے کہ سینٹ جون حضرت عیسیٰ کے قریبی حواریوں میں سے تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد ہی خدا کی وحدانیت بیان کرنا اور اس کے دین کی تبلیغ تھا۔ تو پھر وہ دیوی دیوتاؤں کے قصے اپنے الہامات میں کس طرح گڈمڈ کر دیتے؟ دراصل یہاں پر مسئلہ، شناخت، کا ہے، نہ کہ سینٹ جون کے بیان کا۔ جن بی بی پاک کو وہ حضرت مریم سے تعبیر کر رہے ہیں، دراصل وہ مادر امام مھدی عج ہیں۔ ہمارا پہلا خیال بی بی نرجس کی جانب جاتا ہے۔ لیکن جب ہم سینٹ جون کے بیان کردہ حلیے کا تجزیہ کرتے ہیں تو بی بی پاک فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہ کی شبیہہ واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ یہاں پر عیسائی مبصرین کی بیان کردہ روایات میں معمولی سا فرق پایا جاتا ہے، شاید بارہا تراجم کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔

بعض روایات میں ان کا لباس چاند اور سورج سے مزین بتایا گیا ہے۔ البتہ دوسری روایات میں

کہا گیا ہے کہ سورج ان کی داہنی جانب اور چاند ان کے قدموں تلے تھا۔اس کے علاوہ بعض روایات کے مطابق ان کے سر پر بارہ کنگروں والا تاج تھا۔لیکن کئی ایک مقامات پر لکھا گیا ہے کہ ان کے تاج کے اوپر بارہ ستارے دو قطاروں میں آویزاں تھے۔یعنی کہ چھ چھ ستاروں کی دو قطاریں تھیں۔اس کے بعد وہ ایک لڑکے کو جنم دیتی ہیں۔اگر غور کیا جائے تو یہ نشانیاں بی بی پاک فاطمہ الزہرہ سلام اللہ علیہ کی شان کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔سورج اور چاند ان کے تابع تھے۔لفظ فاطمہ کے کئی معنی ہیں جن میں سے ایک درخشاں یا از حد چمکدار بھی ہے۔چونکہ سورج اور چاند کائنات کے روشن ترین اجسام ہیں اس وجہ سے سورج اور چاند کو ان کے تابع دکھایا گیا ہے۔بارہ ستارے اثنا عشری آئمہ کو ظاہر کرتے ہیں جو ان کی ذریت سے، اور امام القائم عج فرجک ان کی نسل میں سے ہیں۔

احادیث اور آئمہ کی روایات میں بھی بی بی فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہ کو ہی مادر قائم آل محمد کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔مثلاً ابن عباس سے حدیث معراج میں منقول ہے کہ، علی کے صلب سے گیارہ مہدی پیدا ہوں گے اور یہ سب کے سب تمہاری (حضور اکرم) کی ذریت اور بتول کی اولاد سے ہوں گے۔ جن میں آخری وہ ہوگا جس کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم نماز ادا کریں گے۔(کتاب المختصر، کتاب المعراج)۔اس کے علاوہ الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کوئی خواہ کتنے ہی پھریرے لے کر نکلے وہ اس لائق نہیں کہ اس کی بات سنی جائے سوائے اس کے جس پر تمام بنی فاطمہ سلام اللہ علیہ مجتمع ہو جائیں۔خدا کی قسم تمہارا ولی الامر وہی ہے جس پر سارے بنی فاطمہ سلام اللہ علیہ مجتمع ہو جائیں۔اس کے علاوہ امام محمد باقر نے قائم آل محمد کے بارے میں فرمایا کہ وہ مرد ہے اور اولاد فاطمہ سے ہے۔

سینٹ جون نے مزید پیشن گوئی کی کہ آخری زمانے میں زمین اور افلاک کا تیسرا حصہ جل کر راکھ ہو گیا ہے۔پانیوں کا تیسرا حصہ خون میں بدل گیا ہے اور ناقابل استعمال ہے۔اسی طرح امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ ظہور اس وقت ہوگا جب دنیا کی آبادی دو تہائی ختم ہو جائے گی۔ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں کہ ظہور اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ دس میں سے نو حصے آبادی ختم ہو جائے۔

## قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی گھڑی

تورات، بائبل، قرآنی آیات، احادیث اور آئمہ کے فرمودات کے مطابق صاحب الامر کے ظہور کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔اس گھڑی کو رب کائنات کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، حتیٰ کہ صاحب امر بذات

خود بھی نہیں۔ جس جس نے امام عج کے ظہور کا وقت معین کرنا چاہا وہ سخت مایوسی اور نقصان کا شکار ہوا۔ یہ امر رب متعال کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔

بائبل کے مارک 31:13 میں درج ہے کہ، چاہے زمین و آسمان ختم ہو جائیں، لیکن میرا وعدہ ختم نہ ہوگا لیکن وہ دن اور وہ گھڑی اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔

اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کے ظہور کا کوئی وقت مقرر نہیں کیا گیا اور اس ساعت کا سوائے پاک پروردگار عالم کے کسی کو علم نہیں اور جو شخص ہمارے مہدی کے لئے وقت مقرر کرے گا تو گویا وہ خود کو علم میں خدا کا شریک قرار دے رہا ہے۔

اس کے علاوہ امام صاحب الامر نے اپنے آخری نائب کو لکھا کہ میرے، ظہور کلی کا لمحہ صرف اور صرف خداوند متعال کو معلوم ہے۔ البتہ میرا ظہور اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ صفیانی اپنی تمام برائیوں کے ساتھ ظاہر نہ ہو جائے۔ وہ اپنے آپ کو انسانیت کے نجات دہندہ کے طور پر متعارف کروائے گا لیکن اس کا مقصد تمام دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنا ہوگا۔

ابو بصیر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ جس دن تم دیکھو کہ مشرق سے ایک عظیم آگ کرکم (زعفران ہندی) کی مانند نمودار ہوئی جو تین یا سات دن تک برابر روشن رہی تو اس وقت آل محمد کی کشادگی کی امید رکھنا۔ (بحار الانوار 143)۔

## ظہور میں عجلت چاہنے والوں کا انجام

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ظہور کے لئے عجلت چاہنے والے (ہلاک ہو جائیں گے)، (غیبۃ النعمانی)۔ اسی طرح امام محمد باقر کا فرمان ہے کہ جب تک یہ زمین اور آسمان ساکن ہیں تم بھی ساکن رہنا۔ کسی پر خروج نہ کرنا۔ اس لئے کیونکہ جب تمہارے صاحب الامر عج تشریف لائیں گے تو کسی پر مخفی نہیں رہے گا۔ ان کے پاس بندوں کی دی ہوئی نشانیاں نہیں بلکہ اللہ عزوجل کی عطا کی ہوئی نشانیاں ہوں گی جو آفتاب سے بھی واضح اور روشن ہوں گی۔ اور کسی نیکو کار و بدکار سے پوشیدہ نہیں رہیں گی۔ تم لوگ صبح کو تو پہچانتے ہو؟ بس ان کا ظہور بھی ایسا ہی ہوگا جیسے صبح کا ظہور ہوتا ہے اور کسی پر پوشیدہ نہیں رہتا، (بحار الانوار: 11، 681)۔

## قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور

تورات، بائبل اور اسلامی روایات میں کثرت کے ساتھ قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھوڑے پر سوار ہو کر

بادلوں سے نمودار ہونا پایا جاتا ہے۔ مثلاً سینٹ جون نے الہامی کیفیت میں انہیں سفید گھوڑے پر سوار آسمانوں سے نمودار ہوتے دیکھا۔ ان کے منہ سے آگ (روشنی یا نور) کی دودھاری تلوار نکلتی تھی اور ان کی آنکھیں غضب سے چمک رہی تھیں۔ ان کی پوشاک خون سے تر تھی۔ ان کی آسمانی افواج بھی سفید گھوڑوں پر سوار تھیں۔ اور سب نے سفید لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ بائبل کے مفسرین نے ان واقعات کو حضرت عیسیٰ کی واپسی سے تعبیر کیا لیکن اس کی تفصیلات میں الجھ کر رہ گئے۔ وہ حیرانی کا اظہار کرتے ہیں کہ ظہور کے وقت، جب حضرت عیسیٰ کی جنگ کا آغاز ہی نہیں ہوا تو ان کی پوشاک خون سے تر بتر کیسے ہوگئی؟ البتہ اثنا عشری آئمہ کے ہاں ان واقعات کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں جیسے کہ غیبۃ طوسی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام القائم عج غیض وغضب میں ظہور فرمائیں گے کیونکہ رب تعالیٰ انسانوں سے غیض میں ہوگا۔ ان کے بدن پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہی قمیص ہوگی جو انہوں نے جنگ بدر میں زیب تن کی تھی، اور وہ دندان مبارک کے شہید ہونے کی وجہ سے خون میں تر بتر ہوگئی تھی۔ ظہور کے وقت وہ قمیص خون سے تر ہوگی۔ وہ اپنی زرہ مبارک کو لباس استبرق سے ڈھانپے ہوں گے (لباس استبرق جنت کا لباس ہے، جس کا ذکر سورہ دخان میں آیا ہے)۔ وہ ایسے گھوڑے پر سوار ہوں گے جو ابلق یعنی کہ چتکبرا ہوگا۔ اس کی ٹانگیں سفید اور پیشانی پر ایک سفید لکیر ہوگی اور اس لکیر سے ایسا نور ساطع ہوگا جسے تمام اہل شہر دیکھیں گے اور یہی ان کی سواری کی نشانی ہے۔ (کتاب العدد)۔

اسی طرح بعض روایات میں صاحب العصر عج کے ظہور کے ساتھ یا کچھ پہلے گھوڑے پر سوار فرشتوں کے آسمان سے نمودار ہونے اور دنیا پر آفات نازل کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مثلاً پیغمبر ذکریا اپنے الہامات کے ایک سلسلے میں مہندی کے پودوں کے پیچھے چند گھڑسوار دیکھتے ہیں جو سفید، سرخ، اور سرخ اور سفید رنگ کے ملے جلے گھوڑوں پر سوار ہیں۔ انہیں خداوند، یاوے، نے زمین پر گشت کے لئے بھیجا تھا۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں گھوڑا ملک حجاز کی خصوصیت سمجھا جاتا تھا۔ ایشیائے کوچک، جہاں سے قدیم پیغمبر تعلق رکھتے تھے، وہاں گدھا یا خچر عام سواری کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ گھوڑے صرف بادشاہوں کی بگھیوں میں باندھے جاتے تھے۔ (Haggai,1987)

اسی طرح دی ریویلیشنز 6 میں سینٹ جون چار رنگوں کے گھوڑوں اور ان کے سواروں کا ذکر کرتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ ایک سفید گھوڑا دیکھتے ہیں، جس کا سوار ایک عظیم فاتح کی طرح نظر آتا ہے اور اس کے پاس کمان ہے۔ اس کے بعد وہ آگ کے شعلے جیسا سرخ گھوڑا دیکھتے ہیں، جس کے سوار کے پاس

دنیا سے امن کو اٹھا لینے اور جنگ وجدل کی طاقت ہے۔ تیسرا گھوڑا سیاہ ہے جس کے سوار کے ہاتھ میں ترازو ہے۔ اور وہ اشیاء کی قیمتیں مقرر کرتا ہے۔ جبکہ چوتھا گھوڑا زردی مائل ہے اور اس کے سوار کا نام موت ہے۔ (یاد رہے کہ اس نظارے کے فوراً بعد وہ شہیدوں کی روحیں ملاحظہ کرتے ہیں۔ جو اپنے خون کا حساب چاہتی ہیں۔) دوسری جانب غیبۃ النعمانی میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی جاتی ہے کہ القائم عج کے ظہور کے ساتھ تین سو تیرہ فرشتے نازل ہوں گے۔ ان میں سے ایک تہائی شہب (سیاہی مائل سفید رنگ کے) گھوڑوں پر، ایک تہائی ابلقی (سیاہ اور سفید داغوں والے)، اور ایک تہائی حو (سرخ، احمر) گھوڑوں پر سوار ہوں گے۔ ایک اور طویل روایت میں حضرت الیاس امیر المومنین علی ابن ابیطالب سے ایک پہڑی پر ملاقات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان فرشتوں کے پاس آل داود کی تلواریں ہوں گی۔ (بحار الانوار۔ جلد 12)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ، مقام قرقیسہ میں اللہ کی طرف سے ایک دستر خوان سجایا جائے گا اور آسمان سے ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا اے طائران فضا اور زمین کے درندو! آؤ اور غداروں کے گوشت سے اپنا پیٹ بھر لو، (بحار الانوار 169) اسی طرح سینٹ جون کا کہنا ہے کہ انہوں نے فرشتے کو دیکھا جو گدھوں کو خدا کی دی ہوئی ضیافت کی دعوت دیتا تھا۔

احادیث اور آئمہ اطہار کے اقوال میں ظہور کے وقت قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تین سو تیرہ فرشتوں اور دس ہزار اصحاب کا ذکر ملتا ہے۔ تورات اور بائبل میں بھی ابن آدم کے دس ہزار ساتھیوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ بحار الانوار میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت قائم عج کی نصرت کے لئے تیرہ ہزار تین سو تیرہ فرشتے مقرر کئے جائیں گے۔ یہ وہی فرشتے ہیں جو حضرت عیسیٰ سلام اللہ علیہ کی نصرت کے لئے بھیجے گئے تھے جب انہیں آسمانوں کی جانب اٹھایا جا رہا تھا۔ (97،347)۔ اسی طرح ایک اور جگہ امام جعفر سے منقول ہے کہ گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت قائم عج نجف سے باہر گھوڑے پر سوار ہیں۔ اور جب وہ رسول اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھنڈا بلند کرتے ہیں تو تیرہ ہزار تیرہ فرشتے ان کی مدد کے لئے آتے ہیں اور یہ وہی فرشتے ہیں جو کشتی نوح ع اور نار نمرود میں حضرت ابراہیم ع کے ساتھ تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے وقت ان کے ساتھ تھے۔ ان میں سے چار ہزار تین سو تیرہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لئے پہنچے اور چار ہزار امام حسین علیہ السلام کی نصرت کے لئے آمادہ تھے۔ لیکن امام عالی مقام نے انہیں جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ جس لمحے امام

ع نے شہادت پائی اس لمحے سے لے کر آج تک امام کی مقتل گاہ اور ان کا روضہ ان فرشتوں کی گزرگاہ بنا ہوا ہے۔ وہ سر پر خاک ڈالتے ہیں اور آہ وزاری میں مشغول ہیں۔ (بحالانوار 325،52)۔

امام جعفر صادقؑ سے اہل کوفہ میں سے کسی نے صاحب الامر عج کے ساتھیوں کی تعداد پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ وہ صاحب قوت ہو کر خروج فرمائیں گے۔ اور صاحب قوت ہونے کے لئے انہیں کم از کم دس ہزار افراد کی ضرورت ہوگی (اکمالدین)۔ یا یہ کہ امام القائم عج خانہ کعبہ سے اس وقت تک کوچ نہ فرمائیں گے جب تک کہ ان کا حلقہ پورا نہ ہو جائے۔ اس حلقے میں دس ہزار لوگ ہوں گے۔ ان کی دائیں جانب جبرائیل اور بائیں جانب میکائیل ہوں گے۔ پھر موسم برسات کے بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح مختلف قبائل سے، کسی سے ایک، کسی سے دو، کسی سے دس لوگ آ کر آپ کے ساتھ شامل ہوتے جائیں گے۔ اس کے علاوہ امام محمد تقی ع سے منقول ہے کہ جب سارے اصحاب جمع ہو جائیں گے تو آپ اپنی حکومت کا اعلان کریں گے۔ اور جب دس ہزار آدمی آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے تب آپ اللہ کے حکم سے خروج کریں گے۔ (بحارالانوار 238:12)۔

بالکل اسی طرح کتاب حنوک 1 میں حضرت ادریس کا بیان ہے کہ، اس کے بعد، وہ، اپنے دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ مل کر انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کرے گا۔ تورات کی دیگر پیشنگوئیوں کے مطابق ابن آدم اپنی دس ہزار کی فوج کے ساتھ تشریف لائیں گے اور انصاف قائم کریں گے۔ خدا کے احکامات کے خلاف چلنے والوں کو ان کے کئے کی سزا ملے گی۔

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ وہ شہاب ثاقب کی طرح ظہور کریں گے (بحارالانوار)۔ مزید یہ کہ ان کا ظہور آواز اور نور کے ساتھ ہوگا جو کہ زمینی مخلوقات کے لئے روز روشن کی طرح عیاں ہوگا۔ آئمہ اکرام کے دیگر اقوال کے مطابق وہ ندائے آسمانی ماہ رمضان میں ہوگی۔ آسمان سے ان کا نام، ان کے والد گرامی اور والدہ محترمہ کا نام پکارا جائے گا۔ اور ہر قوم کا شخص اسے اپنی زبان میں سنے گا۔ خطبہ لولو میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سرخ صحرا میں ان کے لئے خاکستری رنگ کا ایک قبہ تعمیر کیا جائے گا۔ جس کے عقب میں قائم بالحق عج ہوں گے۔ ان کا چہرہ اس طرح چمکتا ہوگا جیسے ستاروں کے درمیان چاند چمکتا ہے۔ آپ کے فرق پر عمامہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور جسم مبارک پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سابغہ نامی زرہ، اور دست پاکیزہ میں ذوالفقار ہوگی۔ علاوہ ازیں امام محمد باقر ع سے منقول ہے کہ ان کے سر مبارک پر دھوپ سے بچنے کے لئے ابر کا سایہ ہوگا۔ بعض روایات میں آتا

ہے کہ ان کے سر پر زرد عمامہ ہوگا۔

سینٹ جون نے صاحب الامر کے اصلی نام کے بارے میں بھی سچی گواہی دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کا اصل نام ان کی اپنی ذات اور خدا کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ البتہ ان کی پوشاک اور ران پر ان کا نام بادشاہوں کا بادشاہ لکھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ان کا نام خدا کا وعدہ بھی بتایا گیا ہے۔ یہاں بھی مغربی مفسرین بے معنی تفاسیر پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ پیغمبروں اور دیگر اکابر دین کے ناموں میں الوہی طاقتوں کا خزانہ چھپا ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کے نام دہرانے یا دیگر طریقوں سے استعمال کرنے سے بعض طاقتیں انسانوں کے ہاتھ میں آجاتی ہیں۔ مسیحا کے اصل نام میں شاید ایسی طاقت ہو جسے عام انسانوں سے مخفی رکھنا اہم رہا ہو۔ البتہ انہیں تسلیم کرنا چاہئے کہ عیسیٰ بن مریم کا اصلی نام کبھی بھی دنیا سے چھپا ہوا نہ تھا۔ جبکہ امام مھدی کے بارے میں مسلسل اور معتبر روایات ہیں کہ ان کا حقیقی نام ان کے ظہور تک خفیہ رہے گا۔ انہیں جتنے ناموں سے پکارا جاتا ہے وہ سب کے سب القابات یا خطاب ہیں۔

بائبل کے مبصرین ان کے خطاب بادشاہوں کے بادشاہ پر بھی بحث کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نہ تو اپنی زندگی میں شاہانہ زندگی گزارتے تھے اور نہ ہی کسی اور روایت میں آتا ہے کہ دوسری آمد پر وہ بادشاہ ہوں گے۔ ہم بھی ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔ یہاں مسئلہ دی ریویلیشنز کے بیان کا نہیں بلکہ ماہرین کی، شناخت، کا ہے۔ جو اشارے امام مھدی عج کے ظہور کے لئے بیان کئے گئے تھے انہیں عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم کے لئے مختص کر دیا اور اس کے بعد مذہبی اور علمی الجھنوں کا شکار ہوتے چلے چلے گئے۔ یقیناً مسلمان اور عیسائی دونوں حضرت عیسیٰؑ کی دوسری آمد کے قائل ہیں۔ لیکن ان کی آمد قائم آل محمد عج کے ظہور سے مختلف ہے۔ عیسیٰ بن مریم نے انتہائی عاجزی کے ساتھ راہبانہ زندگی گزاری اور اپنی دوسری آمد پر بھی وہ خود کو قائم آل محمد عج کا، وزیر، کہیں گے نہ کہ امیر اور بیت المقدس میں امام مھدی کے پیچھے نماز جمعہ ادا کریں گے۔ الصراط المستقیم میں درج ہے کہ حضرت عیسیٰ امام مھدی عج سے فرمائیں گے کہ مجھے آپ کا وزیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ نہ کہ امیر (220)۔ اسی طرح الحزیقہ میں درج ہے کہ امام مھدی اس طرح حضرت عیسیٰ کی جانب متوجہ ہوں گے کہ ان کے بالوں سے پانی ٹپکتا ہوگا۔ وہ فرمائیں گے کہ تشریف لایئے اور نماز کی امامت کیجئے۔ حضرت عیسیٰ ع فرمائیں گے کہ امامت آپ کا حق ہے اور امام مھدی کے پیچھے نماز ادا کریں گے (251)۔ العمدہ کے مطابق جب حضرت عیسیٰ دوبارہ تشریف لائیں گے تو انہوں نے زعفرانی رنگ کی دہری عبائیں اوڑھ رکھی ہوں گی۔ ان کے ہاتھ میں نیزہ ہوگا

جس سے وہ دجال کو قتل کریں گے (430)۔ دوسری جانب متواتر روایات میں امام مھدی کو مملکت خداداد کا بادشاہ یا شہنشاہ بتایا گیا ہے۔ تو یقیناً سینٹ جون جس پر جلال گھڑسوار کا دیدار کر رہے ہیں وہ ہستی امام مھدی عج کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

اس کے علاوہ علامہ باقر مجلسی بحار الانوار (421:12) میں لکھتے ہیں کہ زید بن علی نے سورہ الحج (41) کا حوالہ دیا اور کہا کہ جب قائم آل محمد ص کا ظہور ہوگا تو وہ فرمائیں گے اے لوگو: ہم وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے اپنی کتاب میں وعدہ فرمایا۔ لہٰذا خدا کا وعدہ کہلائے جانے کے پہلے حقدار قائم آل محمد ص ہیں، جن کے توسط سے مملکت خداداد قائم ہوگی۔

عیسائیوں کے بعض فرقے حضرت عیسیٰ ع کی واپسی پر ریپچر یا انسانوں کے اچانک اٹھائے جانے/ غائب ہوجانے پر یقین رکھتے ہیں۔ یعنی کہ جب حضرت عیسیٰ ع کی واپسی ہوگی تو وہ اپنے سچے ساتھیوں کو ان کے مقام سے اٹھا کر اپنے گرد جمع کرلیں گے۔ مثال کے طور پر،، جب ظہور ہوگا تو وہ فرشتے بھیجے گا جو دنیا کے کونے کونے سے اس کے چنے ہووں کو اکٹھا کرلیں گے (میتھیو 37:17)۔ یا یہ کہ اس کے بعد جو زندہ ہوں گے وہ بادلوں پر چڑھ کر آقا تک پہنچیں گے اور ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں گے۔ (34:Thesolonians17)

لوکا (17:3) میں آتا ہے کہ اور میں تمہیں بتاؤں کہ اس رات دو لوگ ایک ہی بستر پر سو رہے ہوں گے۔ ان میں سے ایک اٹھا لیا جائے گا اور دوسرا پیچھے رہ جائے گا۔ دو عورتیں اکٹھی بیٹھی اناج کوٹ رہی ہوں گی۔ ایک کو اٹھا لیا جائے گا اور دوسری وہیں رہ جائے گی۔

بالکل اسی طرح سے اسلامی روایات میں ہمیں مفقودین کا تصور ملتا ہے۔ مثلاً حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ امام عج کے تین سو تیرہ اصحاب کو اس طرح جمع کرے گا جیسے موسم برسات میں بادل کے ٹکڑے ادھر ادھر سے اکٹھے ہوجاتے ہیں۔ قرآن میں بھی اسی امر کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے۔ یعنی کہ تم جہاں بھی ہوگے اللہ تعالیٰ تم کو یکجا کردے گا۔ بے شک وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے (سورہ البقرہ 148)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب امام القائم عج کو اذن ظہور ہوگا تو وہ عبرانی زبان میں اللہ کے اسم کے ساتھ دعا فرمائیں گے۔ تو ان کے تین سو تیرہ مخصوص ساتھی مختلف مقامات سے اکٹھے ہوجائیں گے۔ اور وہ سب کے سب امام عج کے علمبردار ہوں گے۔ وہ راتوں رات اپنے بستر سے غائب ہوجائیں گے۔ اور صبح ہوتے ہی مکہ پہنچ جائیں گے۔ اور کچھ ایسے ہوں گے جو دن کے وقت

بادلوں میں جاتے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں مفقودین (غائب ہوجانے والے) کہا گیا ہے۔ اوران ہی کا ذکر سورہ البقرہ آیت 148 میں آیا ہے۔ یا یہ کہ وہ (اصحاب امام) رات کے وقت اپنے فرش خواب سے اچانک غائب ہوجائیں گے اور صبح مکہ جا پہنچیں گے۔ اور کچھ لوگ تو دن کے دن بادلوں پر سوار ہوکر حاضر ہوں گے۔ جن کے نام ان کے والد کا نام، ان کا حلیہ اور نسب امام سب جانتے ہوں گے۔ ان میں سے ازروئے ایمان افضل وہ ہوں گے جو دن کے دن بادلوں پر سوار ہوکر امام کی خدمت میں پہنچیں گے۔ (اکمالدین)۔

## وقت

ہم نے اپنی بحث کے دوران دیکھا کہ صاحب الامر کے ظہور کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ اس گھڑی کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، حتیٰ کہ صاحب امر بذات خود کو بھی اس کا علم نہیں ہے۔ آج تک جس کسی نے بھی امام القائم عج کے ظہور کا وقت معین کرنے کی کوشش کی وہ سخت ابتلا میں مبتلا ہوا۔ کیونکہ یہ امر خدا کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔

## قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دارالخلافہ

بائبل کی پیشنگوئیوں میں مسیحا کا دارالخلافہ یروشلم یا نیا یروشلم بتایا گیا ہے جو کہ صیہون کی پہاڑی پر آباد ہوگا۔ اسلامی روایات میں عراق کے شہر کوفہ کو قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دارالخلافہ کہا گیا ہے۔ کوفہ ماضی بعید سے اہم تجارتی گزرگاہ رہا ہے کیونکہ یہ مشرق اور مغرب کے مشہور ثقافتی مراکز کو آپس میں ملاتا ہے۔ یہ وہی مقام ہے جسے حضرت علیؑ نے اپنا دارالخلافہ چنا اور اپنی خلافت کے مشہور خطبے مسجد کوفہ سے دیئے۔

دی ریویلیشنز 21 کے مطابق سینٹ جون نئی زمین اور نیا آسمان دیکھتے ہیں۔ پرانے زمین وآسمان غائب ہوچکے تھے۔ ایک فرشتہ انہیں کو اٹھا کر مقدس شہر، نئے یروشلم، لے جاتا ہے۔ اس شہر کو نئی نویلی دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ اس کے گرد بلند دیوار تھی اور اس میں بارہ دروازے تھے۔ اس کی ہر عمارت سونے، چاندی، یا بیش قیمت ہیرے موتیوں سے بنی ہوئی تھی۔ اسے چاند یا سورج کی روشنی کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ وہ شہر رب ذوالجلال کے نور سے چمکتا تھا۔ اس شہر میں سب پرہیزگار رہتے تھے۔ وہاں نہ تو کوئی جھوٹ بولتا اور نہ ہی کسی اور برائی کا مرتکب ہوتا تھا۔

اسلامی روایات کے مطابق قائم آل محمد عراق کے شہر کوفہ کو اپنا دارالحکومت بنائیں گے۔اس شہر کو پہلی مرتبہ حضرت عثمان ؓ نے جنگی مرکز کے طور پر قائم کیا تھا۔اسی وقت وسیع وعریض مسجد کوفہ تعمیر کی گئی تا کہ یہاں پر مسلمان فوجوں کے قیام اور طعام کا انتظام کیا جائے۔یہ اسلامی دنیا کی چار بڑی مساجد میں سے ایک ہے۔حضرت علیؑ نے شہر مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔اس کی کئی ایک وجوہات تھیں۔ ایک تو وہ شہر اہم تجارتی اور جنگی شاہراہوں کے بیچ و بیچ واقع تھا۔دوسرا اس شہر کے زیادہ تر لوگ جلد باز، آسانی سے بھڑک جانے والے اور جنگجو طبیعت کے تھے۔وہاں سے شورشیں اٹھتی رہتی تھیں۔دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے خلیفہ وقت ان لوگوں کے درمیان رہ کر ان کی شورشوں کا تدارک کر سکتے تھے۔آخری اور اہم وجہ یہ بھی تھی کہ حرمین شریفین کو غیر ضروری شورشوں سے دور رکھا جائے۔قائم آل محمد ص بھی امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے اتباع میں اسی شہر کو اپنا دارالخلافہ مقرر کریں گے۔البتہ آقا کی سلطنت کے عظیم الشان طول اور بلد کو دیکھتے ہوئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک سے زیادہ دارالخلافہ مقرر کریں، جن میں یروشلم بھی خاص اہمیت کا حامل ہو۔امام جعفر صادق سے یہ بھی منقول ہے کہ جس کا گھر کوفہ میں ہو تو وہ اس سے متمسک رہے اور اس کو نہ چھوڑے۔کیونکہ امام قائم عج کا دارالحکومت کوفہ میں ہوگا۔اور تمام مومنین کی خواہش ہوگی کہ کوفہ شہر میں یا اس کے مضافات میں آ کر آباد ہو جائیں۔یا یہ کہ، آپ مسجد کوفہ سے باہر ایک مسجد بنائیں گے۔جس کے ہزار دروازے ہوں گے اور کئی دیواریں دریائے فرات سے جا ملیں گی۔جس کے ہزار دروازے ہوں گے۔اور کوفے کے مکانات کربلا سے جا کر مل جائیں گے اور آبادی انتہائی وسیع ہو جائے گی (غیبۃ طوسی)۔جب کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب سے منقول ہے کہ، مسجد کوفہ کے وسط میں چار چشمے ہوں گے۔ایک چشمہ تیل کا، ایک دودھ کا، ایک پینے کے پانی کا اور ایک طہارت کے لئے استعمال ہوگا (بحارالانوار)۔

یہاں پر اس چشمے کا ذکر بھی اہم ہے جس کے کنارے ایک فرشتہ سینٹ جون کو اٹھا کر لے جاتا ہے۔وہ دراصل آسمان سے لے کر زمین تک بہتا ہوا آب حیات کا دریا ہے جس کا پانی بلور کی طرح شفاف ہے اور اس کے کنارے سایہ دار شجر لگے ہیں۔ہر شجر پر بارہ اقسام کے پھل ہیں۔ان درختوں کے پھل اور پتے اقوام کے زخم مندمل کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔وہیں پر نجات دہندہ کھڑا ہے اور پکار پکار کر کہتا ہے کہ آؤ میں تمہیں اس چشمے سے سیراب کروں گا۔آئمہ کی روایات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شجر طوبیٰ اور کوثر کی خبر ہر پیغمبر کو دی تھی اور ان سب کی خواہش رہی کہ وہ اس سے

سیراب ہوسکیں۔لیکن انہیں متنبہ کیا گیا کہ جب تک وہ اس میں سے کچھ پی نہ لے، کسی کو اس کا پانی پینے کی اجازت نہیں۔صحف ادریس 21:2 میں آتا ہے کہ: اور میں نے آسمانوں پر پرہیزگاروں کا چشمہ دیکھا۔جو کبھی ختم ہونے والا نہ تھا۔اور اس کے آس پاس علم وحکمت کے چشمے پھوٹتے تھے۔اور پیاسے ان چشموں سے سیراب ہوتے تھے۔اور ان کے دل ودماغ علم وحکمت سے بھر جاتے تھے۔

بحارالانوار (323) میں رسول اللہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ پر جنت میں موجود شجر طوبیٰ کے بارے میں وحی نازل ہوئی۔آپ نے پوچھا کہ طوبیٰ کیا ہے؟ آپ کو جواب ملا کہ وہ جنت کا درخت ہے۔ جس کے نیچے ایک چشمہ بہتا ہے۔جو اس چشمے سے سیراب ہوگا، کبھی دوبارہ پیاس محسوس نہیں کرے گا۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ اس کے کچھ قطرے مجھے بھی دستیاب ہوں۔جواب ملا نہیں۔ عیسیٰ جب تک وہ اس میں سے کچھ پی نہیں لیتا تب تک کسی کو اس کا پانی پینے کی اجازت نہیں ہے اور جنت الفردوس میں اس وقت تک کوئی بھی داخل نہ ہوسکے گا جب تک کہ اس کی قوم اس میں داخل نہ ہوجائے۔

## قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور حکومت کی مدت

اثناعشری تشیع میں امام عج کی حکومت کی مدت کے سلسلے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔مثلاً امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ القائم سات سال تک حکومت کریں گے۔جو تمہارے ستر سال کے برابر ہوں گے۔ایک اور مقام پر امام محمد باقر سے روایت ہے کہ القائم عج تین سو سال تک حکومت کریں گے۔۔جس میں سو سال کا مزید اضافہ کردیا جائے گا۔بعض دیگر مقامات پر ان کی حکومت سترہ یا سات سال بھی بتائی گئی ہے۔(غیبۃ النعمانی، بحارالانوار)۔یہ بھی کہا گیا کہ ان کی حکومت کا ہر دن انتہائی طویل ہو گا۔اعداد وشمار کے اس اختلاف میں جو بھی حکمت چھپی ہو لیکن مملکت خداداد کی مدت مقرر کرنا فتنے کا باعث بن سکتا تھا۔بالکل اسی طرح جیسے ہزار سالہ حکومت، دی ملینیئم نے عیسائیوں کو اکسایا کہ وہ اس طویل حکومت کی پہلے سے منصوبہ بندی کرکے رکھیں۔جگہ جگہ اس کے دارالخلافہ قائم کئے گئے یا ان کی نشاندہی کی گئی۔اس طرح کئی ایک نئے فرقے وجود میں آئے اور پہلے سے موجود سیاسی اور مذہبی انتشار میں اضافہ ہوا اور ان اختلافات نے فسادات کی صورت اختیار کرلی۔

مندرجہ بالا حصے میں ہم نے اثناعشری شیعہ اور عیسائی روایات کا مختصر تقابلی جائزہ پیش کیا۔ہم واضح کرنا چاہتے تھے کہ مستقبل کے نجات دہندہ کی پیشنگوئیاں صدیوں سے متواتر چلی آرہی ہیں۔

یہودیوں نے اس ہستی کو، مسیحا، اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ سے تعبیر کیا۔ گو کہ ان میں سے معدودے چند اہل یہود کے زندہ اٹھائے جانے والے پیغمبروں اور حضرت عیسیٰ کی واپسی سے متعلق بھی ہیں لیکن زیادہ تر روایات قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام مھدی عج کے بارے میں ہیں۔ اور اس امر کی تصدیق اسلامی روایات کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض امثال میں احادیث اور آئمہ کرام نے ہو بہو وہی الفاظ استعمال کئے جو صدیوں پہلے کی روایات میں پائے جاتے ہیں۔ اہم تو یہ ہے کہ آئمہ نے وہ روایات اپنے علم نافع سے بیان کیں نہ کہ قدیم روایات کے ذریعے، کیونکہ دوسری صورت میں قدیم ذرائع کا حوالہ دیا جاتا تھا۔ اور حوالے کی غیر موجودگی بیان کو غیر معتبر کر دیتی تھی۔ لہٰذا امام مھدی سے متعلق احادیث، آئمہ کے اقوال اور قدیم روایات سبھی الوہی علوم اور معرفت امام عج کو ظاہر کرتی ہیں۔ جو مہربان رب نے وقتاً فوقتاً بنی نوع انسان کو عطا کیا۔ یہ بحث اتنی طویل ہے کہ کئی جلدوں پر پھیل سکتی ہے۔ البتہ طوالت کے خوف سے ہم اس بحث کو کسی اور موقع کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔

## فلسفہ غیبت، مخالفین کے اعتراضات اور ایک مختصر جواب

ہماری موجودہ تصنیف کا ایک اور مقصد، فلسفہ غیبت، کا صاحب العصر والزمان امام مھدی عج، دفاع بھی تھا۔ گو کہ انیسویں اور بیسویں صدی میں جلیل القدر فقہا اور علما نے تصور غیبت، اسرار غیبت اور فلسفہ غیبت پر گراں قدر مقالے اور مضامین تحریر کئے لیکن غیبت امام مھدی عج پر آج بھی سوال اٹھائے جاتے ہیں۔ بعض مکاتب فکر کا خیال ہے کہ اہل تشیع نے دیومالائی داستانوں اور یہودیوں اور عیسائیوں کے قصے کہانیوں سے غیبت کا تصور مستعار لیا اور آئمہ اکرام کی روایات کے طور پر پیش کر دیا لیکن اگر ہم غیر جانبداری سے قدیم وجدید روایات کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ ہر زمانے کے انبیاء اور اولیا نے قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طویل غیبت اور آخری زمانے میں ان کے ظہور کا ذکر کیا۔ تنخ اور بائبل میں بھی یہ ذکر آسمانی ستاروں کی مانند چمکتا ہے۔ قبل از اسلام ہر زمانے کی بزرگ ہستیوں نے دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قائم آل محمد عج کا ذکر کچھ اس طرح کیا کہ اس وقت کے مومنین کے دلوں میں ان کے لئے محبت کے چراغ جل اٹھے اور وہ ان سے ملاقات کے لئے بے چین ہو گئے۔ ان میں سے جو خدا سے محبت اور روحانیت میں سوا تھے، انہیں خواب یا الہامات کے ذریعے صاحب الامر عج کا دیدار بھی نصیب ہوا۔

دنیا کے طول وعرض میں پائی جانے والی روایات بعض اوقات مقامی ہوتی ہیں اور دوسرے علاقوں

کے لوگ ان سے واقفیت نہیں رکھتے۔ بالکل ایسے ہی جیسے امریکہ کے قبائلیوں کی داستانیں مشنریوں کی آمد سے پہلے دنیا پروانہ تھیں۔ اس کے علاوہ کئی مرتبہ قدیم دستاویزات گم جاتی ہیں۔ اور ان کی یاد بھی لوگوں کے دلوں سے محو ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ بازیاب ہوتی ہیں تو قدرے جدید روایات کی سچائی ثابت کرتی ہیں۔ اسی سلسلے میں ہم نے اپنی موجودہ تصنیف میں سینٹ جون کے الہامات کا ذکر کیا۔ گو کہ اسے بائبل کی آخری کتاب کے طور پر شامل کر لیا گیا تھا لیکن عرصہ دراز تک اس کا متن متنازع رہا۔ سینٹ آگسٹین نے عیسائیوں کو متنبہ کیا کہ اس کے بیانات کو حقیقی کی بجائے تمثیلی قرار دیں تا کہ عوام میں جنگ وجدل کے رجحانات پیدا نہ ہوں۔ دی ریویلیشنز کا زیادہ چرچا انیسویں صدی میں ہوا، جب مغربی سکالرز نے اس سے ہزار سالہ حکومت کا تصور مستعار لیا اور ہر سودی ملینیئم کے چرچے ہونے لگے۔ تو گویا کہ بارہویں اور تیرھویں صدی عیسوی میں جب اسلامی دنیا میں غیبت امام عج پر کتب لکھی گئیں تو یہ ایک گمنام تحریر تھی۔ حتیٰ کہ موجودہ زمانے میں بھی ہم نے کسی مسلمان کو اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس کے باوجود حیرت کا مقام ہے کہ اہل تشیع نے بارھویں اور تیرھویں صدی میں جو احادیث اور آئمہ کی روایات نقل کیں ان کے نہ صرف معانی بلکہ الفاظ بھی سینٹ جون کے پہلی صدی کے الہامات سے قریب تر ہیں اور یہ بھی کہ سینٹ جون کی دی ریویلیشنز تو صرف ایک مثال ہے۔ قدیم مذاہب عالم میں ایسی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ کچھ عیاں اور کچھ پنہاں۔ نہ جانے ان میں سے کتنی آج بھی غیر متعصّبانہ تحقیق کی منتظر ہیں۔

دراصل تصور غیبت پر اعتراض کرنے والوں نے اہل تشیع کے کڑے اور اعلیٰ تحقیقی معیارات پر کبھی نظر ہی نہیں ڈالی اور انہیں ادبی چوریٰ کا الزام دے دیا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ امام مھدی عج کی غیبت کے تصور کو کب محرک ملا؟ یہاں پر ہم یہ بھی واضح کرتے چلیں کہ انہی صدیوں میں کئی ایسے گروہ بھی ابھرے جنہیں تاریخ فرقہ شیعہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ان میں سے کچھ کے عقائد تو ملحدانہ بھی تھے۔ اس مقام پر ہمیں ان فرقوں کی تفصیلات میں نہیں جانا، بلکہ صرف یہ واضح کرنا ہے کہ ہمارے مدنظر اثناء عشری شیعہ ہیں۔ جو حضور اکرم صلعم کی آل میں سے بارہ آئمہ کرام کی اتباع میں رہے اور آج تک ہیں۔

یوں تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی آپ نے بذات خود اور بعد ازاں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور دیگر آئمہ کرام نے امام عج کی طولانی غیبت، آخری زمانے میں ظہور اور مملکت خداداد کے قیام کی خبر دے دی تھی لیکن زیادہ تر تصانیف کا آغاز امام عج کی غیبت صغریٰ کے زمانے میں ہوا۔ وہ مذہبی لحاظ سے پر آشوب لیکن متحرک زمانہ تھا۔ علمی اقدار کی پاسداری کی جاتی اور

مقدار کی بجائے معیار پر سختی سے عمل درآمد ہوتا تھا۔ آج کی طرح نہ تو مدرسوں کی بھرمار تھی اور نہ ہی تصانیف کی۔ معاشرے کا ذہین اور پرخلوص طبقہ طالب علمی اور خصوصاً مذہبی طالب علمی کی جانب متوجہ ہوتا تھا۔ ان میں سے بھی معدودے چند فقیہہ دین کے مرتبے تک پہنچتے اور کتب تصنیف/ تالیف کیا کرتے تھے۔ کتب ہاتھ سے لکھی ہوئی دستاویزات ہوا کرتی تھیں۔ جو اس وقت کی دنیائے اسلام کے اکثر فقہا، علما، قاضی القضاء اور حتیٰ کہ خلیفہ وقت کے علم میں بھی ہوا کرتی تھیں۔ مذہبی تصانیف و تالیفات پر گہری نظر رکھی جاتی تھی۔ خصوصاً احادیث اور اہل بیت سے روایات کے اصول انتہائی سخت تھے۔ انہیں اکٹھا کرنے اور قلم بند کرنے والے مصنفین کے پاس ہم عصر جید فقہا کے اجازت نامے (سرٹیفکیٹ) ہوا کرتے تھے۔ ان فقہا کو اختیار ہوتا تھا کہ جب مناسب سمجھیں اپنا اجازت نامہ منسوخ کر دیں۔ مذہبی روایات کی غلطی مباحث اور حتیٰ کہ مناظروں کا باعث بھی بن جایا کرتی تھی۔ مسلم دنیا میں نویں اور دسویں صدی عیسوی میں اثنا عشری عوام کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی، جتنی کہ آج تصور کی جاتی ہے۔ واقعہ کربلا، آئمہ اکرام اور علویوں پر حکومتی سختی اور نت نئے فرقوں کی وجہ سے وہ اپنے عقائد کے کٹر پاسدار تھے۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی عالم دین سینکڑوں کے لحاظ سے اجنبی عقائد دین میں شامل کر دے اور کسی بھی اثنا عشری حلقے کی جانب سے ایک آواز بھی نہ اٹھے۔ ہاں البتہ یہ کہ قائم آل محمد ص کی غیبت اور مملکت کا خیال حیات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی ان کی رگوں میں ڈال دیا گیا ہو۔ سب سے اہم تو یہ کہ اہل تشیع کو حکومتی سرپرستی بھی حاصل نہ تھی کہ وہ اس کی آڑ میں اپنی مرضی کے تصورات گھڑ لیتے۔ بلکہ ان تصنیفات/ تالیفات اور دیگر علمی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی۔

یوں تو امام مھدی عج کی غیبت صغریٰ اور غیبت کبریٰ کے بارے میں کئی مستند کتب موجود ہیں لیکن یہاں پر ہم اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے الکافی، اکمالدین والنعمہ، اور بحارالانوار جیسی غیبت امام مھدی عج کی علمبردار تصانیف کا ذکر کریں گے اور ان کی علمی و فقہی حیثیت کو ایک مرتبہ پھر سے اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے۔

محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رضی تہران کے قریب ایک گاؤں کلینی کے رہنے والے تھے۔ بعد ازاں انہوں نے رے، بغداد، کوفہ اور دوسرے علمی مراکز سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پچاس اساتذہ کے سامنے زانو تلمذ تہہ کیا۔ ان کے پاس تیرہ سے زائد شیعہ اور سنی فقہا کے احادیث اور روایات نقل کرنے کے اجازت نامے موجود تھے۔ ان کی خوش قسمتی یہ تھی کہ انہوں نے امام

مھدی عج کی غیبت صغریٰ اوران کے چار نائبین کا زمانہ دیکھا۔ان کا انتقال اسی سال ہوا جب امام عج کے آخری نائب علی بن محمد سمری اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔جن دنوں وہ ایران کے شہر قم میں قیام پذیر تھے تو ان کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جس نے بذات خود امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایات سنی تھیں۔کلینی نے ان کی بیان کردہ روایات سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ان کی تصنیفات میں سے ایک، رجال ابن عقدہ، بھی ہے۔جو شیخ طوسی کے زمانے تک موجود رہی لیکن اس کے بعد نامساعد حالات کا شکار ہو کر کہیں کھو گئی۔

علامہ کلینی رضی نے نویں صدی عیسوی میں الکافی تحریر کی۔یوں تو تمام عمر احادیث وروایات کو اکٹھا کرنے اور تالیفات وتصنیفات میں مصروف رہے، لیکن الکافی کو ان کی بہترین تصنیف سمجھا جاتا ہے۔ الکافی دین اسلام کی انسائیکلو پیڈیا کتاب ہے۔اس کی آٹھ جلدیں مختلف مضامین پر مشتمل ہیں۔وہ شیخ مفید کے شاگرد تھے۔انہیں شیعہ اور سنی فقہا میں محبت وعقیدت اور اعتماد کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔حتیٰ کہ دونوں مکاتب فکر کے علماء ان سے فتویٰ بھی حاصل کرتے تھے۔مشہور اہل سنت تاریخ دانوں ابن الکثیر ، ابن ہجر اسقلانی ابن موکلہ نے اپنی تواریخ میں ان کا ذکر احترام کے ساتھ کیا ہے۔نیز احمد بن علی نجاشی نے بھی ان کا ذکر کیا ہے جو شیخ مفید اور شیخ صدوق جیسے نامور فقہا کے شاگرد تھے۔ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ صرف مستند احادیث اور روایات قبول کرتے تھے۔اگر کسی حدیث کے راوی ذرہ بھر بھی کمزور ہوتے تو وہ انہیں سننے کو بھی تیار نہ ہوتے تھے۔اسی وجہ سے شیعہ کتب میں نجاشی کو انتہائی اعتماد کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔نجاشی نے کلینی کو شہر رے کے علماء میں سب سے زیادہ قابل اعتبار مولف قرار دیا ہے۔اس کے علاوہ شیخ طوسی نے انہیں جلیل القدر عالم کا نام دیا ہے۔

اس کے علاوہ دسویں صدی عیسوی کے مشہور فقیہہ محمد بن علی بن القمی الشیخ طوسی کی، اکمالدین وتمام النعمۃ ،غیبت امام مھدی عج کی قدیم اور مستند ترین تالیفات میں سے ایک ہے۔وہ امام مھدی عج کی غیبت صغریٰ کا زمانہ تھا۔شیخ طوسی شیعوں کے قدیم مدرسہ بغداد کے فارغ التحصیل تھے۔انہوں نے اہل تشیع اور اہل سنت کے کئی فقہا سے تعلیم حاصل کی تھی۔جن میں شیخ مفید اہم مقام رکھتے ہیں۔معتبر روایات کے مطابق غیبت صغریٰ کے زمانے میں امام مھدی عج شیخ مفید کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔ منگولوں کی یورشوں کے دور شیخ طوسی بغداد سے ہجرت کر کے نجف اشرف چلے گئے۔بعض تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ نجف کے مشہور مدرسے کی بنیاد شیخ طوسی نے ہی رکھی تھی۔چونکہ بغداد کی لائبریریاں جلا

دی گئی تھیں، اور علمی اثاثہ نا قابل بیان نقصان کا شکار ہو چکا تھا، اسی وجہ سے شیخ طوسی نے علمی احیاء کے کام کا آغاز کیا۔ انہوں نے اسلامی قوانین، احادیث، آئمہ کرام اور دیگر فقیہہ کے اقوال اور غیبت امام مھدی عج پر طویل اور مسلسل تحقیق کی اور ایسی کتب تالیف کیں جو شیعہ اور سنی فقہا ہر دو کے لئے قابل قبول تھیں۔ وہ اپنے وقت کے مستند ترین فقہا میں سے تھے۔ اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء ان کی رائے سے اتفاق رکھتے تھے۔

انہوں نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد دشوار گزار سفر اختیار کیا۔ اس سفر کے دوران انہوں نے بلخ و بخارا سے لے کر کوفہ و نجف اور بغداد تک کے راویوں کے در چھان مارے اور نتیجے کے طور پر ایسی روایات اکٹھی کر کے لائے جو آج بھی مستند مانی جاتی ہیں۔ علامہ حلی نے خلاصۃ الاقوال میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ محمد بن ادریس اپنی کتاب السرائر میں لکھتے ہیں کہ وہ عظیم حافظ احادیث، ناقد اخبار، ناقد آثار، دانشور اور عالم رجال تھے۔ محمد سید حسن صدر لکھتے ہیں کہ محمد بن علی بن حسین نے تین سو سے زائد کتب تصنیف کیں۔ اسلامی دانشوروں میں آپ کی کوئی مثال نہیں ملتی (تاسیس الشیعہ العلوم الاسلام، منشورات)۔ جید اہل سنت فقیہہ عمر رضا کہالہ نے ان کے بارے میں کہا کہ محمد بن علی بن حسین شیعہ فقیہہ، اصولی محدث، حافظ اور رجال سے آشنا تھے۔ ان کی شہرت کا یہ حال تھا کہ اہل سنت اور اہل تشیع فقہا انہیں القابات سے نوازتے تھے۔ ہم عصر اور بعد میں آنے والے فقہا آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ روایت اور گفتار میں صداقت کے لحاظ سے آپ کا درجہ اس قدر بلند تھا اور علماء نے آپ کی اس قدر تعریف کی ہے اور اس لحاظ سے آپ اتنی شہرت کے حامل ہیں کہ آپ کے لئے کسی توثیق کی ضرورت نہیں رہتی۔ آپ کی نقل کی ہوئی روایات کو صحیح کا درجہ دیا گیا ہے۔ (مقدمہ معانی المقال ج14۔ص133)۔

اپنی بحث کا اختتام ہم سترھویں صدی سے تعلق رکھنے والے محمد باقر مجلسی سے کرتے ہیں جنہوں نے بحار الانوار کی پچیس جلدیں مرتب کیں۔ البتہ کئی ایک فقہا اور ان کے طلبا نے اس عظیم الشان منصوبے میں ان کا ساتھ دیا۔ ان سے پہلے عرب و عجم میں عربی ہی علمی زبان تھی۔ وہ پہلے شیعہ عالم تھے جنہوں نے کثرت سے فارسی زبان میں کتب تحریر کیں اور علماء کے علاوہ عوام بھی اس علمی خزینے سے مستفید ہوئے۔ دسویں اور گیارھویں صدی ع میں اربعہ کتب شیعہ عقاید کی اہم کڑیاں تھیں لیکن علامہ مجلسی کے دور تک وہ نظر انداز ہو چکی تھیں۔ علامہ مجلسی نے اسلامی دنیا کے کونے کونے میں اپنے نمائندے بھیجے اور ان کتب کے مستند نسخے حاصل کئے۔ وہ ایک وسیع منصوبہ تھا جس کے لئے پر خلوص

افراد اور خطیر زادراہ کی ضرورت تھی۔ لیکن علامہ مجلسی اپنے ارادے سے پیچھے نہ ہٹے۔ جو دستاویزات انہیں حاصل ہوئیں وہ یا تو انتہائی بوسیدہ تھیں یا پھر غیر ضروری تکرار اور تفصیلات سے بھری ہوئی تھیں۔ لہٰذا ان کے معانی تک پہنچنا مشکل تھا۔ باقر مجلسی نے محسوس کیا کہ مزید دس سال کے بعد وہ بالکل ہی ناقابل تفہیم ہو جائیں گی۔ اسی لئے انہوں نے کئی ایک نسخے اپنے ہاتھ سے اختصار اور سادگی کے ساتھ تحریر کئے۔ اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کی تربیت دی جنہوں نے دسیوں نئی دستاویزات تیار کیں۔ بحار الانوار تحریر کرتے ہوئے علامہ مجلسی نے حوالہ جات کی تصدیق پر گہری تحقیق کی۔ اس کے لئے انہوں نے اندرونی تصدیق اور بیرونی تصدیق کا ذریعہ اختیار کیا۔ بحار الانوار جلد اول کے تعارف میں وہ اپنے تصدیق کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ بحار الانوار اسلامی عقائد کی انسائیکلوپیڈیا کتاب ہے اور اس کی کئی ایک جلدیں ہیں۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے یہ بحث کیوں چھیڑی؟ اور کس نتیجے پر پہنچے؟

ہمارا مطمع نظر یہ ہے کہ غیبت امام مہدی عج پر تحقیق سے عاری اور کھوکھلے اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ غیبت مہدی عج کا تصور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا بیان کردہ ہے جس کی تصدیق شیعہ اور سنی روایات سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد آئمہ اکرام نے نہ صرف امام عج کی غیبت، ان کے ظہور اور مملکت پر سیر حاصل گفتگو کی بلکہ جگہ جگہ قرآن پاک کے حوالے بھی پیش کئے۔ غیبت صغریٰ کے زمانے سے ہی ان احادیث اور اقوال کی تالیفات پر کام شروع ہو چکا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایک جانب تو امام القائم عج کا قریبی تعلق اہل تشیع کے ساتھ تھا اور دوسرے تالیفات کے اصول انتہائی سخت تھے۔ ہم نے دیکھا کہ امام عج کے حالات لکھنے والے فقہاء اسلام کے دونوں بڑے فرقوں میں، مستند، مانے جاتے تھے اور اپنی سچائی و جان فشانی کی وجہ سے ان کی شہرت زبان زد عوام تھی۔ لہٰذا ان کے لئے یہ کہہ دینا کہ انہوں نے دیگر مذاہب اور بت پرستوں کی روایات اپنے عقائد میں شامل کر لیں، نہ صرف حقیقت سے دور بلکہ مضحکہ خیز بھی ہے۔

☆☆

# 5۔ حرف آخر

ہم شکر ادا کرتے ہیں اس پاک پروردگار کا جس نے ہمیں اس تصنیف کے حرف آخر تک پہنچا دیا۔ گو کہ یہ ایک مختصر جائزہ تھا، جو نہ تو اس موضوع کے ساتھ انصاف کرتا ہے اور نہ ہی ہمارے تخیل اور تجسس کے ساتھ۔ لیکن ہمیں خوشی ہے کہ ہم نے قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کے چھاتے تلے چند ایسے ذیلی موضوعات چھیڑے جو یا تو گردز مانہ میں دب گئے تھے یا پھر زمانہ حال کی مصلحتوں کے تحت دبیز پردوں کے پیچھے جا چھپے تھے۔ الحمدللہ کہ ہم نے پرانے موضوعات پر نئی بحث چھیڑی اور علمی و عقلی بنیادوں پر بامعنی نتائج اخذ کئے۔ ہمیں یقین ہے کہ روشنی کا یہ سفر جاری رہے گا اور ہماری اس حقیر کاوش کی بنیاد پر مزید تحقیق سامنے آئے گی۔

موجودہ تصنیف میں ہمارے بڑے مقاصد قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کی تاریخ بیان کرنا اور قبل از اسلام روایات کا تسلسل قائم آل محمد صاحب العصر والزمان امام مھدی عج اللہ تعالیٰ فرجک کے ساتھ قائم کرنا تھا۔ یہ ایک طویل اور دشوار گزار مرحلہ تھا۔ لیکن قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات وواقعات اور دیگر علامات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ ڈھونڈنے والے کو صرف خلوص نیت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کی نشانیاں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ ہم نے بھی آخر کار اپنے مقاصد کو پالیا اور اس کا ثبوت اس کتاب کے ہر باب میں حوالہ جات کے ساتھ موجود ہے۔

البتہ اسی کاوش کے دوران کئی ایک ضمنی مضامین بھی سامنے آئے، اور ہم درجہ بدرجہ ان کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتے چلے گئے۔ مثال کے طور پر باب میں ہم نے جدید سائنسی ترقی کا مذہب کے ساتھ گہرا تعلق بیان کیا اور واضح کیا کہ مذہب ہر قسم کے علوم کا ماخذ ہے۔ لہٰذا دین الٰہی ایک استاد، سائنس ایک مضمون اور انسان ایک طالب علم کا سا درجہ رکھتا ہے۔ زمانہ قبل از نوح ہو یا بعد از طوفان نوح، سائنسی ترقی کا آغاز رب ذوالجلال کے انبیاء سے ہوا۔ البتہ ترقی کے عروج پر پہنچ کر انسانوں نے خدا کی بنائی ہوئی حدود کو اس حد تک پار کیا کہ ان کی رسی کھینچ لی گئی۔ ان پر زمینی اور آسمانی بلائیں نازل ہوئیں اور ہلاکت ان کا مقدر بنی۔ اس تصنیف میں بیان کردہ مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کی مادی ترقی کا اڑن کھٹولہ

ہمیشہ تیز رفتار رہا۔ اور اس پر سوار انسانوں کو زمینی مخلوق چیونٹیوں کی طرح حقیر نظر آنے لگی۔ جب اور جہاں کہیں، چاہے وہ ماضی بعید ہو یا قریب، مشرق ہو یا مغرب، نفس کا گھوڑا بے قابو اور گھمنڈ کا جھنڈا بلند تر ہوا وہیں پر قومیں نشان عبرت بن گئیں۔ یہی قیامت صغریٰ تھیں جو چھوٹے یا بڑے پیمانے پر ماضی میں بپا ہوتی رہیں اور مستقبل قریب میں بھی ہوں گی۔ قیامتہ صغریٰ کا یہی وہ سلسلہ ہے جس کا ذکر آسمانی کتب میں پایا جاتا ہے۔ ان میں سے سب سے زیادہ ہولناک طوفان نوح تھا اور معتبر پیش گوئیوں کے مطابق آخر زمانے میں بھی وہی ہوگا جو حضرت نوح کے زمانے میں ہوا تھا۔ ہم نے اپنی موجودہ تصنیف میں دلائل کی بنیاد پر تجویز پیش کی کہ طوفان نوح کے سلسلے میں سائنسی ایجادات (ہتھیار وغیرہ) کے غلط استعمال کا اہم کردار رہا اور شاید آخری زمانوں میں بھی ایسا ہی ہو۔

اس کے علاوہ لادینیت اور بے حیائی بھی ہماری بحث کے اہم نقاط تھے۔ دور قدیم اور جدید میں چند مخصوص افراد یا اقوام دعویٰ کرتی رہیں کہ وہ مملکت خداداد کی پیشرو ہیں۔ لیکن آخر کار اپنے نفس کی غلام بن کر اجارہ دار وسیع ذرائع پر قابض ہو گئیں اور نت نئی ایجادات کی وجہ سے بے پناہ طاقت حاصل کر لی لیکن اس مادی سفر میں وہ اتنی انا پرست ہو گئیں کہ دوسری اقوام تو کیا، اپنے عوام کو بھی پس پشت ڈال دیا۔ اب ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے خود غرضانہ اہداف کو پوشیدہ رکھیں۔ علم نفسیات کے مطابق کسی کی توجہ ہٹانے کے لئے، کھیل کود، اور، تفریح، بہترین ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا تاریخ کے ہر دور میں، لادینیت، کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا گیا۔

دین کی حدود ہٹا دینے سے انسان وقتی طور پر خود کو آزاد محسوس کرتا ہے۔ لادینیت اور بے حیائی کا آپس میں گہرا گٹھ جوڑ ہے۔ مادی ترقی کے عروج پر پہنچ کر معاشرے کے مخصوص افراد کے تسلط میں ضروری اور غیر ضروری سہولیات بھی آجاتی ہیں۔ لادینیت، بے حیائی اور غیر ضروری سہولیات میں جکڑا ہوا معاشرہ بے جان روبوٹ کی طرح ہوتا ہے۔ جس کا دائرہ کار مثلث کے ان تین زاویوں سے ہی نکل نہیں پاتا تو وہ بھلا قومی اور بین الاقوامی پالیسیوں پر تنقید کس طرح کرے گا؟ یہاں ہمیں قدیم برہمن یاد آتے ہیں۔ جو خود تو رب کائنات کی وحدانیت پر یقین رکھتے تھے لیکن عوام کو بے شمار دیوی دیوتاوں کے گھن چکر میں پھنسا دیا تھا۔ تاکہ وہ اپنے مسائل میں ہی الجھے رہیں اور امراء کے معاملات میں دخل اندازی نہ کریں۔ لادینیت خدا کے بنائے ہوئے صالح قوانین کی خلاف ورزی کا نام ہے۔ بے حیائی دراصل بے حسی کی وہ آخری منزل ہے جہاں پہنچ کر انسان کو فکر نہیں رہتی کہ وہ اپنے بھائی کے خلاف جنگ لڑے

یا انسانیت کے خلاف۔ لادینیت میں پھنسی تہذیبیں آج ڈیپ فریزر میں رکھی ہوئی چاکلیٹ کی طرح ہیں۔ خوبصورت، خوشبودار اور نظروں کو متاثر کرنے والی۔ لیکن نہ تو اس کی کوئی نیوٹریشنل ویلیو ہے اور نہ ہی افادیت۔

اس تصنیف میں ہم نے یہ بھی بیان کیا کہ مغربی سائنسدانوں کے مطابق جدید سائنس کا آغاز پندرہویں اور خصوصاً سولھویں/سترھویں صدی سے ہوا۔ اور انسان ایٹم کی ساخت سے لے کر کوانٹم فزکس، مائیکرو بیالوجی اور ڈیجیٹل سائنس تک جا پہنچا۔ لیکن ہم نے دلائل کے ساتھ بحث کی کہ اللہ تعالیٰ نے روز اول سے ہی ہر قسم کا علم اپنی کتب، صحائف اور پیغمبروں کے ذریعے انسانوں تک پہنچایا۔ امام جعفر صادقؑ سے ایک طویل حدیث ہلیلہ (ہڑ) بیان کی جاتی ہے جس میں امام نے ثابت کیا کہ تمام علم خدا کے پیغمبروں کے ذریعے انسان تک پہنچا۔ اس کے بعد انسان نے تجربات اور مشاہدات کے ذریعے اسے مزید ترقی بخشی۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں امام علیہ السلام کے مقالمے کی کچھ جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔ حال ہی میں محمد علی سید نے اس حدیث کی تفصیلات اپنی کتاب حدیث ہلیلہ: اثبات وجود خدا کے حیران کن دلائل میں بیان کیا ہے۔ اس حدیث کے معتبر راوی مفضل ابن عمر جعفی کوفی ہیں۔

اس حدیث کے مطابق ایک ہندوستانی دہریہ امامؑ کے مدرسے میں قیام پذیر تھا۔ وہ خدا کی ذات کا منکر تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ انسان نے ہر قسم کا علم مشاہدے اور تجربات سے حاصل کیا ہے۔ ایک دن جب وہ امامؑ کی خدمت میں بیٹھا ہلیلہ کوٹ رہا تھا تو اس کی امام سے گفتگو ہوئی۔ جس کے نتیجے میں امام جعفر صادقؑ نے اسے مادے کی ساخت، اس کا ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا، ہواؤں اور بادلوں کے چلنے اور بارش برسانے کے اصول، علم نجوم، سیاروں کی حرکات اور علم طب کے اصولوں کے ذریعے خدا کے وجود کا قائل کیا۔ امام نے سوال کیا کہ انسان نے علم نجوم کس طرح حاصل کیا؟

کیا وہ آسمان کی بلندیوں پر چڑھا اور اس نے بروج، ان کے مقامات اور اوقات سے واقفیت حاصل کی؟ کہ کونسا ستارہ کس وقت کس برج میں ہوگا؟ اور اس ستارے کا کسی خاص برج میں ہونے کی وجہ سے زمین اور اس کے باسیوں پر کیا اثرات پڑتے ہیں؟

اس کے بعد امام عالی مقام نے علم طب کے بارے میں سوالات کئے۔ اور پوچھا کہ اطباء نے کسی نسخے میں مختلف اجزا ملانے کا علم کیسے حاصل کیا؟ خصوصاً جب ایک ہی نسخے میں کئی ملکوں کی جڑی بوٹیاں شامل کی جاتی ہوں۔ کیا کسی طبیب نے ہر ملک کا سفر اختیار کیا؟ اور وہاں تجربات کئے۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ

انسان نے ایک ہی نسخے میں مختلف اجزا کی مقدار کا حساب کس طرح لگایا؟ مثلاً کونسا جز کتنے رتی یا ماشے شامل کرنا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب بعض دواؤں میں جانوروں کا زہر استعمال کیا جاتا ہو؟ کیا اطباء نے دوسرے انسانوں پر تجربے کے ذریعے وہ معلومات حاصل کیں اور اس وقت کیا ہوا ہوگا جب غلط مقدار کی وجہ سے کوئی شدید بیماری میں مبتلا ہو گیا ہو یا وفات پا گیا ہو؟ کیا اس کے بعد بھی ایسے تجربات جاری رہے؟

نہیں ایسا نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب، صحائف اور انبیاء و مرسلین کے ذریعے تمام علوم انسانوں تک پہنچائے۔ ہاں البتہ وہ اپنے دور کی ضروریات کے مطابق تجربات کرتے رہے اور ان علوم کو مزید ترقی پر پہنچایا۔ یہاں پر امام جعفر صادق کی ایک اور مثال بے محل نہ ہوگی۔ ہم جانتے ہیں کہ پریسلے نے اٹھارویں صدی میں آکسیجن کو نام دیا۔ لیکن اس سے ہزار سال پہلے امام جعفر صادق آکسیجن کی خصوصیات بیان کر چکے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ہوا میں چند ایسے عناصر ہیں جن کی موجودگی سانس لینے کے لئے اشد ضروری ہے۔ سترھویں صدی میں سائنسدانوں نے سانس لینے کے عمل میں آکسیجن کے کردار کو واضح کیا۔ لیکن ان کا خیال تھا کہ جاندار خالص آکسیجن کی مدد سے سانس لیتے ہیں۔ مزید سو سال کے تجربات کے بعد واضح ہوا کہ خالص آکسیجن اشیا کو جلا دیتی ہے۔ اگر جاندار خالص آکسیجن استعمال کریں تو ان کے پھیپھڑے جل جائیں۔ اسی وجہ سے سانس لینے کے عمل میں آکسیجن کے ساتھ معمولی مقدار دوسری گیسوں کی بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح امام نے فرمایا کہ ہوا کا ایک عنصر جلنے والی چیزوں کو جلنے میں مدد دیتا ہے۔ اگر وہ ہوا سے جدا ہو کر خالص حالت میں ہاتھ آ جائے تو وہ اتنا زبردست ہے کہ لوہا بھی جلایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سے آپ کے والد بزرگوار امام محمد باقر نے اپنے ایک درس میں فرمایا کہ پانی جو آگ بجھا دیتا ہے، علم کے ذریعے اس سے آگ جلائی جا سکتی ہے۔ ماڈرن سائنس نے اٹھارویں صدی میں آکسیجن کی اس خصوصیت کو دریافت کیا۔ آکسیجن سے آگ جلانے کے عمل کو اکسیڈ روجن کہا جاتا ہے اور صنعتوں میں اسے دھاتیں پگھلانے اور ان میں سوراخ کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ (سپر برین آف اسلام ص۔ 62-61)۔

حاصل بحث یہ کہ دین الٰہی ہر دور میں بنی نوع کا اولین استاد رہا۔ اسی کی انگلی پکڑ کر انسان نے نہ صرف روحانی اور اخلاقی بلکہ مادی ترقی کی منازل بھی طے کیں لیکن جب وہ عروج تک پہنچا تو وہ نہ صرف اپنے رب کو بھلا بیٹھا، بلکہ ناشکرا اور حتیٰ کہ گستاخ بھی ہو گیا۔ یہی وقت اس کی تباہی کا تھا لیکن یہی

وہ نقطہ ہے جہاں سے ایک دور ختم ہوتا ہے، اور دوسرے کا آغاز ہو جاتا ہے۔

رب متعال اپنی رحیمی اور کریمی کی بدولت کرہ ارض کو نئی زندگی عطا کرتا ہے اور نئی زمین اور نئے آفاق تشکیل دیتا ہے۔ نئے معاشروں کی ذمہ داری ان پر ڈالتا ہے جنہیں زمین پر کمزور کر دیا گیا تھا۔ یوں مملکت خداداد کی نئی سرے سے بنیاد رکھی جاتی ہے۔ خدا کے ہر پیغمبر نے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے مملکت خداداد کی تشکیل کی، جس کی انتہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت مسلمہ پر ہوئی اس کا دائرہ کار مکمل کرہ ارض اور جس کی مدت تا ابد ہے۔ اس مملکت خداداد کی آخری کڑی امام آخر الزماں صاحب الامر ع ہیں۔ جن کی معاونت کے لیئے آل آدم وابراہیم ویعقوب واسحق اور آل اسمعیل تشریف لائیں گے۔

اس کتاب میں ہم نے واضح کیا کہ وہ ہستی جس کا صدیوں سے انسانیت کو انتظار ہے جو خین خین کی اولاد میں سے ہے، جو مساوو، امینی ہے، جس کی ران پر اس کا نام، بادشاہوں کا بادشاہ لکھا ہوا ہے، وہ قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب الاعصر والزماں حجتہ الا ابن الحسن امام مھدی ع کے سوا اور کوئی نہیں۔ وہ غیبت میں ہیں، وہ بادلوں سے نمودار ہونگے۔ جس مملکت کا آغاز سردار کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا وہ اس کو حد کمال تک پہنچائیں گے۔ ان کے تن پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیض، سینے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ اور ہاتھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھنڈا ہوگا۔ ان کا عمل میزان قائم کرنا اور ان کا منشور عدل وانصاف ہوگا۔

ہم نے اس تصنیف کی اولین سطور پر معجزے کا سوال اٹھایا تھا۔ ممکن ہے کہ باب اول میں وہ سوال کچھ بے محل محسوس ہوا ہو۔ لیکن باب آخر کی آخری سطور میں مناسب ترین معلوم ہوتا ہے۔ اس سوال کے جوابات سے ہم نے چند نقاط اخذ کئے تھے اور انہی نقاط پر غور وفکر کرنے کی وجہ سے نیا مواد سامنے آیا اور ہم اپنے نتائج تک پہنچ پائے۔ یہاں پر ہمیں اٹھارویں صدی کا جرمن فلاسفر ایمینوئل کانٹ یاد آتا ہے۔ جس نے معجزہ پر اعتراض کرتے ہوئے دین کی حقیقت سے ہی انکار کر دیا تھا۔ اس کے تصورات کے ردعمل میں عیسائی اور یہودی سائنسدان معجزے کے پیچھے چھپی ٹھوس حقیقتوں کو ڈھونڈنے نکلے اور آفاق فتح کر لئے لیکن ہم معجزے پر سوال کو آج بھی قابل تعزیر تصور کرتے ہیں۔

مغربی سائنسدانوں نے مذہبی کتب کو بنیاد بناتے ہوئے قدرت کے اہم راز معلوم کئے اور مسلسل تجربات کے ذریعے زمین وافلاک فتح کئے۔ ان کی کئی ایک ایجادات اینٹی کرائسٹ کا مقابلہ کرنے اور قیامت صغریٰ کی ہولناکیوں سے بچنے کے لئے تھیں۔ لیکن اس عمل میں وہ اتنے طاقتور ہو گئے کہ اندیشہ

پیدا ہو گیا کہ وہ خود ہی قیامت صغریٰ بپا کر دیں گے۔ اور شاید یہی کچھ حضرت نوح کے زمانے میں بھی ہوا ہوگا۔ ایک سے زیادہ روایات اشارہ دیتی ہیں کہ وہ قومیں حد سے زیادہ ترقی یافتہ تھیں اور اسی وجہ سے تباہی کا شکار ہوئیں۔ کچھ اقوام زیر زمین اور کچھ زیر آب آ گئیں۔ اسی طرح کئی ایک مستند روایات کے مطابق آخر زمانے میں بھی وہی ہوگا جو حضرت نوح کے زمانے میں ہوا تھا۔ زمین گناہوں سے اس حد تک لبریز ہوگی کہ اسے سوائے شدید زلزلوں، خوفناک آگ، سیلاب اور بارشوں کے بغیر پاک نہیں کیا جا سکتا ہوگا۔ اس سلسلے میں طوفان بادوباراں، زمین کا ہچکولے کھانا، آسمان کا گھومتے پھرنا، سورج کا سیاہ اور سرخ ہو جانا، زمین اور پہاڑوں کا اپنے مقام سے سرکنا اور کچھ پہاڑوں کا روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھرنا بیان کیا جاتا ہے۔ یہاں پر اہم نقطہ تو یہ ہے کہ حضرت نوح کے وقت کرہ ارض کے جغرافیائی حالات شدت سے متاثر ہوئے۔ جہاں خشکی تھی وہاں پانی آ گیا۔ زمین میں کھائیاں بنیں اور کچھ پہاڑ اپنی جگہ سے ہلے۔ شاید وہ آبادیوں کے اوپر آ گئے۔ ایسے ہی واقعات قائم آل محمد کے ظہور سے پہلے بھی پیش آئیں گے۔ پہاڑ اپنی جگہ سے حرکت کریں گے، کچھ تو روئی کے گالوں کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔ زمین اس طرح تھرتھرائے گی کہ خشکی اور سمندر اپنی جگہ بدل لیں گے۔ جو کہا جاتا ہے کہ زمین اپنے خزانے الٹ دے گی تو شاید پہاڑوں کے نیچے سے دھاتوں یا قیمتی پتھروں کی ایسی کانیں برآمد ہوں جن کے بارے میں بعد از نوح کی انسانیت علم ہی نہ رکھتی ہو۔ جب سمندر اپنا جغرافیہ بدلیں تو ان کے نیچے مدفون تہذیبوں کے آثار نکلیں یا پھر نئی نویلی زمین جس کو حضرت نوح کے بعد کسی نے کاشت نہ کیا ہو اور نہ ہی اس پر شہر آباد کئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

ہماری تصنیف کا آخری پیغام یہ ہے کہ دنیاوی علوم کی بنیاد اس تصور پر قائم کی جائے کہ دین اور دنیا، مذہب، ہر قسم کے نافع علوم اور مادی اور اخروی زندگی باہم متصل ہیں۔ تاریخ انسانی میں جب بھی ان کے قدرتی تعلق کو توڑنے کی کوشش کی گئی تو نتیجہ تباہی و بربادی کی صورت میں نکلا۔ جب ترقی یافتہ اقوام سیکولرازم اور لادینیت کے ذریعے مادی اور روحانی زندگی کو الگ کر دیتی ہیں تو ان کے مدنظر اپنے مخصوص عزائم ہوتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ ہم اسی چادر کا دوسرا کونا تھام لیں۔ یعنی کہ وہ تو مزہب کو دنیاوی علوم سے دور رکھتے ہیں اور ہم بعض مذہبی معاملات کا مادیت کے ساتھ قدرتی تعلق ہی توڑ دیں۔ مغربی عوام کو جس چمکتے سکے کے ذریعے دھوکا دیا گیا، اسی کے دوسرے رخ پر آپ کیوں قربان ہوئے جاتے ہیں؟ برائے مہربانی اپنے ذہن کی گرہ کھولئے تاکہ حقیقت کے در وا ہو سکیں۔

مطالعہ چاہے کائنات کا ہو یا کرہ ارض کا، تاریخ وثقافت یا مستقبل میں پیش آنے والے حالات کا یا پھر دیگر مذاہب اور ثقافتوں کا، وہ انسامی سوچ اور عمل کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ جس کی بدولت مفید نتائج سامنے آتے ہیں ورقومیں ترقی کرتی ہیں۔ اپنی زندگی میں ہمارا واسطہ ایسے لوگوں سے بھی پڑا جو کسی روایت کو یہودیوں کی کہانیاں یا سائنس کو مذہب کے مقابلے میں حقیر جان کر یک جنبش قلم رد کر دیتے ہیں۔ اپنے ماحول اور کائنات کے مشاہدے اور مطالعے کے لئے ہمیں آلات کی ضرورت پڑتی ہے۔ سائنس ہمیں وہ آلات مہیا کرتی ہے۔ اگر ہم غور وخوض کی عادت ڈال لیں اور مادی آلات کی مدد سے خدائی اشاروں کو سمجھنے کی کوشش کریں تو بحر حال خدائے واحد کی کاریگری تک ہی پہنچیں گے۔ وہ حضرت یعقوب کی سیڑھی کی طرح ہیں جو مادیت کو روحانیت کے ساتھ ملاتی ہے۔ اسلام نے کبھی بھی قدرتی مطالعہ یا سائنسی علوم کو رد نہیں کیا۔ بلکہ وہ تو اس سب کا سرپرست اعلیٰ ہے۔ اسی نے تو اپنے انبیاء پر الہام، وحی، آسمانی کتب اور صحائف کے ذریعے علم کے خزانے اتارے۔ تاکہ وہ اس ورثے کو دوسرے لوگوں تک پہنچا سکیں۔ اگر ہم منتظرین امام مھدی عج ہیں تو ہمارے کچھ فرائض بھی ہیں۔ اور ان میں سے ایک اہم فریضہ حق اور سچ کی تلاش ہے۔

وسیع اور سنجیدہ مطالعے کی عادت ڈالیے۔

☆☆

## Bibliographic References


- Anderson, C. D. (2003). "Jude's Use of thePsuodepigraphical Book of 1 Enoch". *Dialogue: A Journal of Mormon Thought.* Vol. 36. No. 3. 47-64.
- Arundell, J. F. (1885)."The Secrets of Plato's Atlantis". Kessinger Publishing, LLC.
- Babbage, C. (1864) "Passages from the Life of a Philosopher". Ebook produced by the Online Distributed Richardwat. https://www.pgdb.net
- Bartlett, J. E. ed. (*n.d.*) "Letters of Roger Williams 1632-1682".Vol. 6. Publications of Nerregans.
- Beatne, C. (1978) "The Russian Orthodox Mission in America. 1794-1837". With Materials Concerning the Life and Works of the Monk German, and Ethnographic Notes by the Hieromonk Gedeon. Kingston: Limestone Press. Ontario.
- 'Bibliographic Sketch of Christopher Columbus'. 1811'. *The Belfast Monthly Magazine*. Vol. 7. No. 4.http://www.jstor.org/stable/30072936
- Charles, W. (1983). "From Paracelsus to Newton: Magic and Making of Modern Science".Cambridge: Cambridge University Press.
- Clemen, C. (1909). 'The Revelations of John'. *The Biblical World.* Vol. 34.No. 2. Pp. 91-103.
- Colby, T. (2020). 'Revisiting Joseph Smith and the Availability of the Book of Enoch'. *DialogueJournal*.Vol 53 No. 3.
- Columbus, C. Ed. (*n.d.*)"'The Book of Prophecies". Vol. III. Tr. By Blair Sullivan. University of California Press. LA
- Corrales, M. E. (2021). "Muslims in Spain. 1492-1804". Corrales, BRILL.
- Cummins, J. George, W.& Nicolson, G, B.(1992). "The Voyage of Christopher Columbus".
- Cushman, H. B. (1899)"History of the Chokta, Chikasaw and Natchez Indians". Greenville Headlights Printing House.
- Dutt, S. (1962). "Buddhist Monks and Monasteries of India: their histories and their contributions to Indian culture". N. Delhi: Motolal Banarsidass Publications Private Limited.

- Galli, G. D. (2011).'Enoch's Vision and Gaia. An LDS Perspective on Environmental Stewardship'. *Dialogue: A Journal of Mormon Thought.* Vol. 22. No. 2. Pp. 36-56.
- Ghirardi, G.C. (2004)"Sneaking a Lookat God's Cards Unravelling the Mysteries of Quantum Mechanics". Princeton: Princeton University Press.
- Ferris, T. (1988). "Coming of Age in the Milky Way".*NY:* William Morrow &the Company, Inc.
- Haggai, Z. 1-8. (1987) "A New Translation with Introduction and Commentary by Caroll". Meyer & Eric M. Meyers. NY: The Anchor Bible DoubleDay.
- Harris, C. (2017)"Raising Royalty: 1000 Years of Royal Parenting". Dundurn Press.
- Hassan, A. (*n.d.*). 'Arabic Origins of the Foundational Myth of Western Identity Between Histories of the Conquest of America and Conquest of Andelusia'. *AlMuntaqa.* Vol. 3. No. 1. Pp 38-51.
- Henry, B. (1803). "North and South America: Early Discoveries by the Northmen, Spainards, Portuguese, French, English, Dutch, etc. etc". Hartford: Hurlbut, Williams & Company. Connecticut.
- Henry, F. (*n.d.*). 'Spanish Colonial Tuscon'. Dobyns: University of Arizona Press.
- Herbermann, C. ed. (1913). 'Antoine Laurent Lavoisier'. In *CatholicEncyclopedia.* NY: Robert Appleton Company.
- Hunter, M. Fergusson, T. (1950). "Ancient American and Book of Mormon". Oakland: Kolob Book Company.
- Isaac, K. (1670)"The Religious Ideas of Some Modern Scientists". Htts://scholarworks.umass.edu/theses
- Jim, T.S.F. (2022) "Saviour Gods and Soteira in Ancient Greece". London: Oxford University Press.
- John Smith. (2002) 'The Book of Mormon and Renaissance'. *Dialogue. A Journal of Mormon Thought.* Vol. 353 (3-112).
- Jolland, M. (2019). 'Isaac Newton Reads the King James Version: The Marginal Notes and Reading Marks of a Natural Philosopher'. In*Papers of the Bibliographic Society of America.* Vol. 113. No. 3. Pp. 297-339.
- Kirby, W. (2009) "On The Power, Wisdom and Goodness of God". NY: Columbia Press.

- Pais, A. (1991) 'The Neil Bohr Times'. *Physics, Philosophy and Polity.* Oxford:Clandron Press. Oxford.
- Priestley, J. B. (1973). "Man and Time". London: Allen and Unwin.
- Manuel, F, E. (1974)."A Portrait of Isaac Newton". Washington D. C. : *NewRepublic*. 1968. Psychological Study.
- Martti N. (2018)." Ancient Prophecy: Near Eastern, Biblical and Great Perspective". London: Oxford University Press.
- Messiha, H. (1973) 'Saqqara Bird'.*Egypt Travel Magazine.* Cairo Ministry of Tourism. Department of Publicity. (153)-
- Metzer, B. (1975). "A Textual Commentary on the Great New Testament". NY: American Bible Society.
- Micheal S. (1992)"Columbus and the War on Indeginous People". Vol 33. Issue3. https://dol.org/10.1177/...
- Mohammadi R. S. (1387) *Hakim Al Nabi Al Azam PBUH.* Vol. 2. P. 269
- Mohammad K.(1371)"Proclamation of the Quran".
- More, L. T. (1934)."'Isaac Newton: a bibliography". NY: Scribner's.
- Noble, D. F. (1997). "The Religion of Technology: The Division of Man and the Spirit of Invention". A.A.A. KnopfRees. R.A.
- Polariyi, M. (1946). "Science, Faith and Society". Chicago: University of Chicago Press.
- Santillana, G. (1955). "The Crime of Galileo". The University of Chicago. USA
- Shaw, L. (2000) "The Oxford History of Egypt". London: Oxford University Press.
- Smith, G. W. (1906). 'An Address Delivered by Aman…. Historical Society'. *Records of the American Catholic Historic Society of Philosophy.* Vol. 17. Pp. 374-398.
- Son of Man in the Vision of Daniel (2020) Princeton University Press-https://doi.org/10.1515/9780691199894-022
- Soyer, F. (2007).'"The Persecution of Jews and Muslims of Portugal, King Manuel I and the End of Religious Tolerance (2496-97)'.*The Medieval Mediterranean Peoples, Economiesand Cultures, 400-1500*. BRILL.ISBN
- 9789004162624.

- Sutcliff, J. (1798). "A Treatise on the Universal Spread of the Gospel, the Glorious Millenium of the Second Coming of the Christ". Gazette Office. Doncaster.
- Szilard, L. (1978). "Leo Szilard: His Visions of the Facts. Ed. Spence, R. Weart & Gertrud, W. Cambridge, Mass: MIT Press. Recollections and corresspondence by a pioneer in nuclear fission.
- Tabatabai.M. H (1973)*AlMizan fi tafsiri l-quran.* Vol. 4. P. 72.
- Tabasi. (1379)"Idris the Prophet. PBUH".
- Terry, M. S. (1896). 'The Revelationsof John'. *The Biblical World.* Vol. 7. No. 3.
- Thayer, H. S. A ed. (1953) "Newton's Philosophy of Nature: Selections from his Writings". Hafner Library of NewYork
- The Wisdom of Solomon.(2011)"A New Translation with Introduction and Comments by David Winston". AnchorYale University Press.
- The Library of Congress. "ACentury of Congressional Law Making for a New Nation: US. Documents and debates".https://www.loc.gov.bib.ourdocs.
- Tibbets, G. R. (1978) "Arabia in Early Maps".
- Wessinger, M, ed. (2011)"The Oxford Book of Millenialism". London: OxfordUniversity Press.
- William، W. (*n.d.*). 'Founder of the Rhode Island Colony'. Letter to General Court of MassachussettsWinter, J. R.
- Weitzmen, S. (2011). "The Wisdom of Solomon". Yale University Press.
- Yoram, E (*n.d.*) "Idris" , in: *Encyclopedia of the Quran*, Gen. Ed. Jane Dammen Mc. Auliffe, Georgetown University, Washington, DC.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہدیہ برائے والدین و دیگر مرحومین

QCP
Qalamkar Club Pakistan
+92 333 222 1689
raabtapk@gmail.com

ہم شکر گزار ہیں اس رب متعال کے جس نے ہر شے کا جوڑا بنایا، سوائے اپنی ذات معلیٰ کے؛ تا کہ احد و واحد اور یکتائی اس کی پہچان ٹھہرے۔ اس نے ہر علت کو معلول کے ساتھ اور ہر عمل کو ردعمل کے ساتھ جوڑا۔ یوں اس نے ہر قیامت صغریٰ کے روپ میں حساب جاری کیا، اور دوسری جانب ہر زمانے اور ہر قوم میں مملکت خداداد کی خبر بھیجی، تا کہ میزان کے تقاضے پورے ہوتے رہیں۔

**ڈاکٹر عالیہ جواد**

اس کتاب میں ڈاکٹر عالیہ جواد صاحبہ نے آسمانی کتب، صحائف، دیومالائی داستانیں، الہامات اور پیشن گوئیوں کے حوالے دے کر بتایا ہے کہ ہر قوم، ہر مذہب اور ہر دور میں دنیا پر آنے والی سلسلہ وار بلاؤں اور اس کے بعد ایک نجات دہندہ کا ذکر ملتا ہے جو دنیا کو عدل و انصاف کے ساتھ اسی طرح بھر دے گا جیسے کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ انہی افکار کے انہوں نے قدیم دستاویزات، قصے کہانیوں، آسمانی کتب اور ان پر قدیم و جدید تبصروں کا گہرا مطالعہ کیا، اور قیامت صغریٰ اور مملکت خداداد کے احیاء کی روایات میں تسلسل قائم کیا۔ جن کے حوالے جا بجا دیئے گئے ہیں۔

موضوعاتی اعتبار سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے یہ ایک دلچسپ، تحقیقی اور فکر انگیز کتاب ہے جو عقل و شعور کے کئی در کھولتی ہے۔

**ڈاکٹر صابر علی ہاشمی**

مدیر اعلا: ماہنامہ رابطہ

منتظم: قلمکار کلب پاکستان

QALAMKAR CLUB PAKISTAN
QCP

119- Mezzanine Floor, Bhayani Shopping Center,
Block 'M', North Nazimabad, Karachi.
Contact: 0333-2221689, 0302-4274115
email: raabtapk@gmail.com